حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی کے
مفصّل حالات وسوانح اور تجدیدی کارنامے

از : حضرتُ مولانا محمّد منظور نعمانی مدظلہ العالی

دارالاشاعت
اردو بازار کراچی ۱ — فون ۲۶۳۱۸۶۱

ملنے کے پتے

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ع۱

مکتبہ دارالعلوم ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ع ۱۴

ادارۃ المعارف ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ع ۱۴

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انار کلی لاہور۔

فہرست مضامین

مضمون	نمبر صفحات
تعارف ! (از مرتب)	۵
حدیث تجدید اور اس کی تخریج	۱۱
حدیث تجدید کی شرح اور مجددیت کی حقیقت (از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ)	۱۲
الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ (از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ)	۲۳
الٰہی مذہب یا ہندوستان کا فتنۂ کبریٰ	۲۹
اجتہاد کا دعویٰ	۳۰
الف ثانی کا نظریہ اور دین الٰہی کی تدوین	۳۹
دین الٰہی کے بعض عناصر	۵۷
عبادت میں بجائے توحید کے شرک صریح	۵۸
سود اور جوئے کی حلت	۶۵
شراب کی حلت	۶۵
ڈاڑھی کی درگت	۶۶
غسل جنابت کی منسوخی	۶۷
نکاح کے قوانین میں مضحکہ خیز ترمیمیں	۶۷
بے پردگی	۶۸
زنا کی تنظیم	۶۹
رسم ختنہ	۶۹
میت کو دریا برد کرنے یا جلانے کا حکم	۷۰
سوروں اور کتوں کا تقدس	۷۱
شیر اور بھیڑیے کے گوشت کی حلت اور گائے بھینس کے گوشت کی حرمت	۷۳
ہندی کتابوں سے شغف اور عربی کو گرانے کی کوشش	۷۴
اکبر کے بگاڑ میں علماء دنیا کا حصہ	۷۸
ملا مبارک ناگوری اور ان کے دونوں لڑکے	۸۳
اس دور کے بعض علماء آخرت اور ان کی کوششیں	۸۵
حضرت مجدد کا ابتدائی زمانہ اور ابوالفضل و فیضی سے آپ کی ملاقاتیں	۸۸
اکبر کے بعد جہانگیر کی تخت نشینی اور آپ کی تجدیدی مہم کا آغاز	۹۰
ارکان سلطنت سے تعلقات، اور ان کے ذریعہ اصلاح کی کوشش	۹۰
ان کوششوں کا مبارک انجام	۹۵
اس دور کے صوفیہ اور ان کا تصوف	۹۷
مجدد الف ثانی کا تجدیدی جہاد (از محمد منظور نعمانی)	۱۳۳
الف ثانی اور ظلمت بدعات	۱۳۶
فتنوں کے تین سرچشمے۔ اکبری راج، علماء سوء، صوفیہ باطنیہ	۱۳۸

مضمون	صفحات
سلطنت کو راہِ راست پر لانے کے لیے آپ کی خاموش جدوجہد	۱۳۹
علماءِ سوء اور گمراہی کے دو دروازے (دنیا طلبیت اور ناخدا ترسی کے باوجود ادعاءِ اجتہاد اور "بدعتِ حسنہ" کا نظریہ) اور ان کے خلاف حضرت مجدد کا جہاد۔	۱۴۸
غلط تصوف کی راہ سے آنیوالی گمراہیوں کے خلاف حضرت مجدد کا تجدیدی جہاد۔	۱۵۴
فتنۂ رفض و تفضیلیت کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی رح کا جہاد	۱۷۵
افضلیت شیخین رض	۱۷۸
بعض الہامی معارف	۱۸۰
حضرت عثمان رض کی افضلیت	۱۸۷
مشاجرات صحابہ رض	۱۹۰
حضرت عائشہ صدیقہ رض	۱۹۵
حضرت طلحہ و زبیر رض	۱۹۷
حضرت امیر معاویہ رض	۲۰۱
شرفِ صحبت سارے مطاعن کا ایک اصولی جواب	۲۰۳
امام ربانی (قدس سرہ) از حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب مدظلہ	۲۱۲
نام و نسب	۲۱۵
وطن اور ولادت سراپا بشارت	۲۱۶
تحصیل علم	۲۱۸
تحصیل طریقت	۲۱۸
بعض ظاہری کمالات	۲۴۸
کچھ باطنی کمالات	۲۶۹
حضرت کی مجددیت	۲۷۵
وفات حسرت آیات باقیات الصالحات	۲۷۹
مکتوبات امام ربانی کا تعارف (از مولانا سراج الحق مچھلی شہری)	۲۹۱
حضرت مجدد الفِ ثانی رح شاہ ولی اللہ دہلوی رح کی نظر میں	۲۹۳
نواب صدیق حسن خاں مرحوم کا خراجِ عقیدت	۳۰۱
حضرت مجدد رح یورپ کی نظر میں (از مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی)	۳۰۳
تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانی رح (از مولانا نسیم احمد صاحب فریدی)	۳۰۴
علامہ اقبال حضرت مجدد رح کے مزار پر	

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تعارف

اب سے ۲۱ سال پہلے ۱۳۵۷ھ میں الفرقان کا "مجدد الف ثانی نمبر" شائع ہوا تھا۔ اس کے لیے محض اللہ تعالیٰ کی خاص مدد و توفیق نے امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کام اور آپ کے حالات و سوانح کے متعلق چند ایسے مقالات فراہم کرا دیے تھے جنھوں نے صرف آپ کے کام و مقام کا تعارف ہی نہیں کرایا بلکہ اللہ ہی کو علم ہے کہ کتنے دلوں میں احیاء دین کا جذبہ و حوصلہ بھی پیدا کر دیا، اور طریقہ کار کے بارہ میں اصولی رہنمائی بھی کی۔ فللہ الحمد والمنۃ ——— اس نمبر کی اشاعت کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ اس وقت اس کا نکلنا اور اس کے لیے ان مقالات کا لکھا جانا کوئی محض اتفاقی بات نہیں ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اس وقت اس کی توفیق ایک لطیفہ غیبی ہے اور اس ملک میں جو نیا دور شروع ہو رہا ہے اُس میں دینی کام کرنے والوں کے لیے رہنمائی کا ایک سامان ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ دلوں اور دماغوں کو اور یہاں کے دینی ادب کو "الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر" نے جتنا متاثر کیا اُس کی نظیر ہماری دینی صحافت میں تلاش کرنے سے بھی شاید ہی مل سکے۔ یہ محض فضل تھا اللہ تعالیٰ کا اور برکت تھی اس کے اس مخلص بندے کی جس کے حالات و سوانح اور دین کی حفاظت و تجدید کے سلسلہ کے اس کے کاموں کا اس میں تذکرہ کیا گیا تھا۔

اس نمبر کی اشاعت سے یہ بات بھی پہلی دفعہ کھل کر سامنے آئی کہ مسلمانوں کی دینی زندگی

کے لیے جو سنگین مسائل اس ملک میں پیدا ہو رہے ہیں اور ہوں گے اُن کے بارے میں سب سے زیادہ رہنمائی یہاں کے دین کے خادموں کو امامِ ربّانی مجدد الف ثانی کی زندگی سے اور آپ کے تجدیدی جہاد سے مل سکے گی۔ جو عام طور پر آپ کے مکتوبات کے ضخیم دفتروں میں اور آپ سے متعلق دوسری اہم کتابوں میں محفوظ ہے، البتہ اس کو موجودہ زمانہ کی ضرورت کے مطابق نئے طرز سے مرتب کرنے کی ضرورت ہے ——— اس بات کو اُجاگر کرنے اور محسوس کرانے میں سب سے زیادہ حصّہ اور دخل مولانا سیّد مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقالہ کا تھا جو "مجدد نمبر" میں "الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اور ایک لحاظ سے گویا اس نمبر کی جان تھا۔

اسی بنا پر اس عاجز کے اور مولانا ممدوح کے درمیان یہ بات طے ہوئی تھی کہ وہ اس مقالہ ہی کے منہاج پر اور ضرورت وقت کے نقطۂ نگاہ سے حضرت مجدد قدس سرہ کی مستقل سوانح حیات لکھیں گے اور یہ عاجز اس پر مقدمہ لکھے گا اور اس کی طباعت و اشاعت کا بھی اہتمام کرے گا ——— لیکن اللہ تعالیٰ ہی اپنے فیصلوں کی حکمتوں کا جاننے والا ہے، ابھی یہ منصوبہ منصوبہ ہی تھا کہ مولانا مرحوم اس دنیا سے اُٹھا لیے گئے، اور اُن بیسیوں علمی کاموں کے ساتھ جن کی ان سے توقع تھی اور وہ انہی کے کرنے کے تھے یہ کام بھی رہ گیا ———

وَکَمْ حَسَرَاتٍ فِیْ بُطُوْنِ الْمَقَابِرِ" ——— رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین

بہرحال وہ ضرورت اپنی جگہ باقی ہے اور کوئی نہیں ہے جو وہ لکھ سکے جو مولانا مرحوم لکھتے۔ اُن کا رسا ذہن اور ان کی زبان و بیان کوئی کہاں سے لائے۔

عرصہ تک غور کرنے کے بعد اس عاجز نے اس سلسلہ میں یہ طے کیا کہ حضرت مجدد قدس سرہ کی کسی نو تصنیف سوانح حیات کے بجائے، آپ سے متعلق دو مجموعے الگ الگ شائع کر دیے جائیں، ——— ایک آپ کے مکتوبات کا ایک جدید انتخاب جس میں مکتوبات کے تینوں دفتروں سے وہ تمام مکاتیب لے لیے جائیں جن سے حضرت ممدوح کے تجدیدی کام پر روشنی پڑتی ہے اور جن میں اس دور کے (خاص کر برِاعظم ہند و پاک کے)

مسلمانوں کے لیے وہ خاص رہنمائی اور روشنی ہے جس کے وہ آج اپنی زندگی کے انفرادی واجتماعی مسائل میں خصوصیت سے محتاج ہیں۔

اور دوسرا مجموعہ مولانا گیلانی مرحوم اور دوسرے حضرات کے اُن چند مضامین ومقالات کا جو مجدد نمبر میں یا اس کے بعد الفرقان کے کسی شمارہ میں شائع ہوئے ہیں اور جن کی یکجائی سے حضرت مجدد قدس سرہ کی زندگی اور آپ کے تجدیدی جہاد کی ایک حد تک مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے جس سے ہم آج کے اپنے مسائل میں روشنی اور رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں ـــــ

امید ہے کہ ان دونوں مجموعوں سے انشاءاللہ وہ ضرورت بڑی حد تک پوری ہو جائے گی جس کے لیے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہ کی ایک جدید سوانح کی تالیف کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔

ان میں سے پہلا کام یعنی مکتوبات کے انتخاب وترتیب اور ترجمہ کا کام، میں نے اپنے مخلص دوست مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی کے سپرد کر دیا ہے، انشاءاللہ اسی سال (۱۳۷۸ھ) میں وہ اس کو مکمل کرلیں گے اور دوسرا مجموعہ حضرت مجدّد قدس سرّہ سے متعلق مضامین ومقالات کا اس کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

اس میں سب سے پہلے صرف ایک صفحہ پر تو حدیث تجدید کی تخریج کے متعلق چند سطریں ہیں جن کے مطالعہ سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ جس حدیث پر دین میں سلسلۂ تجدید کی بنیاد ہے اس کو کن کن محدثین نے روایت کیا ہے اور محدثین کے نزدیک وہ کس درجہ کی حدیث ہے۔

اس کے بعد اسی حدیث تجدید کی تشریح اور "تجدید دین کی حقیقت" پر ناچیز راقم سطور کا ایک مضمون ہے جو ابھی اس مجموعہ ہی کے لیے لکھا گیا ہے اور مختصر ہونے کے باوجود خود راقم کی نظر میں اس کی خاص اہمیت ہے ـــــ اس کے بعد "مجدد نمبر" والے مقالات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلا مقالہ "الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جس کی پہلی قسط قریباً پچاس صفحے پر مجدد نمبر میں شائع ہوئی تھی، اور دوسری

قسط کئی مہینے بعد ربیع الآخر ۱۳۵۸ھ کے الفرقان میں شائع ہوئی تھی۔ یہ مقالہ صفحہ ۲۳ سے شروع ہوکر صفحہ ۲۹ پر ختم ہوا ہے ــــــــــ

مولانا مرحوم کے مقالہ کے بعد متصلاً راقم سطور کا مقالہ ہے جس کا عنوان ہے "حضرت مجدد الف ثانی کا جہاد تجدید" چونکہ اس سے مولانا مرحوم کے مقالہ کے بعض اشارات کی وضاحت ہوجاتی ہے اور دونوں کا اصل موضوع اور مدعا بھی قریب قریب ایک ہی ہے۔ اس لیے اس مقالہ کو مولانا کے مقالہ کے بعد متصلاً ہی جگہ دینا مناسب سمجھا گیا، یہ مقالہ صفحہ ۲۱۳ سے شروع ہوکر صفحہ ۲۰۳ پر ختم ہوا ہے۔

اس کے بعد تیسرا مقالہ حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب لکھنوی مجددی مدظلہ کا ہے۔ یہ مقالہ مجدد نمبر میں "الخطبۃ الشوقیہ" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ یہ مقالہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کا نہایت شوق انگیز اور ساتھ ہی مستند ترین تذکرہ ہے، جو صرف آپ کے مکتوبات شریف سے مرتب کیا گیا ہے ــــــــــ

جہاں تک اس عاجز کا اندازہ ہے حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب مدظلہ کو ہمارے علمی اور دینی حلقوں میں بھی ایک صاحبِ تصنیفات عالم اور مرحوم "النجم لکھنؤ" کے مدیر، اور شیعوں کے مقابلہ میں اہلسنت کے وکیل اور مناظر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، حالانکہ مولانا ممدوح کا اصلی مقام یہ ہے کہ وہ نقشبندی مجددی امانت کے امین ایک شیخ وقت ہیں۔ اور اپنے سلسلہ کے اکابر مشائخ میں سے خاص کر حضرت امام ربانی قدس سرہ سے تو ان کا ایسا قلبی تعلق ہے کہ جب ذکر چھڑ جائے تو معلوم ہوتا ہے زبان نہیں بلکہ دل بول رہا ہے، مولانا ممدوح کے اس حال کی جھلک ناظرین کرام انشاء اللہ ان کے اس مقالہ میں بھی محسوس کریں گے ــــــــــ

حضرت مولانا نے اپنے اس مقالہ میں مکتوبات امام ربانی کے فارسی اقتباسات کا اردو میں ترجمہ نہیں کیا تھا اور "مجدد نمبر" میں وہ اسی طرح شائع ہوا تھا، لیکن اب یہ محسوس کر کے کہ اس قسم کی کتابوں سے فائدہ اٹھانے والوں میں بڑی تعداد فارسی نہ جاننے والوں کی ہوتی ہے، تمام فارسی عبارات کا ترجمہ بھی کرا دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ ہمارے کرمفرما دوست اور حضرت مولانا مدظلہ کے مخلص نیاز مند اور رفیق جناب مولانا قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی

داستاذ دارالمبلغین لکھنؤ نے میری استدعا پر کیا ہے۔ اس کے لیے میں ان کا بہت ممنون اور شکرگزار ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو اس خدمت کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔ حضرت مولانا کا یہ مقالہ صفحہ ۲۱۲ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۷۹ پر ختم ہوا ہے۔ اس کے بعد دو صفحہ پر مکتوبات امام ربانی کا کچھ اجمالی تعارف ہے، یہ مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری کے اس مضمون سے ماخوذ ہے جو مجدد نمبر میں شائع ہوا تھا۔

اس کے بعد ایک عنوان ہے "حضرت مجدد الف ثانیؒ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کی نظر میں"۔ اور چند صفحے کے بعد دوسرا عنوان ہے "نواب صدیق حسن خاں مرحوم کا خراجِ عقیدت"۔ ان دونوں عنوانوں کے تحت حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہان پوری سے (حال صدر مفتی دارالعلوم دیوبند) کے اس مقالہ کے دو اقتباس درج کیے گئے ہیں جو "مجدد نمبر" میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد ایک عنوان ہے "حضرت مجدد الف ثانی یورپ کی نظر میں" اس کے ذیل میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی ایک مختصر تحریر ہے جو مولانا نے "مجدد نمبر" کے لیے لکھی تھی۔

اس کے بعد ہمارے دوست مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی کا مقالہ ہے جس کا عنوان ہے "تذکرۂ خلفاء مجدد الف ثانیؒ" اس میں حضرت امامِ ربانی کے تمام مشہور خلفاء کے کچھ حالات لکھے گئے ہیں، ان حالات سے حضرت امامِ ربانی کے کام کی وسعت اور آپ کے طریقہ کار پر خاص روشنی پڑتی ہے۔

اس مجموعہ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اب سے قریباً ساڑھے تین سو سال پہلے اکبر کے عہدِ حکومت میں اسلام اور اُمتِ مسلمہ کو اس ملک میں کتنے سخت ناموافق حالات کا سامنا تھا، مہیب فتنوں کی کیسی یلغار تھی، دین اور حاملانِ دین کے لیے حالات کس قدر خطرناک تھے، مسلمانوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والے اسلام سے ہٹانے کی کیسی دجّالی سازشیں ہو رہی تھیں اور حکومت کی سرپرستی میں اور اس کے پورے وسائل کی مدد سے اصلی اسلام کو ہندوستان سے جلاوطن کرنے اور مسلمانوں میں ایک نئے دین کو مقبول بنانے کے لیے کیا کچھ ہو رہا ہے "وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ" پھر اللہ کے ایک بندہ شیخ احمد سرہندی نے ان ہی تیرہ و تاریک حالات میں دین کی

حفاظت و تجدید کا کام کس طرح شروع کیا اور کس طرح وقت کے شیطانی فتنوں، دجالی سازشوں اور حکومت کی طرف سے پھیلائی جانے والی سخت گمراہیوں سے مسلمانوں کو اور ان کے دین کو بچایا، اور آخر میں حکومت کے رُخ کو بھی درست کر دینے میں آپ کتنے کامیاب ہوئے۔

اس مجموعہ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ربانی نے یہ سارا کام وقت کے ایک شیخ اور صوفی کی حیثیت سے کیا اور اس سلسلۂ تصوف ہی کو اپنی اس پوری مہم کا ذریعہ بنایا جس کے خلاف زبانی اور قلمی جہاد کرنا آج کے بہت سے مجاہدین لسان و قلم کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔

نیز اس مجموعہ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ "تجدید و احیاء دین" کا کام حکومتی انقلاب کے سیاسی منصوبوں اور پروگراموں کے بغیر بھی اور پولیٹیکل پارٹیوں کے طرز کی کوئی دینی پارٹی بنائے بغیر بھی ہو سکتا ہے، اور ہوا ہے، اور ایسا ہوا ہے کہ تجدید و احیاء دین کی پوری تاریخ میں اتنے کامیاب انقلاب کی مثال ملنی مشکل ہے۔

اگر اللہ توفیق دے تو دین کے وہ سب دردمند جو کفر و الحاد اور مادہ پرستی کے عام غلبہ کی وجہ سے (خاص کر ان ملکوں میں جن کو اسلامی ممالک کہا جاتا ہے) احیاء دین کی جدوجہد کے معاملہ میں اپنے کو بالکل بے بس اور بے دست و پا سمجھ رہے ہیں، حضرت امام ربانی کی جدوجہد اور طریق کار سے بہت کچھ رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں، اس طریقِ کار کے لیے ہر جگہ راستہ کھلا ہوا ہے، لیکن جن کی تشفی وقت کے چلتے ہوئے سیاسی نعروں ہی سے ہو سکتی ہے ان کا کوئی علاج نہیں —— قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا ۝

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

رجب ۱۳۷۸ھ

(جنوری ۱۹۵۹ء)

حدیث تجدید اور اس کی تخریج

مجدد کی اصطلاح ایک حدیث سے ماخوذ ہے جس کو اصحاب صحاح میں سے امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ اس حدیث کا متن یہ ہے:

ان اللہ عزوجل یبعث لھٰذہ	اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال
الامہ علی راس کل مائۃ سنۃ	کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو اس
من یجدد لھا دینہا	کے لیے اس کے دین کو نیا اور تازہ کرتے
(سنن ابی داؤد باب مایذکر فی قرن المائۃ)	رہیں گے۔

اس حدیث کو حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ (صفحہ ۵۲۲ ج ۴)

ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ابوداؤد اور حاکم کے علاوہ طبرانی کی معجم اوسط کا بھی اس حدیث کی تخریج کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے، اور سند و رجال کے بارہ میں لکھا ہے،

"سندہ صحیح ورجالہ کلہم ثقات" (مرقاۃ صفحہ ۲۴۸ ج ۱)

اور کنز العمال میں اس حدیث کو روایت کرنے والے محدثین میں امام بیہقی کا اور ان کی کتاب معرفۃ السنن والآثار کا بھی حوالہ دیا ہے۔ (کنز العمال صفحہ ۲۳۸ ج ۶)

اور حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ نے مجموعۃ الفتاویٰ میں اس حدیث کی تخرج کے سلسلہ میں ان کے علاوہ حلیۃ ابونعیم، اور مسند بزار اور مسند حسن بن سفیان اور کامل ابن عدی کا بھی ذکر کیا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ صفحہ ۱۵۱ ج ۲)

[تخریج کے یہ سارے حوالے حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری کے اس مقالہ سے ماخوذ ہیں جو الفرقان کے مجدد نمبر ۱۳۵۷ھ میں شائع ہوا تھا]

حدیث تجدید کی شرح
اور
مجدّدیت کی حقیقت

از محمد منظور نعمانی

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان پر جو گوناگوں احسانات فرمائے ہیں ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی ہدایت کے لیے اور اپنے قرب و رضا اور جنت کا ان کو مستحق بنانے کے لیے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرمایا، انسانی دنیا کے آغاز سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک یہ سلسلہ اس طرح جاری رہا کہ جب اور جس خطۂ زمین میں انسانوں پر گمراہی کا غلبہ ہوا اور انہیں آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنا کوئی نبی ان میں بھیج کر ان کی رہنمائی اور دستگیری فرمائی، اس طرح ہزاروں سال یہ سلسلہ جاری رہا، اور انسانوں کی روحانی استعداد فطری طور پر بھی اور انبیاء علیہم السلام کی مسلسل تعلیم و تربیت کے ذریعہ بھی برابر ترقی کرتی رہی، یہاں تک کہ اب سے کوئی چودہ سو برس پہلے جب انسانیت روحانی استعداد کے لحاظ سے گویا بالغ ہوگئی اور دنیا کے مختلف حصوں کے درمیان اسی زمانہ میں روابط اور تعلقات بھی قائم ہونے کی صورتیں پیدا ہوگئیں اور آمد و رفت کے وہ وسائل پیدا ہونے لگے جن کی وجہ سے ایک طرف کے علوم و افکار دوسری طرف منتقل ہونا ممکن ہو گیا اور مختلف حصوں میں بٹی ہوئی دنیا جب اس طرح ایک دنیا بن گئی تو حکمت الٰہی نے فیصلہ کیا کہ اب ایک ایسی کامل ہدایت اور ایسا مکمل دین پوری انسانی دنیا کو عطا فرما دیا جائے جو سب قوموں کے حسب حال ہو اور جس میں آئندہ کبھی کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ ہو اور ایک ایسے نبی و رسول کے ذریعہ اس ہدایت اور اس دین کو بھیجا جائے جو سب ملکوں اور سب قوموں کا نبی ہو اور پھر اسی نبی پر نبوت کے اس سلسلہ کو ختم کر دیا جائے۔

حکمت خداوندی نے اس فیصلہ کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر

ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعہ بھیجے ہوئے مقدس صحیفۂ قرآن مجید میں ختم نبوت اور تکمیل دین کا اعلان بھی فرما دیا۔

پھر سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جس وسیع اور عالمگیر پیمانہ پر اس دین حق کی تبلیغ و اشاعت ہوئی اور آپ کی دعوت و تعلیم کے نتیجہ میں جو عظیم الشان روحانی اور اخلاقی انقلاب دنیا میں برپا ہوا اور پوری انسانی دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت و ہدایت کا جیسا دروازہ کھلا اور آپ کا اتباع کر کے دنیا کی مختلف قوموں میں جتنے لوگ حق آگاہ اور خدا رسیدہ بنے اور دنیا میں تہذیبوں اور تمدنوں کے ہزاروں انقلابوں کے باوجود انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام شعبوں میں رہنمائی کے لیے آپ کا لایا ہوا دین قریباً ڈیڑھ ہزار سال سے آج تک جیسا کافی ثابت ہو رہا ہے —— یہ سب باتیں ہر سلیم الفطرت انسان کے لیے ہر حسی معجزہ سے بڑھ کر اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ بیشک ساری انسانی دنیا کے لیے آپ نبی برحق اور خاتم الانبیاء ہیں اور آپ کا لایا ہوا دین کامل و مکمل اور آخری دین ہے۔

پھر جس حکمت خداوندی نے ختم نبوت اور تکمیل دین کا یہ فیصلہ کیا اسی کا فیصلہ یہ بھی تھا کہ دوسرے عام نبیوں کی طرح خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عمر طبعی ہی دی جائے گی، چنانچہ بعثت کے ۲۳ سال بعد ۶۳ سال کی عمر میں آپ کو اس دنیا سے اٹھا لیا گیا اور آپ کے بعد قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لائے ہوئے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لے کر اس کا ایک ظاہری انتظام اس عالم تکوین میں یہ تجویز کیا کہ ہر زمانہ اور ہر دور کی ضرورت کے مطابق ایسے لوگ آپ کی امت میں پیدا ہوتے رہیں جو اس دین کی حفاظت و خدمت ہی کو اپنا وظیفۂ حیات بنائیں۔ چنانچہ ماضی کی تاریخ اور حال کا مشاہدہ گواہ ہے کہ ہر دور میں اس امت میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی رہی ہے جنہوں نے دین کے تعلم و تعلیم اور حفاظت و خدمت ہی کو اپنا خاص مشغلہ اور وظیفہ بنایا۔ یہاں تک کہ آج بھی جبکہ مادہ پرستی اور دنیا طلبی پوری انسانی دنیا پر گویا چھائی ہوئی ہے، امت محمدی میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے افراد موجود ہیں جو دین کے تعلم و تعلیم اور اس کی حفاظت و خدمت ہی کے کسی کام کو اپنی زندگی اور اپنی توانائیوں کا مصرف بنائے ہوئے ہیں —— یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے تجویز کیے ہوئے اسی انتظام اور اس کی مشیت

کے اسی فیصلہ کا ظہور ہے جس کا ذکر اُوپر کی سطروں میں کیا گیا ہے۔

اور چونکہ یہ دین قیامت تک کے لیے اور دنیا کی ساری قوموں کے لیے تھا اور مختلف انقلابات سے اس کو گزرنا اور دنیا کی ساری قوموں اور ملتوں اور ان کی تہذیبوں سے اس کا واسطہ پڑنا تھا اور ہر مزاج و قماش کے لوگوں کو اس میں آنا تھا اس لیے قدرتی طور پر ناگزیر تھا کہ جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعہ آئی ہوئی آسمانی تعلیم وہدایت میں طرح طرح کی تحریفیں اور آمیزشیں ہوئیں اور عقائد و اعمال کی بدعتوں نے ان میں جگہ پائی اسی طرح خدا کی نازل کی ہوئی اس آخری ہدایت و تعلیم میں بھی تحریف و تبدیل کی کوششیں کی جائیں اور فاسد مزاج عناصر اس کو اپنے غلط خیالات اور اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کے لیے حقائق دینیہ کی غلط تاویلیں کریں اور سادہ لوح عوام ان کے دجل و تلبیس کا شکار ہوں اور اس طرح یہ اُمت بھی عقائد و اعمال کی بدعات میں مبتلا ہو جائے، اس لیے سلسلۂ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس دین حق کی حفاظت کے لیے ایک خاص انتظام یہ بھی ضروری تھا کہ ہر دور میں کچھ ایسے بندگان خدا پیدا ہوتے رہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی خاص فہم و بصیرت عطا ہو جس کی وجہ سے وہ اسلام اور غیر اسلام اور سنت و بدعت کے درمیان امتیاز کی لکیر کھینچ سکیں۔ اور اسی کے ساتھ دین کی حفاظت کا خاص داعیہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں میں ڈالا جائے اور اس راہ میں ایسی عزیمت بھی ان کو عطا فرمائی جائے کہ ناموافق سے ناموافق حالات میں بھی وہ اس قسم کے ہر فتنہ کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جائیں اور دین حق کے چشمۂ صافی میں الحاد بدعت کی کوئی آمیزش نہ ہونے دیں۔ اور اُمت کے عقائد یا اعمال میں جب کوئی زیغ یا فساد پیدا ہو یا غفلت اور بے دینی کا غلبہ ہو تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وفادار لشکری کی طرح وہ اس کی بیخ کنی کے لیے اپنی پوری طاقت کے ساتھ جدوجہد کریں اور کوئی لالچ اور کوئی خوف ان کے قدم نہ روک سکے ——— اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے اس ضرورت کا بھی تکفل فرمایا اور اس کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر حکمت الٰہی کے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا کہ ——— اللہ تعالیٰ میری اُمت میں قیامت تک ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو دین کی امانت کے

حامل و امین اور محافظ ہوں گے، وہ اہل افراط و تفریط کی تحریفات، اہل زیغ دہوی کی تراشی ہوئی بدعات اور حق ناآشنا مدعیوں کی تاویلات سے دین کو محفوظ رکھیں گے اور اس کو اس کی بالکل اصلی شکل میں (جس میں کہ وہ ابتدا میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا تھا) اُمت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے اور اس میں نئی روح پھونکتے رہیں گے ـــــــ اسی کام کا اصطلاحی عنوان تجدید دین ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے یہ کام لے وہی مجدّدین ہیں۔

بعض لوگوں کی باتوں سے محسوس ہوتا ہے کہ مجددیت کے بارہ میں ان کا تصوّر کچھ ایسا ہے کہ گویا وہ نبوّت سے چھوٹے درجہ کا کوئی خاص منصب ہے، اور ہر صدی میں اللہ تعالےٰ اپنے بس کسی ایک خاص بندے کو اس منصب پر فائز کرتا ہے اور اس صدی کے مسلمانوں کی فلاح وسعادت اور دینی وروحانی کمالات کا حصول اس پر موقوف ہوتا ہے کہ وہ اپنے صدی کے اس مجدد کو پہچانیں اور اس کا اتباع کریں۔

اس عاجز کو کافی تلاش اور مطالعہ کے بعد بھی مجددیت کے اس تصور کی کتاب وسنّت میں کوئی اصل وبنیاد نہیں مل سکی ـــــــ سنن ابی داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ کی وہ مشہور حدیث جو اس مسئلہ تجدید کی گویا تنہا اساس وبنیاد ہے، اس کا مطلب ومفاد جو اس کے الفاظ سے سمجھا جا سکتا ہے وہ بس اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ (جو اپنے اعلان ومنشور "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" کے مطابق دین کی حفاظت کا ذمہ لے چکا ہے) ہر دور میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو آمیزشوں اور آلائشوں سے دین کو صاف کرتے اور نکھارتے رہیں گے اور اس کی رگوں میں اپنی جدوجہد سے تازہ خون دوڑاتے رہیں گے ـــ حدیث کے الفاظ (جو چند صفحے پہلے بھی درج ہو چکے ہیں) یہ ہیں۔

"ان اللہ عزّ وجلّ یبعث لھٰذہ الامّۃ علیٰ رأس کل مائۃ سنۃ من یجدّد لھا دینھا۔"

اس میں جو مَن کا لفظ ہے وہ جس طرح واحد اور فرد کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح جمع اور جماعت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، بلکہ شارحین حدیث نے خاص اسی حدیث

کی شرح میں بھی اس کی تصریح کی ہے (ملاحظہ ہو "مرقاۃ الصعود" از علامہ سیوطی" اور" مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" از علامہ علی قاری مکی") اسی طرح جن حضرات نے اس حدیث کے لفظ راس کی وجہ سے کسی کے مجدد ہونے کے لیے بطور شرط کے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اس کا تجدیدی کام صدی کے سرے پر (یعنی صدی کے شروع میں یا آخر میں) جاری ہونا چاہیے، اور صدی سے انہوں نے یہی معروف ہجری صدی مراد لی ہے، (اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے) ان سے یقیناً لغزش ہوئی ہے، سنہ ہجری کا یہ نظام تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت سے قائم ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو یہ نظام تھا ہی نہیں اور یہ اصطلاح اس وقت تک وضع ہی نہیں ہوئی تھی، اس لیے اس حدیث کے لفظ "کل مائۃ سنۃ" سے ہجری صدی مراد لینا صحیح نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کا مطلب بس "کل قرن" ہوگا اور پھر راس کی قید کو اتفاقی ہی ماننا پڑے گا۔[1] اور اس بنا پر حدیث کا مطلب بس یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر قرن اور ہر دور میں اس امت مسلمہ میں ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس امت کے لیے دین کی تجدید کرتے رہیں گے یعنی ماحول اور زمانہ کی آلائشوں اور آمیزشوں سے اس کو صاف کرتے اور نکھارتے رہیں گے اور اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑاتے رہیں گے۔

اور اس امت کی تاریخ گواہ ہے کہ ایسے بندے ہر دور میں برابر پیدا ہوتے رہے ہیں اور دین کی تجدید کا یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا ہے، اور ہماری دینی تاریخ ہی اس کی بھی شاہد اور مصدق ہے کہ تجدید کا یہ کام کبھی اور کسی ملک میں ہجری صدی کی ابتدا میں ہوا ہے۔

---

[1] اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ حدیث کے لفظ "کل مائۃ سنۃ" سے صدی کا کوئی متعین نظام مراد ہو ہی نہیں سکتا، سنہ ہجری کی اصطلاح تو اس وقت وضع ہی نہیں ہوئی تھی، اس کے علاوہ ولادت نبوی یا بعثت نبوی یا وفات نبوی کے حساب سے صدی کا نظام متعین کرنے کا بھی کوئی قرینہ حدیث میں نہیں ہے۔ اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ حدیث کے لفظ "کل مائۃ سنۃ" کا مطلب بس "کل قرن" سمجھا جائے اور ظاہر ہے کہ جب اس لفظ سے صدی کا کوئی متعین نظام مراد نہیں رہا تو پھر "راس" کے لفظ کو قید اتفاقی بلفظ دیگر مقحم ہی ماننا پڑے گا جیسے کہ "عربی میں" "علی رؤس الاشہاد" میں رؤس کا لفظ مقحم ہے اور فارسی یا اردو میں "بر سر منبر" اور "بر سر مجلس" میں سر کا لفظ مقحم ہوتا ہے۔

کبھی اور کہیں وسط میں اور کبھی اور کہیں اواخر میں ——— نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے "حجج الکرامہ" میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ

مراد برأس بدایت مائتہ نیست	"راس مائۃ" سے مراد خاص صدی
بلکہ مقصود بعثت مجدد در عصر	کا آغاز نہیں ہے بلکہ مقصد صرف
مائۃ است خواہ در اول مبعوث	یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی میں
باشد یا در وسط یا در آخر و قید	مجدد کھڑے کرے گا، خواہ شروع
رأس اتفاقی است و غرض	میں خواہ درمیان میں خواہ آخر میں،
آنست کہ ہیچ مائۃ از وجود کدام	اور راس کی قید محض اتفاقی ہے، اور
مجدد دین خالی نہ باشد وجود	غرض حدیث کی صرف یہ ہے کہ کوئی
.. ..	صدی کسی مجدد کے وجود سے خالی نہ
مجددین در ہر مائۃ از اوائل و	رہے گی، اور ہر صدی کے اوائل اور
اواسط و اواخر موید تصحیح این احتمال	اواسط، اور اواخر میں مجددین کا ہونا
است۔ (حجج الکرامہ ص۱۳۴)	اس احتمال کے صحیح ہونے کی تائید کرتا ہے۔

اس حدیث تجدید کی شرح کے سلسلہ میں ایک یہ بات بھی سوچنے اور سمجھنے کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا اصل منشا اور اس سے آپ کا مقصد کیا ہے! بعض حضرات کی تحریروں اور ان کے طرز عمل سے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس ارشاد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ امت حق و ناحق میں تمیز کرنے کے لیے اور دین میں صحیح رہنمائی حاصل کرنے کے لیے اپنی صدی کے مجدد کو تلاش کیا کرے اور پہچانا کرے اور جب کسی کے بارہ میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو اس کا اتباع کیا کرے، حقیقی فلاح و سعادت بس اسی کے اتباع سے نصیب ہو گی۔

اس ناچیز کے نزدیک ایسا سمجھنا غلط اور بہت غلط ہے، اس صورت میں تو یہ حدیث امت میں سخت اختلاف و تفرق اور فتنہ کی بنیاد بنے گی، ہر طبقہ اپنے علم و اندازہ اور اپنی عقیدت مندی کے لحاظ سے کسی کو مجدد کہے گا اور اصرار کرے گا کہ فلاح و سعادت بس

اسی کے اتباع سے وابستہ ہے اور جو لوگ اس کے دامن سے وابستہ نہیں ہیں وہ فلاح و سعادت سے محروم ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ امت میں نئے نئے اختلافات پیدا ہوتے رہیں گے اور امت ان اختلافات کی وجہ سے مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم ہوتی رہے گی۔ اس لیے اس حدیث کا یہ مقصد و منشا تو ہرگز نہیں ہوسکتا۔

دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس ارشاد سے امت کو یہ اطمینان دلانا ہے کہ یہ دین کبھی محرف نہیں ہوسکے گا اور نہ مرور زمانہ سے یہ بوسیدہ ہوگا اور نہ زمانے کے انقلابات اس کی حقیقت کو بدل سکیں گے، بلکہ اللہ تعالےٰ اس کی بقا اور حفاظت اور تجدید کا انتظام برابر کرتا رہے گا اور ہر دور اور ہر قرن میں ایسے بندے پیدا ہوتے رہیں گے جو دین پر سے اس گرد و غبار کو برابر جھاڑتے رہیں گے جو زمانہ کی ہواؤں سے اس پر پڑے گا اور اس کی کہنگی دور کرنے کے لیے اس کی رگوں میں تازہ خون اپنی جدوجہد سے دوڑاتے رہیں گے۔ اس تشریح کی بنا پر یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے محکم وعدے "اِنّا لہ لحٰفظون" کے سلسلہ کے ایک الٰہی انتظام کا بیان ہوگی اور ان دوسری حدیثوں کے ہم معنی ہوگی جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو دوسرے الفاظ میں اور دوسرے عنوانوں سے بیان فرمایا ہے :۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں" ابواب الاعتصام بالکتاب والسنۃ" کے زیر عنوان اس حدیث کی جو تشریح کی ہے اور اپنے خاص انداز میں اس کے مقصد و منشا اور اس کی حقیقت پر جو روشنی ڈالی ہے اس کا حاصل یہی ہے جو اس عاجز نے عرض کیا ——— کم از کم اس کی ابتدائی چند سطریں یہاں بھی پڑھ لی جائیں۔ فرماتے ہیں :۔

قولہ صلی اللہ علیہ وسلم "لا تجتمع ھٰذہ الامۃ علی الضلالۃ"، وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم "یبعث اللہ لھٰذہ الامۃ	یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "میری یہ امت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی" اور آپ کا یہ ارشاد کہ "اللہ تعالےٰ اس امت

علیٰ راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔" تفسیرہ فی حدیث آخر یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین ؎

کے لیے ہر صدی کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین کو تازہ کرتے اور نکھارتے رہیں گے۔" ؎

؎ آپ کے اِن ارشادات کی وضاحت اور تشریح آپ کی اس حدیث سے ہوتی ہے (جو کتب حدیث) میں مروی ہے "کہ میرے لائے ہوئے اس علم یعنی دین کی امانت کو ہر زمانے کے اچھے اور نیک بندے سنبھالیں گے اور اس کی خدمت و حفاظت کا حق ادا کریں گے، وہ غلو اور افراط والوں کی تحریفوں سے اور کھوٹے سکے چلانے والوں کی ملمع کاریوں سے اور جاہلوں کی فاسد تاویلوں سے اس دین کی حفاظت کریں گے۔"

اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے اپنے خاص حکیمانہ اور عارفانہ انداز میں اس پر روشنی ڈالی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی حفاظت و تجدید کے اس نظام اور فیصلہ کا اصل سر اور راز کیا ہے۔ لیکن ہم نے جس مقصد کے لیے شاہ صاحبؒ کا حوالہ دیا تھا وہ ان کی اتنی ہی عبارت سے پورا ہو جاتا ہے .. ..

.. ..

جو ہم نے اُوپر نقل کی ہے ——— منقولہ عبارت میں جن تین حدیثوں کا ذکر ہے، شاہ صاحبؒ کے نزدیک ان سب کا مقصد و منشا ایک ہی ہے اور وہ یہی ہے کہ اُمت مطمئن رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کا لایا ہوا دین محفوظ رہے گا اور آپ کا روشن کیا ہوا چراغِ ہدایت ہمیشہ یوں ہی روشن رہے گا اور

اللہ تعالیٰ اس اُمت ہی میں سے ایسے بندے ہر دور میں کھڑے کرتا رہے گا جو اللہ و رسول کی اس امانت کی حفاظت کریں گے اور اس کو اس کی اصلی شکل میں پیش کرتے رہیں گے اور اس طرح آپ کی لائی ہوئی ہدایت انسانی نسل کی آپ کے بعد بھی ہمیشہ ہمیشہ رہنمائی کرتی رہے گی اور اللہ کے بندے اس کی روشنی میں سعادت کی راہ پر چلتے رہیں گے۔ اور اس دین کی حقیقت تحریفوں اور تاویلوں کے پردوں میں کبھی اس طرح گم نہ ہو سکے گی جس طرح پہلے نبیوں کے ذریعہ آئی ہوئی ہدایتیں دنیا سے گم ہو گئیں۔

بس یہی ہے اس حدیثِ تجدید کی اور اس مضمون کی سب حدیثوں کی روح اور مراد، اور اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اس کارِ تجدید میں ہر دور کے ان سب بندگانِ خدا کا حصہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی اس قسم کی خدمات لیں، اس طرح اُمت میں مجددین کی تعداد صرف ۱۳-۱۴ ہی نہ ہو گی (جن کی تعیین میں اختلافات ہوں اور ہر حلقہ اپنے ہی کسی بزرگ کے مجدد ہونے پر اصرار اور دوسروں سے تکرار کرے) بلکہ اللہ کے ہزاروں وہ بندے جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی ایسی خدمتیں مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں لی ہیں سب ہی اس کارِ تجدید میں حصہ دار ہوں گے اور سب ہی مجددین میں ہوں گے۔

ہاں! ایسا بیشک ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی زمانہ میں اپنے کسی بندے سے کوئی بہت بڑا تجدیدی کام لیا ہے اور اس کے ذریعہ دین کے بہت سے شعبوں کی تجدید کرائی ہے۔ اور کبھی کسی سے اس سے کم درجہ کا اور دین کے کسی خاص شعبہ میں تجدیدی کام لیا ہے اور یہ فرق ایسا ہے جو نبیوں رسولوں کے کاموں اور ان کے درجوں میں بھی رہا ہے "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" ـــــ چنانچہ اس اُمت کے ابتدائی دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں سے تجدیدی نوع کی خدمات لیں۔ ان میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ بہت ممتاز ہے، اسی طرح اس اخیر دور میں جس کا آغاز ہزارۂ دوم، (الف ثانی) کے آغاز سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ایک ہزار سال گزرنے کے بعد سے ہوتا ہے، امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ سے دین کی تجدید و حفاظت اور احیاءِ شریعت کا جو عظیم کام ہمارے اس ملک ہی میں لیا وہ بھی اسلام کی پوری تاریخ

میں ایک خاص امتیازی شان رکھتا ہے اور اسی وجہ سے ان کا لقب مجدّد الف ثانی ایسا مشہور ہوگیا ہے کہ بہت سے لوگ ان کا نام بھی نہیں جانتے صرف مجدد الف ثانی کے معروف لقب ہی سے ان کو پہچانتے ہیں۔

اس مجموعہ میں مختلف پہلوؤں سے اسی ربّانی عالم و عارف اور عظیم مجدّد کے تجدیدی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان پر اور اپنے اُن سب بندوں پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر خود مضبوطی سے قائم رہتے ہوئے آپ کے لائے ہوئے مقدس دین کو تازہ اور اس کے باغ کو سرسبز و شاداب کرنے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کیں اور امّت کو ان کے فیوض سے استفادہ کی اور ان کی اقتدا و پیروی کی توفیق دے۔

ہزارۂ دوم یا الف ثانی

← کا →

تجدیدی کارنامہ

از

مولانا سید مناظر احسن گیلانی رح

ناظرین کو اس مقالہ کے مطالعہ کے وقت یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ یہ ۱۹۳۸ء میں اس وقت لکھا گیا تھا جب ہندوستان میں انگریزی اقتدار اپنے آخری دور میں تھا اور انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت جنرل الیکشن ہونے کے بعد تمام صوبوں میں نیم آزاد حکومتیں قائم ہو چکی تھیں جن میں سے سات صوبوں میں کانگریس کی حکومت تھی جن کے طرز عمل سے پہلی دفعہ یہ بات کھل کر سامنے آئی تھی کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کو کن مسائل کا سامنا ہوگا۔

"مرتب"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

وحدتِ وجود اور وحدتِ شہود کی فنی نکتہ نوازیوں، یا شریعت وطریقت کی ملایانہ و صوفیانہ معرکہ آرائیوں کے ہنگاموں میں حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعی اور حقیقی تجدیدی کارنامے کچھ اس طرح رل مل گئے کہ آج حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کو مجدد الف ثانی کہنا بجز ایک روایتی خوش اعتقادی کے بہ ظاہر اور کسی امر مہم پر مبنی نہیں معلوم ہوتا۔ مشہور کر دیا گیا ہے کہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کو اس خطاب سے کسی خاص وقت میں مخاطب کیا تھا۔ اور اسی خاص خطاب نے رفتہ رفتہ عام لقب کی صورت اختیار کر لی۔ لیکن کیا حضرت کا مجدد الف ثانی ہونا محض ملا عبدالحکیم کے ایک خاص خطاب وتلقیب ہی کا نتیجہ ہے اور ملا صاحب نے بھی آپ کو اس خطاب سے محض اس لیے مخاطب کیا تھا کہ گزشتہ بالا دو مسئلوں کے متعلق آپ نے ایسی تعبیریں پیش کیں، جو قرآن وسنت سے زیادہ قریب تھیں، مجھے اس سے انکار نہیں کہ ان مسائل میں حضرت مجدد صاحب نے کسی خاص تعبیر کو نہیں پیش فرمایا ہے۔ اور نہ اس سے انکار ہے کہ ان مسائل کے متعلق بعض جاہلانہ غلط فہمیاں

جن کے عوام شکار ہو گئے تھے ان سے نجات نہیں ہوئی۔ اور ان اصلاحی کوششوں سے جن کا تعلق علمی و عملی دونوں شعبوں سے ہے صرف ہندوستان ہی کے مسلمان متاثر نہیں ہوئے، بلکہ جاننے والے جانتے ہیں، کہ مختلف اسباب و ذرائع ایسے مہیا ہوئے کہ ان کا اثر قریب قریب تمام اسلامی ممالک پر پڑا جس کا سب سے کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ سلسلۂ مجددیہ کی ایک بڑی شاخ خالدیہ سلسلہ کے نام سے عراق و شام عرب خصوصاً ترکی ممالک میں بہت زیادہ مقبول ہوئی اور ہے۔ نیز آپ کے "مکاتیب طیبہ" خود براہ راست ان ممالک میں بکثرت پڑھے گئے اور پڑھے جاتے ہیں، جہاں کے باشندے فارسی زبان سمجھتے ہیں۔ اور جو اس زبان سے ناواقف ہیں۔ ان تک آپ کے مکتوبات عربی اور اردو زبانوں میں پہنچائے گئے۔ غالباً روس کے رہنے والے ملا مراد جو مہاجر ہو کر بالآخر مکہ معظمہ میں رہ پڑے تھے انہوں نے مکاتیب کا ترجمہ عربی میں کیا اور مصری ٹائپ میں چھپ کر سارے عربی ممالک میں پھیل گیا۔ یہ خداداد بات تھی کہ اس کے بعد حدیث و تفسیر میں جتنی اچھی کتابیں لکھی گئیں ان میں ایسی معتدبہ کتابیں مل سکتی ہیں، جن میں "مکتوبات" کے مضامین نقل کیے گئے ہیں، خصوصاً عصر جدید کی مشہور تفسیر "روح المعانی" جو سلطان عبدالمجید خاں مرحوم خلیفہ ترکی کے عہد میں لکھی گئی اس میں علامہ شہاب محمود آلوسی رحمتہ اللہ علیہ نے گویا اس کا التزام کر رکھا ہے۔ کہ جہاں بھی ذکر کا موقعہ میسر آئے، وہاں قال المجدد الفاروقی رحمتہ اللہ علیہ کے نام سے وہ آپ کے خاص خاص نظریات، اور جدید تعبیرات کو پیش کرتے ہیں اور بڑے افتخار و ناز سے پیش کرتے ہیں اہم مسائل کے تصفیہ میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

بلاشبہ یہ بڑے امتیازات ہیں، جو کم از کم ایک ہندوستانی عالم و صوفی کے لیے سرمایۂ ناز بن سکتے ہیں۔ لیکن کیا آپ کی "مجددیت" صرف ان ہی چند باتوں تک محدود ہے۔؟ شاید غور نہیں کیا گیا، خصوصاً ہمارے علماء اور صوفیا نے حضرت مجدد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو جب دیکھنا چاہا تو اس ماحول سے جدا کر کے دیکھا۔ جس میں آپ کا وجود مسعود قدرت کی جانب سے سرزمین ہند کو عطا کیا گیا تھا۔ کچھ سنی سنائی باتیں، افواہی قصے، بھی مشہور چلے آتے ہیں کہ جہانگیر بادشاہ نے اس جرم میں کہ آپ نے اس کے آگے سجدۂ تعظیمی سے انکار کیا تھا، کچھ

دن کے لیے قید و زنداں کی سزا دی تھی زیادہ سے زیادہ اس زمانہ کی حکومت سے آپ کے تعلق کا اظہار اسی واقعہ سے کیا جاتا ہے اور اسی پر ختم کر دیا جاتا ہے گویا حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حکومت سے تعلق اس سے زیادہ کچھ اور نہ تھا۔ یا للعجب!

احسان فراموشی ہوگی، اگر میں اس کا اظہار نہ کروں کہ سب سے پہلے اس مسئلہ کی طرف جس کا میں آج ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مدظلہ العالی سابق صدر الصدور ممالک محروسہ آصفیہ نے توجہ دلائی تھی۔ آپ نے اپنی ایک تقریر میں یہ سوال اُٹھایا تھا کہ کیا وجہ تھی کہ مغل حکومت کے تخت پر چار بادشاہ مسلسل ایسے بیٹھے کہ ان میں دو پچھلوں کو دو پہلوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نواب علامہ کا اشارہ اس طرف تھا، کہ شاہجہاں اور عالمگیر ان دو پچھلوں کو جہانگیر اور اکبر سے مقابلہ کر کے دیکھیے دونوں میں کوئی مناسبت ہے؟ ابھی اس سے بحث نہیں کہ ان چاروں میں کون سے دو آسمان تھے اور کون زمین۔ لیکن نسبت دونوں طبقوں میں یقیناً وہی تھی جو آسمان و زمین میں ہو سکتی ہے آخر بجائے "گندم" کے "گندم" سے "جو" کی روئیدگی کس طرح ہوگئی۔ وہی دریا جو شاہنشاہی قوتوں کے ساتھ ایک سمت بہہ رہا تھا یکایک پلٹ کر اس کا بہاؤ بالکل مخالف رُخ کی طرف کن اسباب کے تحت ہو گیا۔

نواب علامہ کا یہ سوال جو فلسفہ تاریخ سے تعلق رکھتا ہے۔ یقیناً ایک عجیب سوال تھا اور میں اس کا اعتراف کرتا ہوں، کہ سب سے پہلے اس اہم سوال کے جواب کا علم مجھے آپ ہی کی زبان مبارک سے ہوا اور در اصل میں اسی مجمل جواب کی آج کچھ تفصیل اس حد تک کرنا چاہتا ہوں جس حد تک کسی مجلاتی مقالہ میں گنجائش ہو سکتی ہے۔

بہرحال کمپنی بہادر کے عہد میں غالباً سب سے پہلے ہندوستان کی تاریخ فارسی زبان میں جو مرتب ہوئی وہ بہار جو بنگال کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا اجارئی محروسہ ہے، اسی بہار کے ایک طباطبائی سید صاحب کے قلم سے یہ فقرہ ان کی کتاب سیر المتاخرین میں درج ہوا :

مذہب الٰہی کہ آسائش غیر متناہی خلق   مذہب الٰہی جس میں خلق اللہ کے بیشمار

دراں بود تا عہد جہانگیر رواج داشت	فائدے سے تھے۔ جہانگیر کے زمانہ تک اس کا
باز از عہد شاہجہان تعصب شروع شدہ در	چرچا اور رواج رہا۔ پھر شاہجہان کے زمانہ
عہدِ عالمگیر شدت پذیرفت۔	سے تعصب شروع ہوا اور عالمگیر کے عہد میں
سیر المتاخرین صفحہ ۳۴۴ ج ا۔	تو اس نے شدت اختیار کرلی۔

پھر اس متن کی شرح نوازیوں و حاشیہ آرائیوں کے سلسلہ میں جو بلند و بالا عمارتیں تیار ہوئیں، ان کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔ شاہ جہاں تو کم لیکن "شدت پذیرفت" کے ساتھ جو بیچارا ستم کیا گیا، آج اسی مشاعبہ (پروپاگنڈا) کا نتیجہ ہے، کہ "عالمگیر اور مذہبی تعصب" تقریباً دو مترادف الفاظ بن گئے ہیں۔ مشکل ہی سے اب کوئی تعصب کے لفظ کا تخیل اس طرح کرسکتا ہے کہ بے ساختہ اس کے ساتھ عالمگیر کی صورت بھی دماغ میں نہ کھنچ جائے۔ یہ سب کچھ کیا گیا اور اس اجمال کی تفصیل میں معلومات کے دریا بہا دیے گئے۔ مجلدات شائع کئے گئے اور کئے جارہے ہیں۔ لیکن عجیب بات ہے۔ باایں ہمہ ذوق بسط و تفصیل دعویٰ کے دو پہلوؤں سے ایسی لاپروائی برتی گئی کہ آج جب "ہسٹری کے شگوفوں" میں رگِ گل پر بھی نشتر زنی سے نہیں چوکا جاتا۔ یہ دونوں پہلو غنچہ دہن بستہ کی شکل میں چھوٹ گئے۔ یا قصداً چھوڑ دیے گئے۔ تاریخی حوادث و واقعات کی توجیہ و تعلیل کے سلسلہ میں اگرچہ واقعہ تو وہی ہے جو مرحوم واقعہ نویس نے۔

توحید کا مسئلہ ہے اصلی باقی ہیں شگوفے ہسٹری کے

کے ذریعہ ظاہر کیا ہے۔ لیکن آج جب چیونٹی کی آنکھوں کے پردے گنے جاتے ہیں اور مکڑی کے جال کے تانوں کی بھی رپورٹ مرتب کی جاتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ایک ہی دعویٰ کے ایک پہلو کو تو اتنا روشن کیا جاتا ہے اور اس روز سے اس کا نرسنگھا پھونکا جاتا ہے کہ آنکھیں چیخ اُٹھتی ہیں اور کان انگلیوں کے لیے بیتاب ہوجاتے ہیں۔ لیکن اسی دعویٰ کے دوسرے اجزاء کو اتنی کس مپرسی مین ڈال دیا جاتا ہے کہ گویا علم و تحقیق کے وہ سزاوار ہی نہ تھے۔

میری مراد یہ ہے کہ سیر المتاخرین کے مذکورہ بالا بیان کا یہ جزو کہ مذہبی تعصب نے

عالمگیر کے عہد میں انتہائی شدت کی صورت اختیار کرلی تھی آج تحقیق و تنقیح، تعلیل و توجیہ، کا کیوں تختۂ مشق بنا ہوا ہے۔ لیکن ہمیشہ اس دعویٰ کے حسب ذیل اجزاء

(۱) اکبر نے "الٰہی مذہب" قائم کیا تھا۔

(۲) اس مذہب کی وجہ سے "خلق در آسائش بود"

(۳) لیکن شاہجہاں سے رُخ بدل گیا۔ یعنی مذہبی تعصب شروع ہوا۔

کیا یہ تینوں جز بھی قابلِ بحث نہ تھے پوری تفصیل کے ساتھ بتانا چاہیئے تھا کہ "الٰہی مذہب" کی حقیقت کیا تھی "خلق" جو آسائش میں تھی، تاریخی حیثیت سے اس کی تحقیق کرنی چاہیے کہ اس خلق کے تحت میں کون کون سی جماعتیں، داخل تھیں، ان کی آسائش کی نوعیت کیا تھی۔ اور آخر میں سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاہ جہاں کے عہد سے اس میں کیوں تبدیلی ہوئی۔ اور کن موثرات کے زیر اثر عالمگیر تک پہنچ کر اس نے "شدت" کی شکل اختیار کی۔ میری غرض یہ نہیں ہے کہ مورخین نے بالکلیہ ان اجزاء سے بحث نہیں کی ہے۔ بلکہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان میں بعض جز تو ایسے ہی ہیں مثلاً آخری سوال اس کو تو آج تک کسی کتاب میں اُٹھانے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ اسی طرح "خلق در آسایش بود" کو بھی ہمیشہ مجمل ہی رکھا گیا۔ کسی نے نہیں بتایا کہ اس سے مراد خدا کی کونسی مخلوق ہے۔ البتہ "الٰہی مذہب کا" تھوڑا بہت ذکر ان کتابوں میں ضرور کیا جاتا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ جس رنگ میں کیا جاتا ہے اُس سے بجائے "علم" کے شائد جہالت ہی میں زیادہ اضافہ ہو سکتا ہے۔ آخر دین اکبری کے متعلق جو کچھ مشہور کیا گیا ہے۔ اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ ایک "صلح کل" مسلک تھا اس میں تمام ادیان و مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کسی مذہب والے کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں دی جاتی تھی۔ لیکن کیا یہی واقعہ ہے؟ جب واقعہ کا ذکر کیا جائے گا، اس وقت معلوم ہوگا کہ واقعہ کیا تھا؟ اور اُس کو کس رنگ میں پیش کیا گیا۔ اس سے انشاء اللہ "الف ثانی" کے کلمہ کی حقیقت بھی معلوم ہوگی کہ اس کا تعلق دراصل کس واقعہ سے ہے۔

عجیب بات ہے کہ آج بھی ہندوستان میں پھر ایک "مذہب" پیش کیا جا رہا ہے اکبر کے زمانہ میں چونکہ "الٰہ" کے وجود کا انکار نہیں کیا گیا اس لیے اس کا نام "الٰہی مذہب تھا"

اس زمانہ میں "الہٰ" کی جگہ قوم نے لی ہے۔ اس لیے اس کا نام بھی "قومی مذہب" رکھا گیا ہے
آسمان گھومتا رہتا ہے۔ تاریخ دہراتی رہتی ہے۔ اس مثل سائرہ کی تصدیق ہوتی ہے جب اس
وقت بھی جو کچھ سُنایا جا رہا ہے اس کو اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو دکھایا جا رہا ہے یا جس
کے دکھانے کا منصوبہ پکایا جا رہا ہے، اور زیادہ تر اس موضوع پر قلم اُٹھانے کی وقتی وجہ شاید
یہی تماشا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جو چونکنا چاہتے ہوں ان کو اپنے چونک میں اس سے کچھ مدد ملے۔

"الٰہی مذہب"

یا

ہندوستان کا فتنۂ کبریٰ

یہ مت، کہو یا مذہب۔ کیوں پیدا ہوا؟ اور کن موثرات کے تحت پیدا ہوا۔ میرے
سامنے سردست یہ سوالات نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ آخر میں کچھ اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے
لیکن اس وقت جو کچھ بھی پیش نظر ہے وہ صرف سادہ لفظوں میں معتبر تاریخی وثائق کی روشنی میں
صرف یہ دکھانا ہے کہ یہ مذہب تھا کیا؟ عہد کمپنی سے پیشتر کی کتابوں میں بھی اگر ڈھونڈا جائے
تو اس مسلک کے مختلف عناصر اور اجزاء کا سراغ مل سکتا ہے، لیکن بہ نظر احتیاط میں نے
صرف یہ ارادہ کیا ہے کہ اکبری دربار کے سب سے زیادہ ثقہ راوی ملا عبدالقادر بدایونی کی
مشہور کتاب منتخب التواریخ پر ہی کفائت کروں۔ کیونکہ یہی ایک ایسا بیان ہمارے سامنے
ہے جو حلفی شہادت کے بعد ادا کیا گیا ہے۔ دوسروں کو اس پر اعتبار ہو یا نہ ہو لیکن ملا صاحب
جیسے راستباز بزرگ کے حلف کے بعد ہمارے لئے عدم اعتماد کی پھر مشکل ہی سے گنجائش
پیدا ہوسکتی ہے۔ بلکہ کلی طور پر ان کے جزئی بیانات کی تصدیق میں خود حضرت مجدد الف ثانی
رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت بھی انشاء اللہ تعالےٰ پیش کی جائے گی۔ کیا اس کے بعد بھی شک
کے لیے کوئی راہ پیدا ہوسکتی ہے۔

بہرحال ملا صاحب نے اپنی تاریخ میں واقعات کو منتشر صورت میں پیش کرنے کے

بعد ایک موقعہ پر یہ لکھا ہے :-

"دلیری بر نوشتن آں قضا یا کہ از وادی حزم و احتیاط بغایت دور بود
کردم و خدائے عز و جل گواہ است و کفیٰ باللہ شہیداً کہ مقصود ازیں نوشتن
غیر از درد دین و دل سوزی بر ملت مرحومہ اسلام کہ عنقا دار رو سے
غربت کشیدہ و سایہ بالی ہما عود از خاک نشینان حضیض گیتی باز گرفتہ
چیزے دیگر نہ بود و از نعنت و حقد و حسد و تعصب بخدا پناہ می جویم۔
صفحہ ۲۶۴

اور اسی کو میں ان کا حلف نامہ قرار دیتا ہوں۔
بہر حال اب واقعات کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔

اجتہاد کا دعویٰ

اس سلسلہ میں سب سے نمایاں جو چیز شروع میں ہمارے سامنے آتی ہے وہ عہدِ اکبری کا مشہور محضر نامہ ہے جسے بجنسہٖ ملا صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کر دیا ہے۔ یہ وہی محضر نامہ ہے جسے ملا مبارک ناگوری پدر ابوالفضل و فیضی نے مرتب کیا اور بعضوں سے طوعاً بعضوں سے کرہاً علماء وقت کے اس پر دستخط کرائے گئے۔

اصل محضر نامہ :-

مقصود از تشئید ایں مبانی و تمہید۔
این معانی آں کہ چون ہندوستان صینت
عن الحدثان بر میامن معدلت سلطانی
و تربیت جہاں بانی مرکز امن و امان و دارہ
عدل و احسان شدہ و طوائف انام از خواص
و عوام خصوصاً علمائے عرفاں شعار و فضلائے
دقائق آثار کہ ہادیان بادیہ نجات د

ترجمہ (بطور حاصل) :-

مطلب ان امور کے درج کرنے سے یہ ہے
کہ بادشاہی عدل و انصاف اور سرپرستی کے بدولت
ہندوستان آج کل امن و امان کا مرکز بنا ہوا ہے
اور اس کی وجہ سے عوام و خواص خصوصاً ان
صاحب علم و فضل علماء کا یہاں ان دنوں اجتماع
ہو گیا ہے جو نجات کی راہوں کے راہنما ہیں
اور "اوتوا العلم درجات" قرآنی آیت کے مصداق

سالکان مسالک اولوالعلم درجات انداز عرب و عجم رو بدین دیار نہادہ توطن اختیار نمودہ اند، جمہور علمائے فحول کہ جامع فروع و اصول و حاوی معقول و منقول اند بدین و دیانت و صیانت انصاف دارند بعد از تدبر وافی و تامل کافی در غوامض معانی اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم و احادیث صحیح۔ ان احب الناس الی اللہ یوم القیمۃ۔ امام عادل من یطیع الامیر فقد اطاعنی و من یعص الامیر فقد عصانی و غیر ذالک من الشواھد العقلیہ والدلائل النقلیہ۔ قرار دادہ حکم نمودند کہ مرتبہ سلطان عادل عند اللہ زیادہ از مرتبۂ مجتہد است۔ و حضرت ...... جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی .... اعدل واعقل و اعلم باللہ اند بنا بریں۔

اگر در مسائل دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہا است بذہن ثاقب و فکر صائب خود یک جانب را۔ از اختلاف بہ جہت تسہیل معیشت بنی آدم و مصلحت انتظام عالم اختیار نمودہ باں جانب حکم فرمانید متفق علیہ شود و اتباع آں بر عموم برایا لازم و متحتم است اگر بموجب رائے صواب نمائے خود حکمے را

یہ لوگ عرب و عجم سے اس ملک میں تشریف لائے۔ اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا ہے۔ اب جمہور علماء جو ہر قسم کے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور عقلی و نقلی فنون کے ماہر ہیں اور ایمان داری اور انتہائی دیانت و راستبازی کے ساتھ موصوف ہیں۔ قرآن کی آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (یعنی اطاعت کرو اللہ کی۔ اطاعت کرو رسول کی اور اُن لوگوں کی جو تم میں صاحبانِ امر ہیں) اور صحیح حدیثیں مثلاً یہ کہ خدا کے نزدیک قیامت کے دن سب سے زیادہ محبوب وہ امیر ہوگا جو عادل ہے جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی۔ ان کے سوا اور دوسرے دلائل عقلی و نقلی کی بنیاد پر یہ قرار دیتے ہیں اور فیصلہ صادر کرتے ہیں کہ خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے۔"

اور بادشاہ جلال الدین محمد اکبر غازی چونکہ سب سے زیادہ عدل والے عقل والے اور علم والے ہیں اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ (یعنی اکبر بادشاہ) اپنے ذہن ثاقب اور صائب رائے کی روشنی میں بنی آدم کی معاشی سہولتوں اور دنیاوی انتظام کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک

از احکام قرار دہند کہ مخالف نصے نہ باشد و سبب ترفیہ عالمیاں بودہ باشد عمل بر ان نمودن بر ہمہ کس لازم و متحتم است و مخالفت آں موجب منحط اخروی و خسران دینی و دنیوی است۔ انتہی بلفظہ ص۲۷۲ ج ۲ مطبوعہ کلکتہ

پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو مسلک قرار دیں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ "اتفاقی سمجھا جائے گا۔ اور عام مخلوق رعایا و برایا کے لیے اس کی پابندی لازمی و لابدی ہوگی۔ (اسی طرح) اگر کوئی ایسی بات جو قطعی نصوص کے مخالف نہ ہو اور دنیا والوں کو اس سے مدد ملتی ہو۔ بادشاہ اگر اس کے متعلق کوئی حکم صادر فرمائیں تو اس کا ماننا اور اُس پر بھی عمل کرنا ہر شخص کے لیے ضروری اور لازم ہوگا اور اس کی مخالفت دینی اور دنیوی بربادی اور اخروی مواخذہ کی مستوجب ہوگی۔

غالباً اسی کے بعد وہ لطیفہ پیش آیا کہ بحیثیت مجتہد و امام عادل ہونے کے جمعہ میں خطبہ پڑھنے کا اکبر کو خیال آیا۔ فیضی نے فارسی اشعار میں خطبہ تیار کیا۔ لیکن میدان جنگ میں جن کی تلوار سروں کو اڑاتی تھی وہ تھر تھرانے لگا اور صرف دو شعر پڑھ کر ممبر سے اتر گیا۔

یہ تھی وہ پہلی منزل جہاں تقلید سے کنارہ کش ہو کر اکبر کو اجتہاد کے درجہ پر پہنچایا گیا لیکن اس کے بعد پھر کیا ہوا وہی جو ہمیشہ اس کے بعد ہوا ہے۔ تھوڑے دنوں کے بعد علانیہ ائمہ و مجتہدین کی توہین و تحقیر ہونے لگی۔ دین کا بھرم اُٹھ گیا۔ ملا صاحب اپنے کانوں سنی بیان فرماتے ہیں کہ ابوالفضل کی جرأت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ

اگر در حین بحث سخن مجتہدین رامی آوردند می گفت فلاں حلوائی و فلاں کفش دوز، و فلاں چرم گر بر ما حجت می آرید و نفی ہمہ علماء بدو سازوار آمد

(صفحہ ۲۰۰)

اگر کسی بحث و مباحثہ کے درمیان ائمہ مجتہدین کی بات پیش کی جاتی تو ابوالفضل اس کے جواب میں کہتا۔ فلاں حلوائی اور فلاں کفش دوز اور فلاں چمڑے والے کے قول سے تم مجھ پر حجت قائم کرتے ہو۔ ابوالفضل کو تمام علماء کا یہ انکار بہت موافق ثابت ہوا۔

لیکن معاملہ ابھی صرف ائمہ و مجتہدین تک پہنچا تھا۔ بدقسمتی سے ہمایوں کو چونکہ ایرانیوں کی

امداد سے دوبارہ تخت و تاج میسر آیا تھا۔ اس لیے بہ تقاضائے منت شناسی عراق عجم اور ایران کے علماء و شعراء کو خود اس نے اپنے عہد میں اعزاز و اکرام سے سرفراز کیا۔ اور یہ دستور اکبر کے دربار میں بھی جاری رہا۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہمایوں کے بعد ہندوستان کی طرف ایک سیلاب تھا جو مسلسل انقراض دولت مغلیہ تک ان ممالک سے ہندوستان میں آتا رہا۔ یہ سیلاب کس قسم کا تھا۔ اس زمانے کے کسی شاعر نے اس کو خوب ادا کیا ہے ؎

نفاق آمدہ در ہند از بلاد عراق عراق قافیہ میدان برگذار نفاق

یہ ٹڈیوں کا بھوکا دل تھا جو ہندوستان کی کشت زاروں کی طرف بے تحاشا اڑا چلا آرہا تھا۔ اور ہر ادنیٰ ہندوستان پہنچ کر اس درجہ عالی ہو جاتا تھا کہ بالآخر لوگوں کو کہنا پڑا ؎

پار بودم قطبک وامسال قطب الدین شدم گر بیایم سال دیگر قطب دین حیدر شوم

بہرحال یہ وہ گروہ تھا، جو ائمہ و مجتہدین سے آگے بڑھ کر بے محابا شرف صحبت کے سعادت یافتوں پر بھی حملہ کرنے میں قطعاً بے باک تھا۔ اکبر کو تاریخی واقعات کے سننے کا بیحد شوق تھا۔ حریفوں نے خصوصیت کے ساتھ اس کے سامنے ان ہی کتابوں کو اور کتابوں کے بھی خاص ان حصوں کو پیش کرنا شروع کیا جن کا تعلق مشاجرات صحابہ سے تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں۔

وانچہ در حق صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم	صحابہؓ کی شان میں سیر کی کتابوں کے
در وقت خواندن کتب سیر مذکور می ساختند	پڑھنے میں جو الفاظ بادشاہ کی زبان سے نکلتے تھے
خصوصاً در خلافت خلفائے ثلثہ و قضیہ	خصوصاً خلفائے ثلثہ فدک جنگ صفین وغیرہ کے
فدک و جنگ صفین وغیرآں کہ گوش از	ذکر کے وقت جو کچھ کہا جاتا تھا۔ کان اگر ان کے
استماع آں کر باد خود بزبان نتواں آورد	سننے سے بہرے ہوتے تو بہتر تھا۔ میں اپنی
ص ۳۰۸	زبان سے ان کو ادا بھی نہیں کر سکتا۔

مجتہدین اور ائمہ پہلے وار میں ختم ہوئے اور اس دوسری ضرب نے تو اسلام کی رہی سہی ساکھ بھی ختم کر دی جیسا کہ اس کے بعد ہونا چاہیئے اور یہ ہوا کہ اکبری دربار میں۔

ملت اسلام ہمہ نامعقول و حادث	ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث و بدعقلی کا

وواقع آن فقرار غرباں بودند کہ جملہ مفسدان وقطاع الطریق ازاں دوبیت شاہنامہ کہ فردوسی طوسی بہ طریق نقل آوردہ متمسک می ساختند۔

مجموعہ ٹھہرایا گیا۔ اور اس کے بنانے والے، (العیاذ باللہ) عرب کے وہ چند مفلس بد قرار پائے جن میں سب کے سب مفسد اور لٹ مار اور راہزن تھے۔

وشیر شتر خوردن و سوسمار، عرب را بجاہی رسیدست کار، کہ ملک عجم را کند آرزو، تفو باد بر چرخ گرداں تفو

اور شاہنامہ فردوسی کے دو مشہور شعروں سے سند پکڑی گئی۔ جو اس نے بطور نقل کے

ص ۳۰۷

"شجرۂ طیبہ نبوت" علی صاحبہا الف سلام و تحیۃ کے ان ثمرہائے رسیدہ تک جس کی زبان پہنچ چکی تھی وہ آخر کب تک پھلوں سے خود درخت تک نہ پہنچتا۔ العیاذ باللہ آخر وہ منحوس دن بھی سامنے آہی گیا۔ کہ:۔

در ہر رکنے از ارکان دین و ہر عقیدہ از عقیدۂ اسلامیہ چہ در اصول وچہ در فروع مثل نبوت وکلام ورویت وتکلیف وتکوین و حشر ونشر شبہات گوناگوں بہ تمسخر واستہزار آوردہ ص ۳۰۷

ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، دیدار الٰہی انسان کا مکلف ہونا، عالم کی تکوین، حشر ونشر وغیرہ کے متعلق تمسخر اور ٹھٹھے کے ساتھ طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے تھے۔

یہی نہیں کہ بادشاہ ہی صرف شک میں مبتلا ہو گیا تھا، بلکہ اہل دربار سے بھی ان مسائل کے متعلق بحث کرتا اور سب کو اپنی ذہنی کیفیت کے قریب لانے کی کوشش کرتا، ملا صاحب لکھتے ہیں کہ بادشاہ،

خلق را بخلق قرآن وتوغل در استحالہ وحی تشکیک در نبوات وامامات امتحان کردند بود جن وملک وسائرہ مغیبات ومعجزات وکرامات را انکار صریح آوردند وتواتر قرآن

عام مخلوق کو خلق قرآن کے مسئلہ کی تبلیغ کرتا اور وحی کے محال ہونے پر اصرار وغلو سے کام لیتا اور نبوت وامامت کے مسئلوں میں لوگوں کا امتحان لیتا اور جن فرشتے اسی طرح ساری

وثبوتِ کلامیت آن وبقائے روح بعد اضمحلال بدن وثواب وعقاب را غیراز تناسخ، محال می شمردند۔ صفحہ ۳۷۲

نبیی ہستیوں، نیز معجزات اور کرامتوں کا کھلے لفظوں میں، انکار کرتا قرآن کے تواتر اور اس کے کلام خدا ہونے اور بدن کے فنا ہونے کے بعد ثواب وعذاب کے لیے روح کے باقی رہنے کو محال سمجھتا تھا، البتہ تناسخ کے طور پر ثواب وعذاب کا قائل تھا۔

اپنی اس تبلیغ میں غلو کی آخری حد یہ تھی کہ کبھی کبھی بھرے دربار میں اکبر سے خلاف وقار شاہی بعض مذبوحی حرکتیں بھی سرزد ہو جاتی تھیں۔ مثلاً بیٹھے بیٹھے یکایک ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جانا اور اس کے بعد حسب ذیل تقریر کرنا۔

دین معنی را عقل چہ گونہ قبول کند کہ شخصے دریک لحظہ باگرانی جسم از خواب بآسمان رود ولود ہزار سخن گونگوئے باخدائے تعالیٰ کند وبسترش ہنوز گرم باشد و مردم آں دعویٰ بگردند وہم چنیں شق القمر وامثال آں

آخر اس بات کو عقل کس طرح مان سکتی ہے کہ ایک شخص بھاری جسم رکھنے کے باوجود یکایک نیند سے آسمانوں پر چلا جاتا ہے اور نوے ہزار ... بات، خدا سے کرتا ہے۔ لیکن اس کا بستر اس وقت تک گرم ہی رہتا ہے اور لوگ اس دعویٰ کو مان لیتے ہیں۔ اور اسی طرح شق القمر وغیرہ جیسی باتوں کو بھی مان لیتے ہیں۔

پھر اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ کی طرف حاضرین کو مخاطب کر کے سوال کرتا۔

ممکن نیست کہ تا پائے دیگر برجا ماندا ستادہ توانیم ایں چہ حکایتہاست ص ۳۱۷

ناممکن ہے، کہ جب تک دوسرا پاؤں زمین سے نکلا نہ ہو میں کھڑا نہیں رہ سکتا۔ آخر یہ ہیں کیا قصے؟

گویا خلاف عادت کے ناممکن ہونے کو اپنی اٹھی ہوئی ٹانگ سے ثابت کیا جاتا تھا۔ یہی رنگ تھا جو بالآخر گہرا ہوا اور خوب گہرا ہوا تا اینکہ نوبت بایں جا رسید کہ اب اس کی زبان سے (معاذ اللہ) یہ باتیں بھی نبوت کبریٰ کی شان میں نکلنے لگیں۔

زدن قافلہ قریش در اوائل ہجرت و چہار دہ زن خواستن و تحریم شہد کردن برائے خوشنودی زنان ص ۲۰۸

(یعنی) اوائل ہجرت میں قریش کے قافلہ کا لوٹنا چودہ عورتوں سے نکاح کرنا اور بیویوں کی رضامندی کے لیے شہد کو حرام کرنا (ان سے نبوت پر اعتراض کرتا تھا)

آج یورپ کے کمان سے جن تیروں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ اب برس رہے ہیں حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ آج سے تین سو برس پیشتر بھی ہو چکا تھا۔ آخری کیفیت اکبر کے نفس کی یہ ہوئی کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ملا صاحب کا بیان ہے: فاعتبروا یا اولی الابصار ابتدا میں بات کتنی ہوتی ہے۔ لیکن آخر کہاں جا کر ختم ہوتی ہے۔

نام احمد و محمد و مصطفےٰ وامثال آں بہ جہت کافران بیرونی و زنان اندرونی گراں می آمد تا بمرور ایام اسامی چندرا از مقربان کہ بایں نام مسمی بودند تغیر دادہ مثلاً یار محمد محمد خاں را رحمت می خواند و می نوشتند ص ۲۱۵ ج ۲

احمد، محمد، و مصطفےٰ وغیرہ نام بیرونی کافروں کے خاطر سے اور اندرونی عورتوں کی وجہ سے اس شخص پر گراں گذرنے لگے۔ آخر کچھ دن کے بعد اپنے چند خاص لوگوں کے نام اس نے بدل بھی ڈالے مثلاً یار محمد اور محمد خاں کو وہ رحمت ہی کے نام سے پکارتا بھی تھا، اور لکھنے کے وقت بھی ان کو اسی نام سے موسوم کرتا ہے۔

اور غالباً یہی وجہ ہے، جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے کہ اکبری عہد کے مصنفین خطبہ کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھنے سے گریز کرنے لگے۔

علمار در تصنیفات از خطبہ نبر امی آدر دند و اکتفا بہ توحید کردند و القاب پادشاہی می نوشتند۔ و مجال نہ بود کہ نام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی رغم المکذبین بہ برند ص ۲۶۹

علمار سو اپنی اپنی تصنیفوں میں خطبہ لکھنے سے بچنے لگے۔ صرف توحید اور بادشاہی القاب کے ذکر پر قناعت کرتے تھے ان کی مجال نہ تھی کہ بے ایمان جھٹلانے والوں کے علی الرغم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک زبان و قلم پر لاتے

یہاں تک کہ خود ملا صاحب کو جب مہابھارت کے ترجمہ کے شروع میں خطبہ لکھنے

کی فرمائش بادشاہ نے کی۔ تو محض اس وجہ سے انہوں نے اعراض کیا، کہ بغیر نعت کے وہ خطبہ لکھنا نہیں چاہتے تھے۔ ان ہی باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ بادشاہ تو بادشاہ حامی کی جرأت بھی حد سے متجاوز ہونے لگی۔ ملا صاحب فرماتے ہیں کہ:

بدبختے چند از ہندواں و مسلماناں	چند ہندو اور چند ہندو مزاج مسلمان، بہ
ہندو مزاج" قدح صریح بر نبوت می	بدنصیب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت
کردند	پر مراحتہً اعتراضات کرتے تھے۔

لیکن ان کا کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ تھا۔ حد تو یہ ہو گئی کہ جب اکبر کے دربار میں عیسائی مشنری کا وفد پہنچا ہے تو ان لوگوں نے جہاں اور باتیں دربار میں کہیں تھیں ان میں العیاذ باللہ یہ بھی تھا۔

در تعریف دجال ملعون ایں ملاعین	ان ملعونوں نے دجال کے صفات
داوصاف اور ادرباب حضرت خیر النبیین	بیان کر کے (استغفر اللہ) ان کو پر ڈھالتے
صلی اللہ علیہ وسلم علی رغم الدجالین فرود آوردند	تھے۔

ص ۳۱۵

اللہ اکبر! اتنی بدبختانہ بیہودگی کو سن کر بھی اکبر کی پیشانی پر بل تو کیا پڑتا۔ نہایت خندہ جبینی سے ان کا استقبال کرتا ہے۔ اور خاص اپنے شاہزادہ مراد کو حکم دیتا ہے کہ۔

سبقے چند تیمناً ازاں بخواند ص ۳۱۵	چند اسباق ان پادریوں سے پڑھ لو۔

عقائد میں جس شخص کا یہ حال ہو چکا تھا۔ اس کے اعمال کے متعلق سوال ہی فضول ہے وہی نماز جس کے متعلق کبھی یہ حال تھا۔

ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت	پانچوں وقت (نماز تو نماز) جماعت
ور در بار می گفتند ص ۳۱۵	کے لیے بھرے دربار میں فرمایا کرتے تھے۔

لہ ملا صاحب کی یہ اصطلاح اس زمانہ میں خاص طور پر قابل لحاظ ہے شاید دنیا ہر مزاج رکھنے والوں سے ہمیشہ بھری رہی ہے ۱۲۔

اب ان ہی ملا صاحب کا بیان ہے کہ :-

در دیوان خانہ ہیچکس را یارائے آں نہ داشت کہ علانیہ ادائے صلوۃ کند صـ ۲۱۵	دیوان خانہ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ علانیہ نماز ادا کر سکے ۔

ایک جگہ لکھتے ہیں :-

نماز روزہ و حج پیش ازاں ساقط شدہ بود صـ ۲۵۱	نماز روزہ اور حج تو اس سے پہلے ہی ساقط ہو چکے تھے ۔

اور معاملہ صرف سقوط و اسقاط تک ہی ختم نہیں ہوا تھا بے دینوں نے شاہی اشارہ پاکر پھر اس کے بعد جو کچھ کیا اس کے ذکر سے بھی دل ڈرتا ہے ۔ غیر اسلامی خاندان کے آدمی نے نہیں بلکہ ایک مشہور ملا کے بیٹے نے جیسا کہ بدالونی کا بیان ہے :-

پسر ملا مبارک شاگرد ابو الفضل رسائل در باب قدح و تمسخر ایں عبادات بدلائل نوشتہ و مقبول افتادہ باعث تربیت گشت صـ ؟	ملا مبارک کے ایک بیٹے نے جو ابو الفضل کا شاگرد تھا اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور مسخرگی کے پیرایہ میں چند رسالے تصنیف کیے (شاہی جناب) میں اس کے ان رسالوں نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور اس کی سرپرستی کا ذریعہ بھی رسالے بن گئے ۔

دینی شعائر کی ہجو میں اشعار بنائے گئے اور کوچہ و بازار میں وہی گائے جاتے تھے جن میں کے بعض اشعار ملا صاحب نے بھی نقل کیے ہیں یہ دکھانے کے لیے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات میں "دین کی غربت کا" نوحہ جن درد ناک پیرایوں میں کرتے ہیں اس کے اسباب کیا تھے ہم بھی چند بطور "نقل کفر" کے نقل کرتے ہیں ۔ مثلاً غالباً یہ فیضی کی فیاضی کفر تھی ۔

از حقیقت بدست کورے چند	مصحفے ماند کہنہ گورے چند
گورباکس سخن نمی گوید	سر قرآں کسے نمی جوید

ایک مستزاد اس پر مستزاد ہے

عید آمد و کارہا نکو خواہد شد	چوں روئے عروس

ساقی مے ناب در سبو خواہد کرد چوں خون خروس !

(العیاذ باللہ)

افشار نماز پوز بند روزہ یک بار دگر بلا !!!
از گردن این خراں فرد زاہد کرد افسوس ، افسوس

اوران جزئیات کی کہاں تک تفصیل کیجئے۔ جب اس اصل سے وہ ٹوٹ چکا تھا تو آخر شاخوں سے کب تک لپٹا رہتا۔

لیکن اس وقت تک جو کچھ ہوا تھا اس کی حیثیت "تخریب" کی تھی ظاہر ہے کہ ہر تخریب کے بعد تعمیر کا خیال پیدا ہونا قدرتی بات ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ سارے فتنے کھڑے کیے تھے ان کی نیت کیا تھی۔ اللہ اعلم بالصواب۔

الف ثانی کا نظریہ اور "دین الٰہی" کی تدوین

عجیب بات ہے کہ تاریخوں میں اس نظریہ کا ذکر کنائے اشارے میں نہیں بلکہ کھلے کھلے لفظوں میں بکثرت کیا گیا تھا۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ پچھلے مورخین نے اس کے ذکر میں تساہل سے کیوں کام لیا حالانکہ ہمارے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی تجدید کی جو اضافت "الف ثانی" یعنی "اسلام" کی مدت عمر کے دوسرے ہزار سال کی طرف ہے، جہاں تک میرا خیال ہے اور انشاء اللہ اس کی تفصیل آیندہ آتی ہے اس کا زیادہ تر تعلق اکبر کے اسی نظریہ سے معلوم ہوتا ہے، بہر حال میں واقعات درج کرتا ہوں۔ نتیجہ تک ہر شخص خود بہ آسانی پہنچ سکتا ہے چونکہ التزاماً اس سلسلہ میں جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں ملا عبدالقادر ہی کی کتاب سے لکھ رہا ہوں اس لیے اس لیے اس مسئلہ میں بھی میرا مواد ان ہی کی تاریخ تک محدود رہے گا۔

ملا صاحب فرماتے ہیں۔

چوں در زعم خویش مقرر ساختند کہ ہزار سال از زمان بعثت پیغمبر اسلام علیہ السلام — بادشاہ نے یہ خیال پکایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی مدت عمر کل ایک

کہ مدت بقائے ایں دین بود تمام شدہ ہیچ ملاحظے برائے اظہار و دواعی خفیہ کہ در دل داشتند نماند و بساط از مشائخ و علماء کہ صلابت و مہابت داشتند و ملاحظہ تمام در آنہا بکسے نمود خالی ماند بفراغ بال در صدد ابطال احکام و ارکان اسلام و بند و بست ضوابط و قواعد نو مہمل و مختل و ترویج بازار فساد اعتقاد درآمد ص ۳۰۱

ہزار سال تھی جو پوری ہوگئی۔ بادشاہ کے دل میں اس کے بعد ان منصوبوں کے اظہار و اعلان میں اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی جو اپنے دل میں انہوں نے کانٹھا تھا۔ ادھر ایسے علماء جن کا کچھ رعب و داب تھا ان سے بھی بساط خالی ہو چکی تھی۔ پھر کیا تھا اس کے بعد تو بادشاہ خوب کھل کھیلے، اور اسلامی احکام و ارکان کے ہدم و بربادی ان کی جگہ نت نئے اپنے ساختہ پرداختہ قوانین کی ترویج میں مشغول ہوئے جس کے بعد عقائد کی بربادی کا بازار گرم ہوا۔

یہ تھا وہ "نظریہ" جس کا نام میں نے "نظریہ الف ثانی" رکھا ہے اور صرف نظریہ پر قناعت نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کے اعلان عام کا ذریعہ یہ اختیار کیا گیا۔ کہ سکہ کا نام "سکہ الفی" رکھا گیا۔ اور اس پر "الف" ہی کی تاریخ ثبت کی گئی۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ گذشتہ بالا تجویز کے بعد۔

اول حکمے کہ فرمودند ایں بود کہ در سکہ تاریخ الف نویسند۔ ص ۳۰۱

پہلا حکم جو دیا گیا یہ تھا کہ سکہ میں الف ہزار کی تاریخ لکھی جائے۔

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

و در تنکھا و مہرہا تاریخ الف نوشتند کہ بایں اعتبار مشعر باشند از انقراض دین مبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ بیش از ہزار سال نخواہد بود ص ۳۰۶

ٹکوں اور اشرفیوں میں الف کی تاریخ لکھوائی گئی اور اس سے اشارہ ادھر کرنا مقصود تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین مبین کی عمر جو ہزار سال تھی وہ پوری ہوگئی۔

ظاہر ہے کہ سکہ ہی ایسی چیز ہوتی ہے جس کی ہر خاص و عام تک رسائی ناگزیر ہے کتابوں اخباروں رسالوں میں سب سے زیادہ کارگر تدبیر اشتہار کی اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی تھی اور

غالباً یہی وجہ تھی کہ پہلے سلاطین کے جتنے سکے اور خود اپنے زمانہ کے دوسرے سکوں کو سخت ترین احکام و فرامین کے ذریعہ سے اکبر نے گلوا دیا تھا صرف ایک ہی سکہ باقی رکھا۔ لیکن بات اسی پر ختم نہیں کی گئی بلکہ ایک کتاب بھی "تاریخ الفی" کے نام سے اکبر نے تالیف کرائی جس کی تدوین و ترتیب کا کام چند علماء کے سپرد ہوا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں۔

دریں سال حکم شد کہ چوں ہزار سال از ہجرت تمام شد و ہمہ جا تاریخ ہجری می نویسند حالا می باید کہ تاریخ تالیف باید کرد کہ جامع جمیع احوال بادشاہان اسلام تا امروز کہ در معنی ناسخ تاریخہائے دیگر باشد و نام او الفی نہند و در ذکر سنوات بجائے ہجرت لفظ رحلت نویسند۔

اسی سال یہ حکم ہوا کہ ہجرت سے چونکہ ہزار سال پورے ہو گئے اور لوگ ہر جگہ ہجری تاریخ لکھتے ہیں۔ اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی تاریخ مرتب کی جائے جو ان تمام سلاطین کے حالات پر حاوی ہو۔ جو ابتدا سے اب تک اسلام میں گذرے ہیں جس کے دوسرے معنی یہ تھے کہ ایسی تاریخ لکھوائی جائے جو دوسری تمام تاریخوں کی ناسخ ہو۔ اس تاریخ کا بادشاہ نے الفی نام رکھا اور یہ بھی حکم دیا کہ سنوں کے ذکر میں بجائے ہجرت کے رحلت کا ذکر کیا جائے

مطلب یہ تھا کہ اپنے زمانہ کی حد تک تو "سکہ" کا طریقہ اشتہار کے لیے مفید تھا۔ لیکن اس کے بعد پھر اس کی یاد دہانی کا ذریعہ کوئی اور ہونا چاہیئے اور اس کے لیے "تاریخ الفی" کا ذریعہ اختیار کیا گیا۔

اکبر تک یہ نظریہ کس طرح پہنچا۔ خود اس کے اپنے دماغ نے یہ ایجاد کی یا اس کے پیچھے جو "قرنار" لگائے گئے تھے یہ ان ہی کی تسویل و تزویر تھی، صحیح طور پر اس کا پتہ نہیں چلا لیکن اتنا معلوم ہے کہ اس نظریہ کی تائید میں دلائل کا ایک انبار جمع کر دیا گیا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں۔

دریں سال اسافل و اراذل عالم نمائے جاہل تعاضد دلائل باطل نمودہ بریں آوردند

اسی سال چند رذیل ادنیٰ درجہ کے لوگ جو عالم نما جاہل ہیں۔ انہوں نے دلیلوں کا پشتہ

کہ حالا "حسب زمانے کہ رافع خلاف و اختلاف و ہفتاد و دو ملت از مسلم و ہندو باشد حضرت اند ص ۲۷۹

اس دعوےٰ کے متعلق باندھ دیا کہ وقت اس صاحب زمان کا آگیا ہے جو ہندو اور مسلمانوں کے بہتر فرقوں کے اختلاف کا مٹانے والا ہو گا۔ اور اس صاحب زماں کی ذات خود حضرت بادشاہ کی ہے۔

اس عبارت سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ دینِ الٰہی کی بنیاد کیا تھی، آج جس "نظریہ" کو قومیت کے نام سے روشناس کیا جا رہا ہے عمل کو نہ دیکھئے، الفاظ کی حد تک کیا اس کی تعبیر اس سے زیادہ الفاظ میں کی جا سکتی ہے۔ اس "نظریہ" نے بالآخر جو رنگ اختیار کیا۔۔۔ قدرت نے غالباً۔۔۔۔ ہماری عبرت کے لیے اس کا نقشہ ہماری نگاہوں کے سامنے گذار بھی دیا۔ لیکن کون ہے، جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ پاک پر اس آواز کو پہنچائے کہ آپ جس فتنہ کو دیکھ دیکھ کر یا دیلاہ یا مصیبتاہ کے ساتھ عمر بھر چیختے رہے، آج ہندوستان کے مسلمانوں کو پھر وہی دھوکا دیا جا رہا ہے اور ستم یہ ہے کہ وہ دھوکا کھا رہے ہیں، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے تین سو سال پیش تر" ہندی قومیت" کے ان ہی علمبرداروں کے باطنی ارادوں اور پوشیدہ نیتوں کا اعلان ان لفظوں میں کیا تھا۔

کار ایں نابکاراں استہزا و سخریہ است بہ اسلام و اہل آں منتظر اند کہ اگر تا لو بیابند مارا از اسلام بر آرند یا ہمہ را بقتل رسانند یا بہ کفر باز گردانند۔ ص ۱۶۶

ان لوگوں کا ہر کام صرف اسلام کے ساتھ مذاق اور ٹھٹھا اڑانا ہے۔ یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ ان کو قابو حاصل ہو جائے تو ہم (مسلمانوں کو) یا اسلام سے جدا کریں یا سب کو قتل کر ڈالیں یا سب کو پھر کفر کی طرف پلٹائیں۔

یہ ہے پوشیدہ مقاصد کی ۳ سو صد سالہ تاریخ

آج جب کہ مغربی قومیت کی تیز آندھیوں نے ان دبی چھپی چنگاریوں کو ہوا دے دے کر مختلف تدبیروں سے شعلہائے جہنم بنا دیا ہے، لیکن معصوموں کا ایک گروہ ہے جو باوجود "قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفی صدورھم اکبر" یہی سمجھ رہا ہے،

کہ یہ معاملہ اصغر ہی نہیں، بلکہ "صفر" ہے، چند ہوا پرستوں کی صرف بدگمانیاں یا بدنفسیاں ہیں بہرحال اس نظریہ کی تائید میں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، آج تو ان کو صرف عقلی رنگ سے رنگا جاتا ہے لیکن اس وقت علاوہ عقلیت کے اس میں "الہام اور" پیشگوئی" کی قوت بھی بھری جاتی تھی، ملا صاحب کا بیان ہے کہ

برہمناں...... شعر ہائے ہندی را از زبان دانایان سابق نقل کردہ می گذرانید با ایں مضمون کہ پادشاہ عالمگیرے در ہند پیدا شود کہ برہمناں را احترام کند و محافظت گاؤ نماید و گیتی را بعدل نگاہبانی کند و در کاغذ ہائے کہنہ آں خرافات را نوشتہ می نمودند و ہمہ باور می افتاد ص ۲۲۶ ج ۲

ہندوستان کے قدیم دانشمندوں کے نام سے (اس زمانہ) میں برہمن ہندی اشعار نقل کر کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے جن کا مضمون یہ ہوتا تھا کہ جہاں کا فتح کرنے والا ایک بادشاہ ہندوستان میں پیدا ہوگا جو برہمنوں کی بڑی عزت کرے گا اور گائے کی حفاظت کرے گا اور عالم کی نگرانی انصاف کے ساتھ کریگا۔

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ پرانے کاغذات پر ان خرافاتوں کو لکھ کر بادشاہ کو دکھایا کرتے تھے اور بادشاہ ان کو صحیح خیال کرتا تھا۔

سنا جاتا ہے کہ آج بھی برہمنوں کی ایک بڑی جماعت پرانے کاغذات اور تانبے کے پتروں میں حسب مطلب مضامین لکھ لکھ کر زمین میں دفن کرتی ہے۔ اور پھر کچھ دن کے بعد "ڈسکوری" کے نام سے آسمان و زمین کو سر پر اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور ان ہی وثیقوں سے آج ہندوستان کی تاریخ مرتب ہو رہی ہے۔ ایک معتبر راوی نے مجھ سے حال ہی میں بیان کیا کہ "پونہ" کے علمی حلقوں میں اس نوعیت کے تحقیقی کاموں کا زیادہ زور ہے۔ خیال گذرا تھا کہ شاید یہ وہاں کے برہمنوں کی کوئی "اپج" ہے۔ مگر ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان کا پرانا دستور ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس قدامت پرست قوم کے پاس کوئی نئی چیز آخر کس طرح پیدا ہو سکتی ہے۔

بہرحال "ہندو مسلم" کے رفع خلاف کے لیے ایک طرف اندرونی طور پر یہ کاروائی

ہو رہی تھی۔ اور کیا کہوں، مگر بے کہے رہا بھی نہیں جاتا کہ ٹھیک جس طرح اسی "ہندو مسلم اختلاف" کے رفع کے لیے یا "ہندی قومیت" کے لیے غیر تو جو کچھ کر رہے ہیں، کر ہی رہے ہیں، لیکن اپنوں کی بھی ایک جماعت ہے جو پوری قوت سے اس کی تائید و اثبات کے لیے آستین چڑھائے ہوئے ہے اسی طرح اس وقت بھی ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا، جس میں بد قسمتی سے زیادہ تر اسی جماعت کے افراد شریک تھے جو آج بھی اس نظریہ کے قبول کرنے میں عام مسلمانوں سے دس قدم آگے نظر آ رہے ہیں۔ ملا صاحب کا بیان ہے کہ کوئی صاحب حاجی ابراہیم صاحب سرہندی تھے جن کا ذکر اس کتاب میں مختلف مواقع پر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی آدمی تھے۔ اکبر کے زمانہ میں صوبہ گجرات کی صدارت پر سرفراز تھے۔ آپ نے گجرات سے جو تحفے بادشاہ کے پاس بھیجے تھے، ان میں ایک تحفہ یہ بھی تھا۔

عبارت جعلی از شیخ ابن عربی قدس سرہ در کتابے کہنہ کرم خوردہ بخط مجہول نوشتہ کہ "صاحب زمان" زنان بسیار خواہد داشت و در ریش تراش خواہد بود وصفتے چند کہ "در خلیفۃ الزمان" بود درج کردہ ص ۲۷۵ ج ۲	ایک جعلی عبارت حضرت شیخ ابن عربی قدس سرہ کی ایک پرانی کرم خوردہ کتاب سے نامانوس حروف میں نقل کر کے بھیجی جس کا مطلب یہ تھا کہ "صاحب زمان" کے پاس بہت سی عورتیں ہوں گی اور ڈاڑھ منڈا ہو گا۔ اسی طرح کے چند صفات جو "خلیفۃ الزمان" میں تھے اس میں درج تھے۔

اگرچہ برہمنوں کی طرح ان کی بات نبھ نہ سکی اور یہ حادثہ اس گروہ کے سامنے اکثر پیش آتا ہے ملا صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"آں جعل و لباس ظاہر شد"

ایک اور "مولنا صاحب" تھے۔ جن کا ذکر ملا صاحب نے مولنائے خواجہ شیرازی کے لقب سے کیا ہے۔ ان مولنا صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:-

از مکہ معظمہ رسالہ از شرفا آوردہ کہ در احادیث صحاح ہفت ہزار سال کہ مدت	شرفاء کے پاس سے یہ مکہ معظمہ سے ایک رسالہ لائے کہ صحیح حدیثوں میں دنیا کی پوری

ایام دنیا ست سپری شد و حالات وقت ظہور مہدی موعود است و خود ہم رسالہ ترتیب دادہ گذرانید ص ۲۸۶

مدت عمر سات ہزار سال ہے اور یہ مدت پوری ہو چکی پس یہی وقت اس مہدی کے ظہور کا ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ خود ان مولانائے خواجہ شیرازی صاحب نے بھی اس موضوع پر ایک رسالہ مرتب فرمایا تھا۔

ملا صاحب لکھتے ہیں کہ اس تحریک کی تائید میں صرف سنی علماء ہی کے افراد شریک نہیں ہو گئے تھے۔ بلکہ شیعی علماء کے بعض افراد بھی۔

از امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کردہ ص ۲۸۶

اکبر کے عہد کے ایک شیعی عالم ملا شریف آملی بھی تھے۔ صاحب تالیف تصنیف تھے ملا صاحب نے ان کا ایک طویل تذکرہ درج کیا ہے۔ انہوں نے محمود بسخوانی جو تیموری عہد کا ایک مشہور سطح نویس مصنف گذرا ہے۔ اس کی کتاب سے بھی یہ مضمون نکالا۔

کہ در سال نہ صد و نود بر دارندہ باطل شخصے خواہد بود، و بہ تعبیر از "صاحب دین حق" تشخیص کردہ بہ حساب جمل نہ صد و نود ست ص ۲۸۶

نو سو نوے (ہجری) میں باطل کا مٹانے والا ایک شخص پیدا ہو گا۔ "صاحب دین حق" سے اس کی تعبیر کی گئی اور جمل کے قاعدہ سے وہی نو سو نوے کے عدد نکالے گئے۔

ان سب کے علاوہ ناصر خسرو کی دو رباعیاں بھی اسی نظریہ "الف ثانی" کی تائید میں پیش کی جاتی تھیں۔ پہلی رباعی یہ ہے۔

در نہ صد و ہشتاد و نہ از حکم قضاء
در سال اسد ماہ اسد، روز اسد

آیندہ کواکب از جوانب یک جا
از پردہ بروں خراماں شیر خدا

اور "آں شیر خدا" سے مراد اکبر کی ذات تھی اور دوسری رباعی یہ ہے۔

در نہ صد و نسعین دو قراں می بینم
یا ملک بدل گردد یا گردد دیں

وز مہدی و دجال نشاں می بینم
سرے کہ نہاں ست عیاں می بینم

بہر کیف اکبر کے زمانہ میں اتفاقاً اسلام کی عمر کے ہزار سال کا گذرنا ایک ایسا واقعہ بنا لیا

گیا جس پر الف ثانی کے نظریہ کی یاروں نے، بڑی بڑی تعمیریں کھڑی کردیں اور مستقل طور پر طے کردیا گیا، کہ محمدی اسلام" کی عمر پوری ہوگئی بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کردیا گیا کہ بالفرض اگر نہ بھی پوری ہوئی (جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے جب بھی)

دریں سال شیخ مبارک درخلوت بحضور پادشاہ برگفت کہ چنانچہ در کتب شما تحریفات است در دین ما نیز تحریفات بسیار رفتہ و اعتماد نے نماند ص ۳۱۲

ملا مبارک نے بر سر بادشاہ کے سامنے خلوت میں مخاطب کر کے کہا کہ جس طرح تمہارے دین میں تحریفیں ہوئی ہیں اس طرح ہمارے مذہب میں بکثرت تحریفیں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے اب اس مذہب پر بھی اعتماد باقی نہ رہا۔

ایک مقدمہ یہ ہوا۔ اور دوسرا اسی کے بعد۔

مدت ہزار سال از ہجرت تمام شدہ ص

اور ہجرت سے اس وقت تک ایک ہزار سال کی مدت پوری ہو چکی ہے۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ اب کسی جدید آئین کی ضرورت ہے، لیکن جدید حاشیہ آرائی کیا ہوئی۔ چاہیے۔ گذر چکا کہ "ہندو مسلم" اختلاف کو رفع کرنا۔ اب سنیے کہ اس پر جدید حاشیہ آرائی کیا ہوئی

عقلا در ہمہ ادیان موجود مہیا اند و ارباب رضات و کشف و کرامات در کل طوائف انام پیدا و حق ہمہ جا، پس انحصار آں در یک دین و یک ملت کہ نو پیدا شدہ و ہزار سال بر و نگذشتہ باشد چہ لازم و اثبات یکے و نفی دیگرے ترجیح بلا مرجح از کجا۔ ص ۲۵۶

تمام مذاہب میں عقل مند موجود ہیں اور پائے جاتے ہیں اسی طرح ریاضت و مجاہدہ کشف و کرامات والے بھی دنیا کے تمام لوگوں میں پائے جاتے ہیں، اور حق تمام مذاہب میں پایا جاتا ہے پھر ایک ہی دین و ملت میں حق کو کیوں منحصر خیال کیا جاتا ہے اور وہ بھی ایسے دین میں جو نو مولود ہے اس پر ابھی ہزار سال بھی نہیں گذرے ہیں، آخر ایسے دین میں حق کو منحصر کر دینا کیوں ضروری ہے یقیناً ایک مذہب کو صحیح خیال

کرنا اور دوسرے کو غلط ٹھہرانا یہ ترجیح بلا مرجح ہے
یعنی بلا وجہ کی ترجیح ہے۔

"ہندی قومیت" کی تعمیر کا شاید یہی وہ مقدمہ ہے جو اس کی جدید تحریک اور "نشاۃ ثانیہ" کی تائید میں اسی جماعت کے ایک فرد فرید نے چند دن ہوئے کہ بعض آیات قرآنیہ کی جدید تفسیر کے ذریعہ سے اسی دعویٰ کو دہرا دیا ہے اور تحریک کے باتوں کی جانب سے انہیں کافی داد ملی حتیٰ کہ بعض "دیسی" زبانوں میں اس کا ترجمہ کر کے بھی شائع کرایا گیا۔ خیر مجھے اس سے کیا بحث یں تو صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اسلام کو جس آتشگیر مادہ نے گھیا ہے اور ناتوانوں کو خطرہ پیدا ہو رہا ہے کہ "خدانخواستہ" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ور اصحاب و اتباع باحسان کے فراہم کردہ خرمن کو (لا فعل اللہ) ۔ یہ شعلے بھڑک کر بھسم نہ کر دیں یہ خیال اس قرآن کے متعلق جو "محفوظ" لوح میں انا لہ لحافظون ؕ کے دست قدرت سے ثبت کیا گیا ہے، اس کو برباد کرنا تو بڑی چیز ہے انشاء اللہ ناپاکوں کے ناپاک ہاتھ اس کو چھو بھی نہیں سکتے وہ خود اپنی اندرونی لازوالی قوتوں سے اس قسم کی اطفائی کوششوں کا ہمیشہ رد عمل کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا خواہ جھٹلانے والوں کی یہ جماعت فرعون و ثمود کے جنود ہی کیوں نہ ہوں۔

بہر حال آخر یہ طے کر لیا گیا کہ "جدید ملت" کی بنیاد رکھدی جائے۔ ظاہر ہے کہ اکبر کی "تکذیبی رفتار اس وقت تک صرف دامان نبوت تک پہنچی تھی۔ الحاد کی آخری منزل تک نہیں پہنچا تھا اس کے دماغ میں ابھی "اللہ" کا عقیدہ باقی تھا اور اسی لیے اس جدید دین کا نام "الٰہی مذہب" رکھا گیا تھا۔ الٰہی مذہب کے لیے عموماً الہام و وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر کیا اکبر نے اس کا بھی کوئی سامان کیا تھا اور کتابوں میں تو شاید اس کا بھی کچھ سراغ ملتا ہے۔ لیکن ملا صاحب باوجودیکہ ایک موقعہ پر لکھ گئے ہیں۔

این ہمہ باعث دعویٰ نبوت شد — یہی باتیں دعوائے نبوت کی سبب ہوئیں لیکن
اما نہ بہ لفظ نبوت بلکہ بعبارت آخر ص ۲۸۶ — "نبوت" کے لفظ کے ساتھ نہیں دوسرے لفظوں میں

اور ملا نظیری نے بھی اپنے مشہور قصیدہ میں اکبر کی ان بیہودہ کوششوں کا اس ایک

شعر میں جواب دے کر کہ:

شورش مغز است اگر در خاطر آید جاہلے — کز خلائق مہر پیغمبر خدا خواہد شدن

آخر میں انہوں نے بھی کچھ "نبوت" ہی کے جانب ظریفانہ اشارہ کیا ہے۔

بادشاہ امسال دعوی نبوت کردہ است — گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

لیکن بجز ایک واقعہ کے جس کا ذکر بدایونی نے بھی کیا ہے کہ نندانہ (پنجاب) سے لوٹتے ہوئے اکبر کو سیر و شکار کا شوق ہوا۔ اور قمرغہ (ہانکنے) کا فرمان دے کر شکار میں مصروف ہوا چار دن تک مسلسل شکار کھیلتا رہا۔ شکاروں کا انبار لگ گیا۔ کہ اچانک ایک درخت کے نیچے۔

ناگاہ بہ یک بار حالتے عجیب و جذبہ عظیم بر شاہنشاہی دار د گشت و تغیر فاحش در وضع ظاہر شد بمثابہ کہ تعبیر از اں ممکن نہ بود ہر کدام ہر چیزے حمل می کردند

۲۵۳

اچانک بادشاہ پر ایک عجیب حالت طاری ہوئی اور عظیم جذبہ وارد ہوا۔ حالت میں غیر معمولی انقلاب سا پیدا ہو گیا، اور ایک ایسی کیفیت تھی جس کی تعبیر ناممکن ہے ہر شخص اپنے خیال کے مطابق ایک رائے قائم کرتا تھا۔

اکبر پر یہ کس قسم کا حال طاری ہوا تھا۔ ملا صاحب تو "الغیب عند اللہ" کہہ کر نکل گئے لیکن آگے چل کر خود ہی لکھتے ہیں کہ۔

ایں خبر در شرق رویہ ہند شہرت یافتہ ساراجیف عجیب و اکاذیب غریب در افواہ عوام افتاد

ہندوستان کے مشرقی علاقوں میں بادشاہ کی اس کیفیت کے متعلق طرح طرح کی گپیں اور بیہودہ باتیں مشہور ہو گئیں۔

بہ ظاہر دعوی اور کتاب کے متعلق جو بعض خبریں مشہور ہیں۔ وہ ان ہی "اراجیف" و "اکاذیب" پر مبنی ہیں۔ اتنا تو ثابت ہے کہ اس درخت کو "مقدس" قرار دیا گیا۔ اور "طرح عمارت عالی و باغ وسیع در آنجا۔ انداختند" و زر بسیار بفقرا، و مساکین دادہ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ "موئے سر را قصر کردند" کون کہہ سکتا ہے کہ یہ گیا کے "بودھی ٹری" کی نقل نہ تھی، کیا اکبر کو پیپل کے اس درخت کی خبر نہ تھی۔ جس کے نیچے ہندوستان کے مشہور ربانی

مذہب "بدھا" کے ساتھ کچھ اسی قسم کا واقعہ پیش آیا تھا، لیکن باوجود "عمارت عالی، ود ماغ وسیع" کے

ملا شہری نے سچ کہا تھا۔ اے لباآور د کہ خاک شدہ

شورش مغز است اگر ور خاطر آر د جا بلے کز خلائق مہر پیغمبر جدا خواہد شدن

بہرحال جہاں تک میرے محدود معلومات کا تعلق ہے۔ اکبر نے نبوت کا صریح اور صاف دعویٰ کبھی نہیں کیا جس کی شہادت ملا صاحب بھی دیتے ہیں، لیکن ایک کوئی "تاج العارفین تھے وہ۔

انسان کامل را عبارت از خلیفۃ الزماں	انسان کامل خلیفۃ الزمان کو قرار دیتے تھے
داشتہ و تعبیر آں بذات اقدس نمودہ اکثر	اور اکبر کی ذات کو اس مصداق ٹھہرا کر اس کو
عین واجب دلا اقل عکس ان فہمانیدہ ص	بجنسہٖ خدا یا کم از کم خدا کا عکس ہونا سمجھانے تھے

لیکن پھر بھی جو بات "نبی" بنتے میں حاصل ہو سکتی تھی۔ عین واجب بننے میں وہ لطف نہ تھا۔

تاج العارفین کا جس طبقہ سے تعلق تھا۔ اس میں "بادشاہ" تو خیر ایک چیز بھی ہے، ہر فقیر گداگر "انا الحق" کا نعرہ لگا سکتا تھا اور اسی لیے اس کو کوئی اہمیت بھی نہیں دی گئی۔

القصہ اس سلسلہ میں دوسروں کے بیان سے نہیں بلکہ خود ملا صاحب ہی کی دوسری عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ الف ثانی اور "تحریف اسلام" "مساوات ادیان" ان تینوں نظریات کو طے کرتے کے بعد۔

نماز و روزہ و جمیع نبوات را تقلیدات	نماز روزہ اور وہ ساری چیزیں جن کا
نام نہادند یعنی غیر معقول و مدار دین بر عقل	نبوت سے تعلق ہے، ان کا نام "تقلیدات" رکھا
گذاشتند نہ نقل ص ۲۱۱	گیا۔ یعنی سب بدعقلی کی باتیں ٹھہرائی گئیں اور
	مذہب کی بنیاد "عقل" پر رکھی گئی۔ نہ نقل پر۔

ایک اور موقعہ پر نقل کرتے ہیں کہ جب کسی شرعی مسئلہ کا ذکر ہوتا تو اس وقت بادشاہ یہ کہا کرتے تھے:-

ایں راز ملا بایہ پرسید و چیزے	اس کو ملاؤں سے پوچھو، البتہ ایسی چیز جس کا

تعلق عقل و حکمت دار داز من ۲۰۸ کہ تعلق بہ عقل و حکمت سے ہو وہ مجھ سے دریافت کرو

لیکن "عقل" کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس "جدید دین" کے تمام اصول و فروغ سب براہ راست "عقل" سے پیدا کیے جاتے تھے۔ بلکہ صورت یہ اختیار کی گئی کہ پہلے تو "مساوات ادیان" کا دعویٰ کیا گیا۔ گویا کسی دین کو کسی دوسرے دین پر ترجیح نہ دی جائے"۔ لیکن مذاہب میں جو تضاد و تناقض ہے یہ "نظریہ مساوات" پر اس کا نباہنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال تھا۔ اس لیے ترجیح کے لیے "عقل" میزان ٹھہرائی گئی۔ اور ممکنہ حد تک تمام مذاہب کے علماء و ماہرین جمع کرنے کی کوشش کی گئی اور ہر ایک سے اس کے مذہب کے معلومات حاصل کیے جاتے تھے۔ مسلمان اور ہندو تو دربار میں موجود ہی تھے۔ ان دو کے علاوہ اس وقت تک اس ملک میں یورو پین صلیبیوں کی بھی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ جیسا کہ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ عموماً یہ لوگ ساحلی علاقوں میں بحری قزاقوں کی حیثیت سے منڈلاتے رہتے تھے۔ اور اندرون ملک میں ان کا داخلہ غالباً اس وقت بحیثیت بازی گروں کے ہوتا تھا۔ کیوں کہ ملا صاحب نے ان کا اپنی کتاب میں جہاں کہیں تذکرہ کیا ہے اس میں زیادہ تر یہی ہے کہ جشن نوروز میں فرنگیوں کی بھی ایک ٹولی شریک ہوئی اس نے ارغنون نامی باجہ بجا کر لوگوں کو متحیر کیا غالباً پیانو یا ہارمونیم تھا۔ کبھی بیلوں اڑا کر تماشے دکھاتے تھے الغرض اکبری عہد تک ان کی حیثیت بہ ظاہر بازی گروں ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ بعد کو انھوں نے سوداگروں کا بھیس بدلا اور آخر میں جو کچھ ہو کر رہا وہ تو سب کے سامنے ہی ہے تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء" کی حقیقی تفسیر میں کتابوں میں نہیں بلکہ صحیفہ فطرت کے اوراق میں ہمیشہ یوں ہی لکھی جاتی ہیں۔ خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ قصہ یہ ہو رہا تھا کہ اکبری دربار میں مختلف ارباب مذاہب کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے دھکنے لگیں ہر ایک اپنے اپنے مذہب کو دربار میں پیش کرتا جن میں ایک۔

دانایان مرتاض ملک افرنجہ کہ ایشاں	ملک فرنگ کے مرتاض دانشمندوں کا بھی
را پادھری و مجتہد ایشاں را پاپا می گوئند	گروہ تھا ان لوگوں کو پادھری کہتے ہیں، اور ان کے
انجیل اور دہ بہ ثالث دلائل گذرا ابتدہ و	بڑے مجتہد کا نام پاپا ہے۔ ان لوگوں نے انجیل

حقیقت نصرانیت اثبات کردہ ص" — پیش کی" اور ثالث ثلثہ" کے متعلق دلائل پیش کیے اور نصرانیت کو حق ثابت کیا۔

ابو الفضل کو حکم دیا گیا کہ انجیل کا ترجمہ ان پادریوں سے پوچھ پوچھ کر کریں یہی ترجمہ تھا جس کا بجائے بسم اللہ کے اے نام تو ژژو کرستو + سے آغاز کیا گیا تھا۔

اسی طرح۔

آتش پرستان کہ از شہر نوساری ولایت گجرات آمدہ بودند دین زردشت را حق نمودند و تعظیم آتش را عبادت عظیم می گفتند و بجانب خود کشیدہ از اصطلاح و راہ کیانیاں واقف ساختند

ولایت گجرات کے شہر نوساری سے آتش پرست بھی آئے انہوں نے زردشت کے دین کی حقیقت ثابت کی، یہ لوگ آگ کی تعظیم کو بڑی عبادت خیال کرتے ہیں انہوں نے بادشاہ کو اپنے جانب مائل کرنے کی کوشش کی اور کیانی بادشاہوں کے رسم و رواج سے واقف کیا۔

ان کے متعلق بھی ابو الفضل ہی کو حکم دیا گیا کہ۔

آتش را باہتمام شیخ ابو الفضل بروش ملوک عجم کہ آتش ایشان ہمہ برپائے بود دائم الاوقات وچہ در شب وچہ در روز در محل نگاہ می داشتہ باشند ص"

شیخ ابو الفضل کی نگرانی میں حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ رات دن شاہی محل میں آگ کے روشن رکھنے کا انتظام کیا جائے

ان کے سوا اور جو تاریکیاں تھیں وہ تو چراغ ہی کے نیچے تھیں۔ ہندو مذہب کے تمام فرقے اور اسلام کے بھی مختلف العقائد گروہ دربار میں موجود تھے۔ ابتداً سب سے پوچھا جاتا تھا۔ اور ہر مذہب والے کی رائے دریافت کی جاتی تھی۔ جیسا کہ ملا صاحب کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

اصناف دانایان از ہر دیار وارباب ادیان و مذاہب بدربار جمع شدہ بشرف ہمزبانی مخصوص بودند بعد از تحقیق و تفتیش

ہر ملک سے ہر قسم کے دانشمند اور مختلف مذاہب و ادیان کے لوگ دربار میں جمع ہو کر بادشاہ کی ہمکلامی سے شرف یاب ہوتے تھے

کہ شب و روز شیوہ و پیشہ غیر ازاں نداشتند ص ۲۵۶

تحقیق و تلاش جس کے سوا بادشاہ کا رات دن میں کوئی مشغلہ نہ تھا اس میں مشغول رہتے۔

لیکن یہ ساری تعمیر جو ہو رہی تھی ظاہر ہے کہ ایک مستقل مذہبی نظام "کی تخریب و تکذیب کے بعد ہو رہی تھی ممکن ہے کہ ابتداءً اس عمارت منہدمہ کی چیزوں سے بھی اس جدید عمارت کی تیاری میں کام لیا جاتا ہو۔ لیکن حالات نے یہ تدریج کروٹ لینا شروع کیا، اور نوبت آخر میں یہاں تک پہنچی کہ۔

ہر ُغم اسلام ہر حکمے کہ ارباب ادیان دیگر بیاں می کردند آں را نص قاطع شمردند بخلاف دین ملت (اسلام)، کہ ہمہ ان نامعقول و حادث و واضع اں فقرائے عرباں ص گ

اسلام کی ضد اور اس کے توڑ پر ہر وہ حکم جو کسی دوسرے مذہب کا ہوتا اوس کو بادشاہ نص قاطع اور قطعی دلیل خیال کرتے تھے۔ بخلاف اسلامی ملّت کے کہ اس کی ساری باتیں مہمل اور نامعقول نوپیدا، عرب کے مفلسوں کی گڑھی ہوئی چیزیں خیال کی جاتیں۔

اس لیے اب سلسلہ تحقیقات میں "اسلام" کا نام نسخہ سے کاٹ دیا گیا۔ اور آخری طریقہ کار یہ رہ گیا۔

ہر چہ خوش می آمد از ہر کس غیر از مسلمانان التقاط و انتخاب نمودہ از انچہ نامرضی طبع و خلاف خواہش بود احتراز و اجتناب لازم می دانستند ص ۲۵۶

مسلمانوں کے سوا جس شخص کی جو بات پسند آجاتی تھی اس کا انتخاب کر لیا جاتا تھا اور جو باتیں ناپسندیدہ اور بادشاہ کی خواہش کے خلاف ہوتی تھیں ان سے احتراز اور پرہیز کو ضروری خیال کرتے تھے۔

اس معاملہ میں اکبر کی رفتار جس نقطہ پر پہنچ کر، ہی ملا صاحب ہی اس کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں:۔

بعد از پنج و شش سال اثرے از اسلام نماند و قضیہ منعکس شد ص ۲۵۵

پانچ چھ سال کے بعد اسلام کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور بات بالکل الٹ گئی

اور یوں "مساوات مذاہب" "ترجیح بلا مرجح" رواداری انصاف کا سارا دعویٰ انتہائی تعصب کی شکل میں بدل گیا اور جب کبھی جس ملک اور قوم میں اس قسم کے دعاوی کا اعلان کیا گیا ہے اس کا آخری انجام یہی ہوا ہے۔ ملا صاحب کی عینی شہادت ہے کہ۔ روادار اکبر، "صلح کل" والے اکبر کی ذہنیت کا آخری حال یہ تھا۔

ہر کرانہ بروفق اعتقاد خویش می یافتند کشتنی و مردود و مطرود و ابدی می دانستند و نام وے فقیہہ ماندند ص ۳۲۹

جس کسی کو اپنے اعتقاد کے موافق نہ پاتے تھے وہ بادشاہ کے نزدیک کشتنی اور پھٹکارا ہوا، شمار ہوتا تھا۔ اور اس کا نام "فقیہ" رکھ دیا جاتا تھا۔

اور ملا صاحب کے سامنے۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

حالانکہ اس میں کوئی بوالعجبی نہیں ہے۔ ہمیشہ ارتداد و الحاد کی بنیاد "رواداری" کے نرم و دلکش دعویٰ پر قائم کی جاتی ہے۔ لیکن اس مسلک کے سلوک کی آخری منزل وہی ہے جہاں بالآخر اکبر پہنچ گیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ اب یہ قاعدہ مقرر کر دیا گیا کہ اسلام کے سوا تمام دوسرے مذاہب کے اصول و فروع کا مطالعہ کیا جائے اور ترجیح و عمل کا ذریعہ عقل کے فیصلہ کو ٹھہرایا گیا۔ جیسا کہ ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوا کہ خود اکبر شب و روز اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہتا تھا۔ لیکن اکیلے کہاں تک خود کام کر سکتا تھا۔ اور متفرق طور پر مختلف لوگوں کی کوششوں سے بھی کسی مستقل "نظام" کی تکوین ناممکن تھی اور وہی کمیٹی و انجمن جس کے متعلق لوگوں کا خیال ہے کہ یورپ کے عہد تجدید کا نتیجہ ہے۔ لیکن ملا صاحب فرماتے ہیں کہ اکبر مذہب کو بھی ریزولیشن کے خراد پر چڑھا کر رہا۔ چالیس آدمیوں کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی اور۔

حکم کردند کہ از مقربان چہل کس بودند چہل تن بہ نشینند و ہر کس ہر چہ داند گو ید و ہر چہ خواہد پرسد ص ۳۰۵

بادشاہ نے حکم صادر کیا کہ چہل تن کے حساب سے خاص خاص لوگوں میں سے جن کو بادشاہ سے قرب حاصل تھا چالیس آدمی ایک جگہ بیٹھا کریں

اور اس مجلس میں جو شخص جو کچھ جانتا ہو اس کا اظہار
کرے اور جس قسم کے سوالات کرانا چاہتا
ہو کرے

چہل تن کی اس مجلس میں مسائل پیش ہوتے تھے اور پھر عقل سے اس کا فیصلہ کیا جاتا تھا البتہ اس کمیٹی کی یہ ایک خصوصیت بھی تھی کہ اسلامی عقائد و اعمال کے متعلق۔

شبہات گوناگوں بہ تمسخر و استہزا در	طرح طرح کے شبہے ہنسی مذاق کی شکل میں
آوردہ اگر کسے در معرض جواب شد جواب	کیے جاتے اور اگر کوئی بیچارہ جواب دینے کا
ہمہ منع بود ص ۲۰۳۔	ارادہ کرتا تو جواب سے روک دیا جاتا۔

آزاد کمیٹیوں کا یہ عارضہ گویا پایا عارضہ نہیں ہے سب کچھ بول سکتے ہو اور کچھ نہیں بول سکتے اس ناقص کا کتنا اچھا ثبوت آج بھی قومی اور حکومتی مجلسوں میں ملتا رہتا ہے۔ یہ مغل اکبر دی گریٹ کی مسلمہ رواداری اور بچارے اکبر کو کیا کہا جائے۔ آج بھی مسلک ”صلح کل“ رواداری کے مدعیوں کا جو تجربہ ہو رہا ہے کیا اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ لیکن سب کچھ سننے اور سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی جو سننا نہ چاہتے ہوں اور دیکھنے سے آنکھیں میچتے ہوں ان سے کیا کہیے کہ بہت جلد ہی خود ان کو۔

لو کنا نسمع او نعقل ما کنا	اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ
فی اصحاب السعیر۔	ہوتے۔

کہنا ہی پڑے گا۔ بہرحال یوں ”اسلام“ کے سوا دیگر ادیان و مذاہب کے عناصر کا انتخاب کیا جانا اور اس ذریعہ سے ”دین الٰہی“ کی تعمیر ہو رہی تھی اس ذیل میں یہ واقعہ ہے کہ پیش شدہ مذاہب میں سے سب ہی سے کچھ نہ کچھ لیا جاتا تھا۔ مثلاً عیسائیوں سے بقول ملا صاحب

نواختن ناقوس نصاریٰ و تماشائے	نصاریٰ سے گھنٹہ بجاتے اور ”ثالث
صورت ثالث ثلثہ و بلبلان کہ خوش گاہ،	ثلثہ“ (باپ بیٹا روح القدس) کی صورت دیکھنا
ایشان ست۔ و سائر لہو و لعب وظیفہ شد	اور بلبلان جوان لوگوں کی خوش گاہ کا نام ہے،
ص ۲۰۴	اور ایسی ہی دوسری کھیل کود کی باتیں بادشاہ

کے وظیفہ میں داخل ہوگئیں۔

واللہ اعلم بالصواب "بلبلان" کیا چیز ہے؟ "خوش گاہ ایشان ست" سے جو تفسیر کی گئی ہے بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "بال گھر" وغیرہ کا یہ کوئی بگڑا ہوا تلفظ ہے۔ اسی طرح ملا صاحب نے جہاں یہ لکھا ہے کہ "مدار دین بر عقل گذاشتند" اسی کے بعد ان کا یہ فقرہ ہے کہ:۔

آمد و رفت فرنگیان نیز شد و بعضے اعتقادیات عقلی ایشاں را فرا گرفتند ص ۲۱۲	فرنگیوں کی آمد و رفت بھی شروع ہوگئی تھی، اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کیے۔

اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ "حسن عقلیت" کی آندھی کے متعلق لوگوں کا خیال ہے مغربی تسلط کے بعد ہندوستان میں آئی۔ در اصل وہ اس سے دور دراز ہی پیش نز دھمک چکی تھی شاید وحی و نبوت معجزات کرامات وغیرہ کے انکار کی بنیاد "آمد و رفت فرنگیاں" پر ہی مبنی ہو۔ گو یا ریشنلزم و عقلیت جسے خود اب یورپ کے ایگناسٹک (ارتیابی) سراسر بد عقلی قرار دے چکے ہیں ہندوستان کے لیے یورپ کا یہ تحفہ کوئی جدید تحفہ نہیں ہے۔ مغربی فلسفہ کی تاریخ پڑھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی زمانہ تھا کہ جب کیتھولک مظالم سے تنگ آکر کمزور اعصاب والوں کا غضبناک گروہ یورپ میں پیدا ہو کر سرے سے "مذہبی بنیادوں" پر جا و بیجا طریقہ سے پیہم حملے کر رہا تھا۔ اور نادانی سے اس عہد کے لوگوں نے منافرت کی اس پیداوار کا نام فلسفہ رکھ دیا تھا۔

اسی طرح پارسیوں کی بھی بعض باتیں قبول کی گئی تھیں، اور جیسا کہ گذر چکا شاہی محل میں انہیں کے مشورے سے ایک "دوامی آتشکدہ" بھی علامی ابو الفضل کی نگرانی میں قائم کر دیا گیا تھا۔ ملا صاحب نے لکھا ہے کہ آگ "آیتے ست از آیات خدا و نوریست از انوار وے" قرار دی گئی تھی اور ہون کی رسم جو پارسیوں سے پہلے بھی شاہی محل میں "دختران راجہائے ہند" کی وجہ سے انجام دی جاتی تھی، اس میں اس آتشکدہ کے قیام سے اور اضافہ ہوگیا خود بادشاہ علانیہ آتش پرستی کرتا تھا۔ اور۔

مقربان نیز در وقت افروختن شمع و چراغ قیام لازم می ساختند

اور بادشاہ کے مقربین بھی شمع اور چراغ کے روشن ہونے کے وقت قیام کرنا اپنے لیے فرض قرار دئے ہوئے تھے۔

یہ تھے وہ اجزار جو نصرانیوں، اور مجوسیوں کے دین سے اس "جدید مذہب" میں شریک کیے گئے تھے لیکن سچ یہ ہے کہ سب سے زیادہ "اس دین" پر جس مذہب کا اثر پڑا تھا، وہ وہی مذہب تھا جس کو ہندی قومیت کی تعمیر کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اثر انداز ہونا قدرتی طور پر ضروری تھا یوں تو اس مذہب کے علما اور پیڑوں سے دربار بھرا ہوا تھا اور جیسا کہ ملّا صاحب کا بیان ہے کہ بادشاہ کو۔

از صغر سن باز بطوائف مختلف از براہمہ و باد فروشان و سائر اصناف ہندواں ربطے خاص والتفاتے تمام است۔ ص ۱۶۱

بادشاہ کو بچپن ہی سے ہندوستان کی مختلف قوموں مثلاً برہمنوں سے بھاٹوں سے اور ازیں قبیل دوسری ہندی جماعتوں سے خاص ربط اوران کی طرف فطری میلان تھا ماسوا اس کے،

دختران راجہائے عظیم ہند کہ خیلے بہ تصرف آوردہ بود ند تصرف در مزاج کردہ۔ ص

ہندوستان کے بڑے راجواڑوں کی لڑکیاں جنہیں بادشاہ اپنے تصرف میں لاچکا تھا ان عورتوں کو بھی بادشاہ کے مزاج میں خاصہ دخل ہو گیا تھا۔

اور اسی کے ساتھ کالپی کا ایک برہمن جس کا نام برہما داس تھا، اور جس کو پہلے "کب رائے" یعنی "ملک الشعرار" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا تھا اور بعد کو وہی بیربر (بہادر) کے نام سے مشہور ہوا، بادشاہ کے مزاج میں یہ بہت دخیل ہو گیا تھا۔ اکبر و بیربر کے تعلقات اس درجہ پر پہنچے ہوئے تھے کہ آج تک ان کے چرچوں سے ہندوستان کے گلی کوچے معمور ہیں۔

ملّا صاحب نے اگر اس کے متعلق یہ لکھا ہے، کہ بادشاہ سے اس کا تعلق "لحمک لحمی ودمک

دمی کا سا ہوگیا تھا تو اس میں کیا تعجب ہے ۔ اور آخر میں اسی بیربر کی سفارش سے ایک بڑا فلسفی برہمن جس کا نام دیوی تھا بادشاہ کے قرب سے معزز ہوا ۔ بتدریج اس برہمن کا اثر اکبر پر یہاں تک پڑا کہ رات کو بھی جب شاہی خواب گاہ میں چلا جاتا تھا ، دیوی برہمن سے ملنے کے لیے بے چین رہتا تھا ۔ معلوم نہیں کہ خاص اسی برہمن کے لیے یا کسی اور وجہ سے اکبر نے ایک لفٹ (جھولا) تیار کیا تھا ، جس پر بیٹھنے والا بیٹھ جاتا ، اور اوپر کھینچ لیا جاتا تھا ۔ جہاں وہ خاص شاہی خواب گاہ میں پہنچ جاتا تھا ۔ ملا صاحب لکھتے ہیں :-

چندگاہے دیوی برہمن کہ از معبران مہابھارت بود برچارپائی نشانیدہ و بالاکشیدہ نزدیک بقصرے کہ آں را خواب گاہ ساختہ بودند معلق داشتہ ازوے اسرار و افسانہائے ہندی و طرق عبادات اصنام و آتش و آفتاب و تعظیم کواکب و احترام اساطین کفر از برہما مہادیو و بشن و کشن و مہامائی شنیدہ باں جانب گرائیدند

ص ۲۵۸

ایک زمانہ تک دیوی برہمن جو مہابھارت کی کتھا کہنے والا تھا اس کو چارپائی پر اوپر کھینچ لیا جاتا تھا جو اس قصر کے پاس تھا جس کو بادشاہ نے اپنی خوابگاہ میں بنایا تھا اور اس سے ہندوستانی قصے اور اس کے اسرار نیز بتوں کے آفتاب کے آگ کے پوجنے کے طریقے ستاروں کی تعظیم کے آداب کا فروں کے جو بڑے لوگ گذرے ہیں مثلاً برہما ، مہادیو ، بشن ، کشن ، مہامائی وغیرہ کے احترام کی ستوریں سنتا اور پھر ان کی جانب مائل ہوتا ۔ ان کو قبول کرتا ۔

اسی طرح پرکوتم نامی برہمن بھی بادشاہ سے بہت زیادہ ہل مل گیا تھا ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیادہ تر " دین اکبری " میں ان ہی لوگوں کے عقائد و اعمال رسوم و طریقوں کو جگہ ملی ۔

دین الٰہی کے عناصر

اگرچہ ایک " مستقل نظام مذہبی " کا تفصیلی تذکرہ اس مختصر سے مضمون میں ناممکن ہے لیکن بہ طور نمونہ کے بعض نمایاں اجزا کا ذکر بھی آئندہ " مقصد " کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے ضروری ہے ۔

یہ تو معلوم ہو چکا کہ سلبی طور پر اسلامی عقائد و عبادات و اعمال و رسوم کا بتدریج خاتمہ ہو چکا تھا، لیکن ان کی جگہ جو چیزیں اس حد ید دین میں ابھری گئیں ان میں ممتاز چیزیں یہ ہیں۔

عبادت میں بجائے توحید کے شرک صریح | کسی تاویل و توجیہ کی پناہ میں نہیں، بلکہ علانیہ اس باب میں اکبر کا جو مسلک تھا، ملا صاحب ہی سے اس کو سننا چاہیے۔

عبادت آفتاب را روزے چہار وقت کہ سحر و شام نیم روز و نیم شب باشد لازم گرفتند، و ہزار و یک نام ہندی آفتاب را وظیفہ ساختہ نیم روز متوجہ آں شدہ بحضور دل مے خواندند و ہر دو گوش گرفتہ و چرخے زدہ مشتہا بر بناگوش کوفتہ حرکاتے دیگر نیز ازیں قبیل بسیار بود، و قشقہ کشیدند و نوبت و نقارہ یکے در نیم شب و یکے در وقت طلوع قرار یافت

ص ۳۲۲

آفتاب کی عبادت دن میں چار وقت یعنی صبح و شام دوپہر آدھی رات میں لازمی طور پر کرتے تھے، اور ایک ہزار ایک آفتاب کے ہندی ناموں کو اپنا وظیفہ بنایا تھا، ٹھیک دوپہر کو آفتاب کی طرف متوجہ ہو کر حضور قلب کے ساتھ ان ناموں کو پڑھا کرتے تھے، اور اپنے دونوں کانوں کو پکڑ کر بادشاہ ایک چرخ کھاتا اور کانوں سے لو پر مکے لگاتا اور اسی قسم کی دوسری حرکات بہت سی بادشاہ سے صادر ہوتی تھیں، وہ قشقہ بھی لگاتے تھے اور آدھی رات کو ایک دفعہ، پھر طلوع آفتاب کے وقت دوسری دفعہ روزانہ نوبت و نقارہ بھی مقرر کیا تھا۔

یہ قاعدہ مقرر تھا کہ جب آفتاب کا ذکر کیا جائے (العیاذ باللہ) اس وقت جلت قدرتہ کہا جائے اور ایک بیچارہ آفتاب ہی کیا۔

ہم چنیں آتش و آب و سنگ و درخت و سائر مظاہر روزگار تا گاؤ و سرگین آں نیز و قشقہ و زنار را جلوہ داد و دعار تسخیر آفتاب کہ ہنداں تعلیم دادہ بودند بہ طریق در دو در نیم شب و

اسی طرح آگ، پانی، درخت، اور تمام مظاہر فطرت حتی کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجتا تھا اور قشقہ خصوصاً سے اپنے بدن کو آراستہ کرتا اور آفتاب کے مسخر کرنے کی دعا جس کی تعلیم ہندوؤں

وقت طلوع خواند گرفتند ص۲۶۱ — نے دی تھی "ورد" کے طور پر آدھی رات کو اور طلوع آفتاب کے وقت پڑھا کرتا تھا۔

اور صرف عبادت ہی نہیں کی جاتی تھی، بلکہ ربوبیت میں بھی اس کو شریک ٹھیرایا گیا تھا کہ :-

"آفتاب نیر اعظم و عطیہ بخش تمام عالم و مربی بادشاہان و پادشاہان مروج او یند ص" — آفتاب نیر اعظم ہے اور سارے عالم کو وہ داد و دہش کرتا ہے، بادشاہوں کا مربی و سرپرست سورج ہی ہے، اور سلاطین اس کو رواج دلانے والے ہیں

کواکب پرستی میں غلو اس قدر بڑھ گیا تھا کہ :-

لباس را موافق رنگ از سبع سیارہ کہ ہر روزے بکوکبے منسوب است ساختند ص — بادشاہ اپنے لباس کا رنگ سات ستاروں کے رنگ کے مطابق رکھتے تھے، چونکہ ہر دن کسی سیارہ کے ساتھ منسوب ہے (اس لیے ہر دن کے لباس کا رنگ جداگانہ مطابق رنگ سیارہ ہوتا)

مور کے متعلق بھی ہندوؤں نے باور کرایا تھا کہ :-

"خوراک ازاں وہ مظہر ست کہ حق تعالیٰ دراں حلول کردہ (العیاذ باللہ)"

"مبداء و معاد" جن پر مذاہب کی بنیاد قائم ہے، اس میں مبداء کے متعلق تو یہ عقیدہ قرار دیا گیا، اب رہا معاد یعنی "بعد مردن" کے متعلق جدید دین میں۔

در مذہب تناسخیہ رسوخ قدم حاصل شدہ ص۲۵۸ — تناسخ کے عقیدہ میں بڑی پختگی پیدا ہو گئی تھی۔

اعظم خاں گورنر بنگال جب دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا۔

"ما دلائل قطعی بر حقیقت تناسخ یافتہ ایم شیخ ابوالفضل خاطر نشاں شما خواہد کرد"

ص۳۰۰ :-

اس مسئلہ کے متعلق خوش اعتقادی یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ برہمنوں کے مشورہ سے بادشاہ صرف سر کے بیچ کے بال منڈوایا کرتے تھے۔ اور چاروں طرف کناروں کے بال چھوڑ دیے جاتے تھے۔ عقیدہ یہ تھا کہ چونکہ بادشاہ کی روح کامل ہو چکی ہے اور

روح کاملِ مکملاں از راہ ہامہ کہ منفذ دہم ست خروج میکند دراں وقت آوازے مثل صاعقہ میکند وآں دلیل سعادت و نجات میت است از گناہان و علامت حلول روح است بمذہب تناسخ در بدن بادشاہے ذی شوکتے صاحب اقتدارے نافذ الامرے ۳۲۵

اور کامل مکمل لوگوں کی روح کھوپڑی (زنالو) کی راہ سے نکلا کرتی ہے جو دس سوراخوں (یعنی بدن کے سوراخوں میں سے دسواں سوراخ ہے جس وقت کاملوں کی روح کھوپڑی سے نکلتی ہے اس وقت ایک کڑاکے کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ آواز روح کی سعادت و نجات کی دلیل ہوتی ہے، اور یہ کہ مردہ کو گناہوں سے نجات ہوگئی (شاید جلنے کے وقت آخر میں جو مردوں کی کھوپڑی پھٹتی ہے اور اس وقت ایک سخت آواز قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے برہمنوں نے اسی کو نجات کی دلیل بنا لیا ہوگا) بہرحال اس آواز کو یہ لوگ اس کی دلیل بھی قرار دیتے تھے کہ ایسے آدمی کی روح کسی صاحب شوکت با اقتدار مطلق العنان بادشاہ کے بدن میں جنم لیتی ہے۔

گویا اس طریقہ سے بادشاہ کو یقین تھا کہ مرنے کے بعد پھر کسی دوسرے تخت پر اسی شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر ہوں گے۔ اگرچہ بعض برہمنوں نے تو یہ بھی باور کرا دیا تھا کہ اکبری عہد (الف ثانی) سے چونکہ بجائے قمر کے زحل کا عمل و دخل شروع ہوگیا ہے اس لیے عمر کی کمی جو دورہ قمر کا نتیجہ تھی اب نہ ہوگی۔ دورہ زحل کے متعلق خیال تھا کہ "مجدد اطوار ادوار، و مورث طول اعمار است" الغرض پہلے تو موت ہی کے خیال کو ایک دور دراز زمانہ تک ملتوی کر دیا گیا۔ اور اس کے بعد بھی یقین دلایا گیا کہ آئندہ بھی بادشاہ کی روح کسی ایسے ہی بادشاہ کے جون میں حلول کرے گی جیسا کہ وہ خود تھا، ان باتوں سے تناسخ پر اس کے قدم کو راسخ کر دیا تھا۔

ملا عبد القادر لکھتے ہیں کہ:۔

ایک دفعہ مہابھارت کے ترجمہ میں بے ساختہ ایک قصہ کے ذکر میں میرے قلم سے یہ مصرعہ نکل گیا تھا ع۔

ہر عمل اجرے و ہر کردہ جزائے دارد

بادشاہ نے جس وقت یہ مصرعہ سنا، بگڑ گیا کہ اس مصرعہ کو

این معنی را حمل بر سوال منکر نکیر و حشر و نشر و حساب و میزان وغیرہ آں نمودہ مخالف قرارداد خویش کہ بغیر تناسخ ہیچ چیز قائل نیستند۔ صفحہ ۲۰۸

بادشاہ نے منکر نکیر کے سوال، حشر و نشر حساب و میزان وغیرہ کی طرف اشارہ خیال کیا، اور ان ہی پر اس مصرعہ کو محمول کیا، اور اس کو اپنے اس تناسخ کے عقیدے کے مخالف قرار دیا جس کے سواوہ کسی چیز کا قائل نہ تھا۔

ملا بیچارے کی خیر نہیں تھی، بارے ترجمہ کے حیلے سے رہائی ملی، اعتقاد کے یہی وہ اہم جز تھے اور اکبر کا اس میں یہ حال تھا۔

یہ عقائد و عبادات تھے جو بادشاہ کرتا تھا،

اور ستم ظریفی یہ تھی کہ باایں ہمہ شرک اس مذہب کا نام

"یہ توحید الٰہی" موسوم ساختند صفحہ ۳۲۵

"توحید الٰہی کے نام سے اس مذہب کو موسوم کیا گیا تھا"

مریدوں سے باضابطہ اس دین میں داخل ہونے کے متعلق بیعت لی جاتی تھی۔ سب سے پہلے جو کلمہ پڑھایا جاتا تھا، وہ جیسا کہ ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

قرار دادند کہ بہ کلمہ 'لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ'، علانیہ تکلیف نمایند۔ صفحہ ۲۷۳

حکم تھا کہ 'لا الہ الا اللہ' کے ساتھ 'اکبر خلیفۃ اللہ' کہنے پر لوگوں کے ساتھ اصرار کیا جائے اور اس کا ان کو مکلف ٹھیرایا جائے۔

بلکہ اس قول سے تو معلوم ہوتا ہے کہ محض مریدوں ہی تک یہ بات محدود نہ تھی بلکہ عام رعایا کو بھی اس کے کہنے پر قانونی حیثیت سے مجبور کیا جاتا تھا۔

بہر حال جو لوگ اس دین میں داخل ہوتے تھے۔ ان کو گذشتہ بالا کلمہ کے ساتھ حسب ذیل معاہدہ نامہ کا اقرار کرنا پڑتا تھا ملا صاحب نے اس معاہدہ نامہ کو بجنسہ نقل کر دیا ہے۔

منکہ فلاں بن فلاں باشم بہ طوع و رغبت و شوق قلبی از دین اسلام مجازی و تقلیدی کہ از پدران دیدہ و شنیدہ بودم ابرا و تبرا نمودم و در دین الٰہی اکبر شاہی در آمدم و مراتب چہار گانہ اخلاص کہ ترک مال و ترک جان و ناموس و دین باشد قبول کردم ص

منکہ فلاں بن فلاں ہوں، اپنی خواہش و رغبت اور دلی شوق کے ساتھ دین اسلام مجازی، اور تقلیدی جو باپ دادوں سے سنا اور دیکھا تھا اس سے علیحدگی اور جدائی اختیار کرتا ہوں اور اکبر شاہی دین الٰہی میں داخل ہوتا ہوں، اور اس دین کے اخلاص کے چاروں مرتبوں یعنی ترک مال، ترک ناموس و عزت، ترک دین کو قبول کرتا ہوں۔

جو لوگ اس دین میں داخل ہوئے تھے ان کو "موافق اصطلاح جوگیاں چیلہ نامیدند" ص۳۲۵
اور خود یہ لوگ "جماعۃ را کہ مرید مے گرفتند الٰہیان مشہور بودند" ص۲۹۹

ان لوگوں کے لیے یہ دستور ٹھہرایا گیا تھا کہ:۔

اللہ اکبر عنوان نامہائے قرار یافت ص۳۶۱

اپنے خطوط کے سرناموں پر "اللہ اکبر" لکھا کریں

نیز بجائے "سلام" کے

مریداں چوں ہمدگر ملاقات بہ کنند یکے "اللہ اکبر" دیگرے جل جلالہ گوید۔ ص۳۵۶

مرید جب باہم ملتے جلتے تو ان میں ایک "اللہ اکبر" اور دوسرا "جل جلالہ" کہتا۔

مرید کرنے کا طریقہ یہ تھا،

ہر دوازدہ نفر نوبت بہ نوبت بہ مثل مرید شدہ موافقت در مشرب مذہب مے نمودند

بارہ بارہ آدمیوں کی ٹولی ٹولی نوبت بہ نوبت بادشاہ سے مرید ہوتی اور مشرب و مذہب میں یہ لوگ موافقت اختیار کرتے۔

ان کو "شجرہ" بھی دیا جاتا تھا لیکن وہ "شجرہ" کیا ہوتا تھا "حامیاں تجدد" کے لیے باعث رشک ہے ہائے۔

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

بجائے شجرہ شبیہے دادہ آں را علامت اخلاص مقدمہ رشد و دولت مے دانستند در غلافے مرصع پیچیدہ بالائے دستار مے گذاشتند۔ صـ۲۶۱

"شجرہ" کی جگہ بادشاہ کی ایک "شبیہ" (تصویر) مریدوں کو دی جاتی تھی، اس تصویر کو اخلاص کی علامت پختگی اور دولت و اقبال کا مقدمہ خیال کیا جاتا تھا ایک مرصع جواہر نگار غلاف میں اس تصویر کو رکھ کر یہ لوگ اپنی اپنی دستاروں پر لگاتے تھے،

علاوہ ان معبودوں کے جنہیں یہ پوجتا تھا، مریدوں کے لیے خود "بادشاہ" کی عبادت بھی "دین جدید" کے اہم ارکان میں شمار کی جاتی تھی، اس عبادت کا جو طریقہ تھا ملا صاحب لکھتے ہیں :-

ہر صباح در وقت عبادت شمس بجھروکہ تا طلعت مبارک نمے دیدند، مسواک و طعام و آب را ایشاں حرام بود و در ہر شبے صاحب حاجتے و نیاز مندے از ہندو مسلم و انواع طوائف مرد و زن صحیح وسقیم را آنجا بار عام بود و کار بارے طرفہ و ہنگامہ گرمی و ازدحامے عظیمے و ہمیں کہ از تسبیح ہزار و یک نام نیر اعظم فارغ شدہ از حجاب بر مے آمدند ایں جماعۃ در سجود مے افتادند۔

صـ۳۲۶

ہر صبح میں اس وقت بادشاہ جھروکہ میں آفتاب کی پوجا کرتا تھا ان مریدوں کی جب تک بادشاہ کے مبارک چہرہ پر نظر پڑتی تھی نہ تو یہ دتون کرتے تھے اور کھانا پانی ان پر اس وقت تک حرام تھا رات ہی کے وقت تھے، ہر شب میں حاجت و ضرورت والے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان عورتوں مردوں میں سے اچھے بیمار سب ہی طرح کے لوگوں کو اس جگہ آنے کی عام اجازت تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک بڑا ہنگامہ ایک بڑا میلہ روز لگ جاتا تھا بادشاہ جوں ہی آفتاب کے ایک ہزار ایک نام کے وظیفہ سے فارغ ہو کر پردہ سے باہر آتا سب کے سب ایک دفعہ سجدہ میں گر جاتے۔

الغرض بادشاہ تو ذرہ سے لے کر آفتاب تک ہر اس چیز کا پجاری بن گیا تھا جس میں نفع و ضرر کا پہلو کچھ بھی نمایاں ہوتا، اور بادشاہ کے مرید علاوہ ان معبودوں کے خود اپنے پیر کو بھی

پوجتے تھے اسی سجدہ کا نام "زمیں بوس" رکھا گیا تھا اس سلسلہ میں تاج العارفین صاحب کا صوفیانہ اغوا بھی شریک تھا، یہ مولنا زکریا اجودھنی کے صاحبزادے تھے۔ اور نزہتہ الارواح جو تصوف کی مشہور کتاب ہے اس پر شرح بھی لکھی تھی آپ ہی نے بادشاہ کو "علیمن واجب" لااتحل عکس واجب قرار دے کر

سجدہ برائے او تجویز کردہ آں را زمیں بوس نامید ند و رعائت ادب پادشاہ را فرض عین شمردہ روئے اور اکعبہ مرادات و قبلہ حاجات دانا نید ند و بعضے روایات مرجوبہ و عمل مریداں بعضے مشائخ ہند را دریں باب متمسک آوردند صـ ۲۵۹

بادشاہ کے لیے سجدہ کو جائز قرار دیا، اور اس کا نام "زمین بوس" رکھا گیا تھا، اور بادشاہ کے ادب کا خیال فرض ٹھیرایا گیا، اور بادشاہ کو مقاصد و مرادوں کا کعبہ اور اس کے چہرہ کو قبلہ حاجات مقرر کیا گیا، اور بعض کمزور روایتوں اور ہندوستان کے بعض صوفیوں کے طرز عمل سے اس دعویٰ کو ثابت کیا جاتا تھا۔

"زمین بوس" کا یہی طریقہ تھا، جو بعد میں بھی جاری رہا، حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دل کا زخم اسی مسئلہ کے منہ سے بالآخر پھوٹ پڑا تھا، جیسا کہ آئندہ ذکر آتا ہے اکبری عہد میں عوام ہی نہیں بلکہ خواص علماء بھی اس مشرکانہ فعل کے مرتکب ہوتے تھے ملا صاحب نے ایک عالم کی تصویر زمین بوس کے وقت کی کھینچی ہے فرماتے ہیں کہ یہ مولوی دربار میں جس وقت حاضر ہوا تو۔

گردن کج کورنش کردہ تا دیرے دست بستہ چشم پوشیدہ ایستادہ ماند بعد از مدتے چوں حکم نشستن فرمودند سجدہ بجا آوردہ دماند اشتر توک نشست۔ صـ ۲۷۴

گردن ٹیڑھی کرکے کورنش بجالایا، اور دیر تک ہاتھ جوڑے اور آنکھیں بند کیے کھڑا رہا دیر کے بعد جب اس کو بیٹھنے کا حکم ملا۔ تو فوراً سجدہ میں چلا گیا اور ایسے گھنڈے اونٹ کی مانند بیٹھ گیا۔

یہ حال عقائد و عبادات کا تھا ان کے ماسوا اور جو باتیں اس "دین" کے رسوم و عادات میں سے تھیں ان کا احاطہ نہ طویل ہے تاہم خروارے سے ایک "مشت" ہی پر کفایت کی

جاتی ہے۔

سود اور جوئے کی حلت ملا صاحب لکھتے ہیں:۔

ربوا و قمار حلال شد و دیگر محرمات برایں قیاس باید کرد و قمار خانہ در دربار بنا کردہ زر سے بسود بمقامراں از خزانہ مے دادند۔

سود اور جوا حلال کر دیا گیا تھا، اسی پر دوسری حرام چیزوں کو قیاس کر لینا چاہیے ایک "جوا گھر" خاص دربار میں بنایا گیا اور جواریوں کو شاہی خزانہ سے سودی قرض دیا جاتا تھا۔

شراب کی حلت فتویٰ دیا گیا کہ۔

شراب اگر بحیثیت رفاہیت بدنی بطریق اہل حکمت بخورند و فتنہ و فساد سے ازاں نزائد مباح باشد بخلاف مستی مفرط و اجتماع و غوغا کہ اگر ایں چنیں یا فتند سیاست بلیغ نمودند۔

شراب بدن کی اصلاح کے لیے طبی طور پر استعمال کی جا سکتی ہے، بشرطیکہ اس کے پینے سے کوئی فتنہ و فساد نہ پیدا ہو اس طرح شراب پینا جائز ہے، البتہ حد سے گذرا ہوا نشہ اور اس کی وجہ سے لوگوں کا جمع ہو کر شور و غوغا مچانا بادشاہ کو اگر اس کی خبر ہو جاتی تھی تو سخت دار و گیر کرتے تھے۔

اور جس طرح جوئے اور سود کی عملی شکل اختیار کی گئی تھی، بادشاہ نے خود ہی

دوکان شراب فروشی بر دربار باہتمام خاتون دربان کہ از نسل خمار است برپا کردہ نرخے معین نہادند

ایک دکان شراب فروشی کی بھی دربار ہی کے پاس دربان عورت جو شراب فروشوں کی نسل سے تھی اس کے اہتمام میں قائم کی تھی اور اس کے نرخ بھی خود ہی مقرر کیے تھے۔

گویا محکمہ "آبکاری" کی ہندوستان میں یہ پہلی بنیاد تھی، شراب کے مسئلہ میں بادشاہ کو جس قدر غلو تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ:۔

در مجالس نوروزی اکثرے علماء و صلحا بلکہ قاضی و مفتی را نیز در دادی قدح نوشی آوردند۔

کہ نوروز کی مجلسوں میں اکثر علماء و صلحا بلکہ قاضی و مفتی تک شراب نوشی کے میدان میں اتار دیے

جاتے تھے۔

"لنشاط" کی اس مجلس میں مختلف لوگوں کے نام سے جام تجویز کیے جاتے ہیں۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

ملک الشعراء (فیضی) مے گفتند کہ ایں پیالہ بکوری فقہا مے خوریم۔ | کہ ملک الشعراء فرمایا کرتے کہ یہ پیالہ میں فقہا کے "اندھا پن" کے نام سے پیتا ہوں

داڑھی کی درگت شراب کی حلت کے بعد "دین الٰہی" میں سب سے زیادہ زور جس چیز پر دیا جاتا تھا۔ وہ "ریش تراشی" کا مسئلہ تھا ملا صاحب کا بیان ہے کہ ابتدائً داڑھی منڈانے کا خیال "دختران راجہائے عظیم" کی بدولت پیدا ہوا اس کے بعد پھر کیا تھا اس خیال کی تائید میں عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل کا دریا بہا دیا گیا عقلی دلائل میں دل چسپ دلیل تو یہ تھی کہ۔

ریش از خصیتین آب مے خورد لہذا ہیچ خواجہ سرائے ریش ندارد در نگاہداشتن او چہ ثواب۔ | داڑھی کے بال کی سیرابی چونکہ خصیتین سے ہوتی ہے، اور ان ہی سے داڑھی پانی لیتی ہے اس کے رکھنے سے کیا ثواب ہو سکتا ہے۔

اور نقلی دلائل جو اس سلسلے میں پیش کیے گئے، ان میں بعض سننے کے قابل ہیں، ان ہی سے دوسری دلیلوں کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے فقہ کی کسی کتاب میں لکھا ہوا تھا۔ کہ داڑھی کو اس طرح نہیں ترشوانا چاہیے۔ جس طرح عراق کے بعض اوباش کرتے ہیں۔ اوباش کا ترجمہ عربی میں عصاۃ سے کیا گیا تھا۔ ہندو مسلمانوں کی صورت کو واحد نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش میں ایک مولوی صاحب نے عین کو قاف بنا دیا۔ اور شاہی دربار میں انہوں نے عبارت اس شکل میں پیش کی۔

کما یفعلہ قضاۃ العراق | جس طرح عراق کے قاضی منڈایا کرتے ہیں

دلیل یہ تھی کہ جب عراق کے قاضی داڑھی منڈاتے تھے، تو ہندوستان کے کیوں نہ منڈائیں ملا ابو سعید پانی پتی جو ملا امان کے بھتیجے تھے، ان کے پرانے مسودوں سے ایک حدیث بھی بارگاہ شاہی میں گزرانی گئی تھی جس کا ترجمہ ملا صاحب نے درج کیا ہے۔

پسر صحابی سترش در نظر آں حضرت صلی اللہ | ایک صحابی کے صاحبزادے داڑھی منڈائے ہوئے

میگذشتند که امرد بودند، اہل بہشت بایں ہیئت خواہند بود فرمود

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت والوں کی یہی صورت ہوگی۔

آخر میں "ریش تراشی" کے معاملہ میں اکبر کا جنون اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ "ریش تراشی بہ کلاش میکردند" بیچارے ملا صاحب نے اس کی تاریخ بھی لکھی

بہ گفتہ ریشہا بر باد دادہ منسدے چند

دربار اکبری کے بڑے بڑے فضلاء و علماء روزمرہ اپنی اپنی داڑھیاں بادشاہ کے قدموں پر نثار کرتے تھے۔

غسل جنابت ایک مسئلہ "دین جدید" کا یہ بھی تھا۔

فرضیت غسل جنابت مطلقاً ساقط شد کہ تخم آفرینش نیکان است بلکہ مناسب آن ست کہ اول غسل کنند بعد ازاں جماع۔

ناپاکی کی وجہ سے غسل کے فرض ہونے کا مسئلہ منسوخ کردیا گیا اس لیے کہ (منی) نیک لوگوں کی پیدائش کا تخم ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ پہلے آدمی غسل کرے بعد اس کے ہم بستر ہو۔

قانون نکاح اور سارد ا ایکٹ نکاح کے متعلق چند جدید قوانین نافذ کیے گئے ایک تو یہ کہ "دختر دخال را نکاح نکنند کہ میل کم شود" اور اسی کے ساتھ یہ بھی قانون بنایا گیا کہ ار۔

پسر را پیشتر از شانزدہ سالگی و دختر را از چہاردہ سالگی نکاح روا نہ باشد کہ فرزند ضعیف مے شود

سولہ سال سے پہلے لڑکوں کا چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح جائز نہ ہوگا اس لیے کہ بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں۔

گویا سارد ا ایکٹ کا نفاذ بھی اسی زمانہ میں ہوگیا تھا۔ ملا صاحب نے لکھا ہے، کہ مسلمانوں نے اس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کو عذر میں پیش کیا تھا، غنیمت ہے کہ اکبر نے صرف واقعہ کے انکار پر قناعت کی جیسا کہ لکھتے ہیں۔

قصہ زفاف صلی اللہ علیہ وسلم با صدیقہ را مطلق منکر بودند

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیقہ کی رخصتی کے بالکلیہ منکر تھے (یعنی عمر کی مشہور مدت

غلط ہے)

نکاح ہی کے سلسلہ کا ایک قانون یہ بھی تھا کہ "بیشتر از یک زن نکاح نہ کنند۔"

گویا تعدد ازدواج کا قصہ اسی وقت اٹھ چکا تھا، دلیل میں کہا جاتا کہ "خدا یکے وزن یکے۔"

یہ بھی حکم تھا کہ آٹھ عورت (جس کے ایام بند ہوں) نکاح نہیں کر سکتی، اسی طرح ایسی عورت جو مرد سے بارہ سال بڑی ہو، مرد اس کے ساتھ ہم بستری نہیں کر سکتا، سارڈا ایکٹ کی پیچیدگیاں ابھی سامنے نہیں ہیں چونکہ اس دور میں ابھی اس پر پورا عمل نہیں ہوا ہے ورنہ اکبر کے عہد میں اس کا جو انجام ہوا تھا، ملا صاحب بیان کرتے ہیں کہ حکم چونکہ یہ تھا کہ جب تک لڑکا اور لڑکی کا کوتوالی میں معائنہ نہ کرا لیا جائے اور عمر کا صداقت نامہ نہ حاصل کر لیا جائے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا نتیجہ اس کا یہ ہوا۔

بایں تقریب خیلے منافع و فوائد بعہدہ داران خصوصاً کسان کوتوال و خانوے کلال و سائر عوانان ارذال بیروں از وہم و خیال عائد گردید۔ ص ۳۹۱

اس ذریعہ سے عہدہ داروں کو کمانے کا خوب موقعہ ملا خصوصاً کوتوال اور خانوے کلال کے آدمیوں اور ان کے دوسرے مددگاروں ماتحتوں کو جو عموماً کمینے ہوتے ہیں ان کو اس قانون سے جو نفع پہنچا اس کا اندازہ حد وہم و خیال سے باہر ہے۔

پردہ ملا صاحب کی اس عبارت سے

زنے جوانے کہ در کوچہ و بازار مے گردیدہ باشند دران حال یا روبند شدہ یا روئے کشادہ گردد ص ۳۹۱

جوان عورتیں جو کوچہ بازار میں نکلتی ہیں، باہر نکلنے کے وقت میں چاہئے کہ گویا کھلا رکھیں یا چہرہ کو کھول دیا کریں (اگر برقعہ وغیرہ ہو)

معلوم ہوتا ہے کہ شاید قانوناً پردہ بھی اٹھا دیا گیا تھا۔ گویا وہ ساری روشن خیالیاں اور جدت طرازیاں جن پر "عہد جدید" کو ناز ہے، نہایت افسوس ناک سانحہ ہے کہ تقریباً ان میں سے اکثر روشنی جدید نہیں، بلکہ قدیم ہے، کاش! اس کی کہنگی و قدامت

ہی ان لوگوں کے چونکنے کا ذریعہ بن جائے

زنا کی تنظیم نکاح کے قوانین میں ان ترمیموں کے سوا عہد اکبری میں بعض علماء نے فقہ حنفی کی رو سے "جواز متعہ" کا بھی فتویٰ صادر کیا تھا جس کا قصہ طویل ہے بعضوں نے تو اکبر کے "الحاد" کا نقطہ آغاز اسی مسئلہ کو قرار دیا ہے بعض مولویوں نے بجائے چار کے اکبر کے کانوں تک یہ بھی پہنچایا تھا کہ بعض مجتہدین رلوٗ اور بعض اس سے زیادہ بھی بیویوں کے قائل ہیں لیکن یہ باتیں اس وقت کی ہیں جب تک ان مولویوں کو "فقیہ کور" کا خطاب نہ ملا تھا "دین الٰہی" کی تدوین کے بعد تو آپ دیکھ چکے کہ ایک سے زائد تک کی حرمت کا قانون بن گیا تھا، البتہ بانجھ ہونے کی صورت میں دوسری بیوی کی اجازت تھی، ایک طرف تو یہ حال تھا، دوسری طرف بغیر نکاح و متعہ کے بھی اس فعل کی اجازت ہو گئی تھی، گویا قانوناً زنا حرام نہ تھا، صرف اس کو منتظم کرنے کے لیے ایک دستور بنا دیا گیا تھا ملا صاحب لکھتے ہیں۔

از شہر بیروں آبادی ساختند و آں را شیطان پورہ نامیدند و آنجا نیز محافظے و مشرفے داروغہ نصب کردند تا ہر کہ باآں جماعت صحبت داردیا نجانہ بردارد نام نسب خود بنویساند آں گاہ باتفاق تماچیاں جا ہر چہ خواہد کند۔

شہر سے باہر آبادی بنائی گئی، اور اس کا نام "شیطانپور" رکھا گیا، وہاں باضابطہ محافظ، نگراں، داروغہ مقرر تھے یا کہ جوان سے یا گھر لے جانا چاہیے اپنا نام و نسب لکھوائے اور ان ملازموں کے اتفاق سے جو چاہے کرے،

اس سے بھی زیادہ پر لطف قانون کا یہ حصہ تھا "اگر کسے خواہد کہ بکارت آنہا بردار اگر خواستگار از مقربان نامی است داروغہ بعرض رسانیدہ رخصت از درگاہ بگیر دالا نہ"، بادشاہ کو اس مسئلہ سے اتنی دلچسپی تھی کہ "پنہانی تحقیق مے نمودند کہ بکارت انہا کہ بردہ باشد"، بیربر کے متعلق اس سلسلہ میں بادشاہ تک یہ خبر پہنچائی گئی کہ "از نبات ہم نمی گذشت" مگر شدت محبت سے بادشاہ نے اس کے قصور کو معاف کر دیا۔

رسم ختنہ حالانکہ دین جدید سے پہلے اکبر نے اپنے شاہزادوں کا خود ختنہ کرایا تھا، ملا صاحب نے اس کو بھی نقل کیا ہے لیکن "ہندو مسلم" کے رفع خلاف کا جب شوق پیدا ہوا تو

اسلام کے ایسے اہم "اشعار" کے متعلق یہ قانون نافذ کیا گیا کہ۔

ختنہ پیش از دوازدہ سالگی نہ کنند بعد ازاں اختیار دادہ خواہ کنند یا نکند ص۲۰۶　　کہ بارہ سال سے پیشتر لڑکوں کا ختنہ نہ کرایا جائے بارہ ۱۲ سال کی عمر کے بعد لڑکے کو اختیار ہوگا چاہے کرے چاہے نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ بارہ ۱۲ سال کی عمر کے بعد مشکل ہی سے کوئی اس اذیت کے برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہو سکتا تھا، جب سلطنت کی ہمت شکنی بھی ہوتی ہو، گویا "سنت ختنہ" کے مٹانے کی ایک مخفی تدبیر تھی۔

میت | دین الٰہی میں داخل ہونے والوں کے لیے مرنے کے بعد یہ حکم دیا گیا۔

کہ پارہ از غلہ خام و خشت پختہ برگردنش بستہ در آب سر د ہندو بجائے کہ آب نباشد بسوزند یا بطور خطائیاں بردرختے بربندند　　خام غلہ اور پکی اینٹیں مردہ کی گردن میں باندھ کر اس کو پانی میں ڈال دیا جائے اگر پانی نہ ہو تو اس کو جلا دیا جائے یا چینیوں کی طرح کسی درخت سے مردہ کو باندھ دیا جائے

شاید ڈبونے یا جلانے لٹکانے کا حکم بعد کو ہوا، اور نہ اس سے پہلے جو حکم تھا اس میں دفن کی مخالفت نہیں کی گئی تھی، البتہ اتنی ترمیم اس میں بھی تھی کہ

سر مردہ بجانب مشرق و پائے آن بجانب مغرب دفن کنند ص۳۵۶　　مردہ کا سر مشرق کی جانب اور پاؤں مغرب کی جانب رکھ کر اس کو دفن کیا جائے۔

سلطان خواجہ کہ از جملہ مریدان خاص الخاص بود" جب مرا ہے تو اکبر نے علاوہ مذکورہ بالا سمت کے ایک حرکت یہ بھی کی کہ اس کی قبر میں ایک کھڑکی بنا دی گئی تھی "مقابل نیر اعظم گذاشتند تا فروغ آں پاک کنندہ گناہاں است و ہر صباح بر روئش افتد" ملا صاحب لکھتے ہیں کہ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ "بر دہانش زبانۂ آتش نیز رسانیدہ بودند" یہ تھا وہ دین جس میں ہندوستان کے باشندوں کا تعلق بیرون ہند سے توڑ لیا گیا تھا، اور ٹھیک جس سمت کعبہ ہے مردہ کی ٹانگ اسی جانب رکھی جاتی تھی۔ ضد کی یہ حد تھی کہ

خواب رفتن خود را نیز بہ ہمیں ہیأت قرار　　سوتے کے وقت بادشاہ اسی ہیئت کے ساتھ

داوند ص ۲۵۰

سوتے تھے (یعنی ٹھیک بجانب قبلہ پاؤں کرتا تھا

کہاں تک لکھا جائے ایک جز ہو، دو جز ہو اس نے تو ابتدا ر زندگی سے آخر زندگی تک کے سارے قوانین کو الٹ پلٹ دیا تھا، ملا صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ممنوعہ چیزوں کے ریشم، سونے کو مردوں کے لیے نہ صرف حلال بلکہ قریب قریب وجوب کی حد تک پہنچا دیا گیا تھا عموماً اس زمانہ کے وہی علماء جنہوں نے اس "ہندی دین" کو قبول کر لیا تھا، یا اس کے حامی تھے وہ ریشمین کپڑے پہنتے تھے، اور خدا کے ایک باغی کے حکم کی تعمیل کرتے تھے آج بھی کتنے ہیں جنہیں الٰہی احکام کی اتنی قطعاً پرواہ نہیں ہے، یہی کہ بعض دشمنوں کی ہے اسی طرح سور، کتے کو پاک قرار دیا گیا تھا نہ صرف پاک بلکہ

برزعم اسلام خنزیر و کلب از نجس بودن باز ماندن در درون حرم و ذیر قصر نگاہداشتہ ہر صباح نظر بر آں عبادت می شمردند۔
ص

بلکہ اسلام کے توڑ پر سور اور کتے کے ناپاک ہونے کا مسئلہ منسوخ قرار دیا گیا، اور شاہی محل کے نیچے یہ دونوں ناپاک جانور رکھے جاتے تھے، صبح سویرے اس کے دیکھنے کو بادشاہ عبادت خیال کرتا تھا۔

اس سلسلہ میں اکبری عہد کے ایک عالم (فیضی) کا قصہ تو ملا صاحب نے یہاں تک نقل کیا ہے کہ۔

چند سگ را در سفر ہمراہ گرفتہ طعام با آنہا مے خوردند، و بعضے شعراء زبان سگان در دہاں می گرفتند

چند کتوں کو سفر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور ان ہی کتوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے بعض شاعر تو کتوں کی زبان بھی اپنے منہ میں لیتے تھے۔

یہ تھا اس دین کا ایک اجمالی نقشہ" جس میں سارے مذاہب کو ایک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، کس قدر عجیب ہے کہ اسلام اور اسلامی احکام کے سوا اور کسی مذہب کے کسی جز کو ان لوگوں کی عقل نہ رد کرتی تھی نہ اس میں خرابی نظر آتی تھی، حالانکہ اسلام کے ساتھ جہاں ان کا یہ برتاؤ تھا اسی کے ساتھ دوسرے مذاہب اور ان کے رسوم کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت یہ نہ تھی سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آخر ان باتوں کو ان کی عقلیں کس طرح تسلیم کر لیتی تھیں

مثلاً یہی عقلی بادشاہ تھا، جو اپنے ہاتھ میں راکھی کے نام سے نجو شی لتّہ باندھتا تھا، نیز۔

در روز عید ہشتم سنبلہ بر رسم اہل ہند قشقہ کشیدہ بر در دولت خانہ برآمد ند و ریسمانے جواہر دراں کشیدہ از دست براہمہ بہ تبرک گرفتہ بر دست بستند۔

۸ر سنبلہ کو جو تیوہار پڑتا تھا اہل ہند کے رسم کے مطابق بادشاہ قشقہ لگا کر برآمدہ پر بیٹھتے تھے، اور ایک ڈوری جس میں جواہرات پروئے ہوتے اس کو برہمنوں کے ہاتھ سے لے کر بطور تبرک کے اپنے ہاتھ پر باندھتے تھے

دوسروں کے متعلق حسن ظنی کا یہ خیال تھا کہ شیورا تری میں رات رات بھر جوگیوں کے کے ساتھ جاگا جاتا تھا کہ "سہ چہار بار از عمر طبیعی زیادہ باشد"

لیکن اسلام کا کوئی جز قابل انتخاب و پسندیدگی نہ تھا، ایک طرف شیر اور بھیڑیئے کے گوشت کی حلت کا فتوٰی دیا جاتا تھا کہ اس سے بہادری پیدا ہوتی ہے اور دوسری طرف حکم۔

"تحریم گوشت گاؤ دگاؤ میش و اسپ و میش و شتر بود" اسی کے ساتھ یہ بھی ایک قانون تھا، کہ۔

اگر کسے با شخصے کہ ذبح جانور پیشہ او شدہ باشد طعام بخورد دست او بہ برند و اگر اہل خانہ او بود انگشت اکل قطع نمائند

ص ۳۷۶

جو آدمی اس شخص کے ساتھ کھانا کھائے جس کا پیشہ ذبح کرنے کا ہے، تو اس کھانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے حتیٰ کہ اگر اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ کھائے تو کھانے کی انگلیاں اس کی بھی تراش لی جائیں۔

جس کے دوسرے معنی یہی تھی کہ ہندوستان سے "ملّی نداؤں" کو ہمیشہ کے لیے معدوم کر دینے کا ارادہ کر لیا گیا تھا اور کون جانتا ہے کہ جب قدیم "ہندی قومیت" کی تعمیر اس نقطہ پر آکر ختم ہوئی تھی، حالانکہ اس کی تعمیر میں ایک ایسے شخص کا ہاتھ تھا جو اگر کچھ نہیں تو نسبتی مسلمان ضرور تھا، مسلمان ماں اور باپ سے پیدا ہوا تھا، لیکن کیا حال ہوگا "اس قومیت کا" جس کی تحریک ان ہاتھوں سے شروع ہوئی ہے، جو صدیوں سے اپنے سینوں کو انتقامی جذبات

کی بھٹی بنائے ہوئے ہیں۔ بلا شبہ اس وقت بھی کہا ہی جاتا تھا کہ کسی مذہب دوسرے مذاہب پر ترجیح نہ ہوگی، لیکن جو کچھ کیا جاتا تھا وہ آپ دیکھ چکے حد تو یہ ہے کہ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ منجملہ "دین جدید" کے قانونوں کے ایک قانون یہ بھی تھا۔

زن ہندو اگر بمسلمانے فریفتہ شدہ در دین مسلمانان در آید جبراً و قہراً گرفتہ با اہل او سپارند ص۲۹۲ ج۲

کوئی ہندو عورت اگر کسی مسلمان مرد پر فریفتہ ہو کر مسلمانوں کا مذہب اختیار کرے تو اس عورت کو جبراً وقہراً اس کے گھر کے لوگوں کو سپرد کر دیا جائے

خیر یہ تو ملا صاحب کی شہادت ہے، لیکن کیا کوئی اس شہادت کو بھی جھٹلا سکتا ہے؟

کفار ہند بے تحاشا ہدم مساجد مے نمایند و آنجا تعمیر معبد ہائے خود مے سازند و نیز کفار برملا رسم کفر بجا مے آرند و مسلمانان در اجرائے اکثر احکام اسلام عاجز اند (مکتوبات مجدد الف ثانی ص۱۶۲ ج۲)

ہندوستان کے کفار بے تحاشا مسجدوں کو ڈھاتے ہیں اور ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں، اسی طرح کفار برملا اپنے کفر کے رسوم انجام دیتے ہیں لیکن مسلمان اسلام کے اکثر احکام کے بجا لانے سے مجبور ہیں۔

یہ اکبری نہیں، بلکہ جہانگیری عہد کے ابتدار کے زمانہ کی رپورٹ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے اور یہ باتیں تو وہ تھیں جن کا براہ راست تعلق مذہب سے ہے۔

"الف دوم" میں تجدد کا جو علم ہندوستان میں لہرایا گیا اس میں مسلمانوں کے تمدنی و تہذیبی اجزار کی حیثیت کیا باقی رہی تھی؟

مضمون کو ختم کرتے جی چاہتا ہے کہ درد کے ان پھپھولوں کو بھی پھوڑ لیا جائے دعوے کیا گیا تھا کہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھا جائے گا، لیکن کیا کیا گیا؟ یا کرایا گیا؟

ملا صاحب اکبر کی زبانی نقل فرماتے ہیں ایک دن اس نے مجمع کو مخاطب کر کے اپنی رائے ظاہر کی۔

اکنون کتابہائے ہندی را کہ دانایان ، اب ہندی زبان کی کتابیں جو ہندوستان کے

مرتاض عابد نوشته اند و همه صحیح و بعض
قاطع است و مدار دین و اعتقادیات و
عبادات ایں طائفه بر آنست ترجمه
از هندی بزبان فارسی فرموده چرا
بنام خود نه سازیم که غیر مکرر و تازه است
و همه منتج سعادات دنیوی و دینی و منتج
حشمت و شوکت بے زوال و مستوجب
کثرت اموال و اولاد است ۔
ص ۳۲۰

مرتاض و عابد دانشمندوں کی تصنیفات ہیں، یہ
سب صحیح اور بالکل یقینی علوم پر حاوی ہیں اس
گروہ (ہندوؤں) کے، اعتقادات و عبادات کا سارا
دارومدار انہی کتابوں پر ہے۔ میں کیوں نہیں ان
کتابوں کے ترجمے ہندی سے فارسی زبان میں
اپنے نام سے کراؤں کہ یہ ایسی کتابیں ہوں گی
جو فارسی میں مکرر مضمون والی نہ ہوں گی، بلکہ تازہ
معلومات ہوں گے اور ان سے دنیوی و دینی
سعادت فتح و شوکت حشمت بے زوال کے نتائج
حاصل ہوں گے اور کثرت مال و اولاد کے یہ
ذریعہ ہوں گی،

اس کے بعد دفتر قائم کر دیا گیا، علماء مقرر ہوئے جو ان کتابوں کی اشاعت کا دائرہ وسیع کرنے
کے لیے فارسی زبان میں ان کو منتقل کر رہے تھے لیکن ٹھیک اسی کے مقابلہ میں:۔

عربی خواندان و دانستن آں عیب شد
و فقه و تفسیر و حدیث و خوانندہ آں
مطعون و مردود

عربی پڑھنا، عربی جاننا، عیب قرار دیا گیا،
اور فقہ و تفسیر و حدیث کے پڑھنے والے مردود
مطعون ٹھیرائے گئے۔

اور ان علوم کی جگہ "نجوم و حکمت و طب و حیات و شعر و تاریخ افسانہ رائج و مفروض"
گویا مذہبی علوم اور دینیات کی سرپرستی جو اب تک حکومت کا شیوہ تھا، یہ سرپرستی اٹھا
لی گئی، اور اکبری دور کے مدارس میں مضامین فنون و سائنس کی حوصلہ افزائی کی گئی، لیکن یہ
بھی چند دنوں کی بات تھی، آخری فرمان وہی تھا جس کی توقع اس کے بعد ہونی چاہیے، ملا
صاحب لکھتے ہیں۔

دریں سال حکم شد که هر قوم ترک علوم عربیه
نموده غیر از علوم غریبه از نجوم و حساب و

اسی سال فرمان صادر ہوا کہ ہر قوم عربی علوم کو چھوڑ کر
صرف "علوم نادرہ و غریبہ" یعنی نجوم، حساب

طب و فلسفہ نخوانند۔ ص۳۶۲ — طب، فلسفہ پڑھا کریں،

پھر اس کے بعد کیا ہوا، ملا صاحب بے چارے اسلامی علوم کے اس مقتل کو دیکھتے ہیں اور روتے ہیں۔

مدارس و مساجد مندرس علمار اکثرے جلاوطن شدند و اولاد ناقابل ایشاں نہ بماند بمرور بہ پاجی گیری نام بر آوردند ص۲۷۴

مدرسے اور مسجدیں سب ویران ہیں اکثر اہل علم جلاوطن ہو گئے ان کی اولاد ناقابل جو اس ملک میں رہ گئی ہے "پاجی گیری" میں نام پیدا کر رہی ہے۔

آخر میں ان دو شعروں پر ان کا نوحہ ختم ہوتا ہے۔

مدارس از علماء آں چناں بود خالی — کہ ماہ روزۂ ہمے خوار خانہ خمار
پرند تختہ لوح ادیب از پے زد — کنند مصحت فاری گرد لوحہ قمار

اور معاملہ اسی پر بس نہیں ہوتا ہے، یہ تو غنیمت ہے کہ اس وقت تک ہندوستان کی زبان سے عربی الفاظ کی جلاوطنی کی تحریک کا آغاز نہیں ہوا تھا اگرچہ اکبر کا رجحان طبع ادھر معلوم ہوتا ہے، عموماً چیزوں کے نام رکھنے میں وہ ہندی زبانوں کو زیادہ پسند کیا کرتا تھا، مثلاً "انوپ تلاؤ" "نتھ پول" "چین نگر" "پیر پرشاد" ہاتھی کا نام وغیرہ اس کے رجحانات کا پتہ دیتے ہیں، لیکن کھل کر ابھی دماغ میں اس کے یہ تجویز نہیں آئی تھی، تاہم اسی کے قریب قریب ایک "چیز" اس کے زمانہ میں بھی پائی جاتی ہے، یعنی روزمرہ کی بولی کے بجائے عربی الفاظ کے نکالنے کے وہ عربی حروف کو ہندوستان کی عام زبان سے نکالنا چاہتا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں :

و حروف خاصہ زبان عرب مثل ثا، حا، و عین، صاد، ضاد، طا و ظا را از تلفظ برطرف ساختند ص۳۰۷

ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً ث ح ع ص ض ط ظ کو بول چال سے بادشاہ نے باہر کر دیا۔

اور اس پر عمل کرنے کی صورت یہ نکالی گئی تھی کہ

عبداللہ را ابداللہ، و احدی را اہدی و — عبداللہ کو ابداللہ، احدی کو اہدی اور ازیں قبیل

امثال آں اگر میگفتند خوش (الفاظ کو بگاڑ کر) کوئی بولتا تو بادشاہ بہت
داشتند　　　خوش ہوتے تھے

لیکن یہ خدا کی غیبی تائید تھی، کہ اس کوشش کا دائرہ صرف بول چال ہی تک محدود رہا، ورنہ خدانخواستہ اگر لکھنے پڑھنے میں بھی اس طریقہ کو داخل کر دیا جاتا، تو آج اسلاف کی محنتوں تک کیا ہماری رسائی ہو سکتی تھی، اور وہ کوشش جو اردو ہندی کے نام سے آج جاری ہے، اس کا مقصد اس کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ کہ قرآن پڑھنے والی امت کو قرآنی الفاظ و حروف سے جتنی دور تک دھکیلا جا سکتا ہو دھکیل دیا جائے۔

اسلامی علوم کی بربادی کا ایک سامان تو یہ تھا، اسی کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ اس دور میں علماء و مشائخ ائمہ و خطباء کے نام کی جو جاگیریں صدیوں سے چلی آتی تھیں، ان پر دست اندازی کی گئی۔

اور جیسا کہ ملا صاحب لکھتے ہیں۔

مدرس ہدایہ و کتب منتہیانہ مثلاً تھا نتش　　کہ ہدایہ جیسی انتہائی کتابوں کے پڑھانے
تا صد بیگھہ کم و بیش بود　　والوں کو کم و بیش سو بیگھہ کی جاگیر آخری حد تھی

اور یہ تو ابتدائی زمانہ میں ملا عبد النبی کے ہاتھ عمل میں آیا۔ آخر میں تو جیسا کہ خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔

از جملہ شعائر اسلام تعین قضاۃ است　　اسلام کے منجملہ دوسرے شعائروں کے اسلامی آبادیوں
در بلاد اسلام، کہ در قرن سابق محو شدہ بود　　میں قاضیوں کا تقرر کرنا ہے، جو قرن سابق
(مکتوب ۱۹۵ ج ۱)　　(عہد اکبری) میں مٹا دیا گیا تھا۔

یہ تھی اس "صلح کل" مشرب کی حقیقت جس کا ڈھنڈھورا اس زور سے پیٹا جا رہا ہے "خلق در آسایش بود" طباطبائی کے اس جملہ کا مطلب اب کھلتا ہے، واقعہ ہے کہ اس انقلاب کے بعد بقول حضرت مجددؒ۔

غربت اسلام نزدیک یہ یک قرن پنہچے　　ایک قرن میں اسلام کی غربت اس درجہ کو پہنچی کہ اہل

قرار یافتہ است کہ اہل کفر بہ مجرد اجرائے احکام بر بلاد اسلام راضی نمے شوند مے خواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند۔ و اثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نشود، و کار تا بآں سر حد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانے از شعائر اسلام اظہار نماید بہ قتل مے رسد، ص ۱۰۶

کفر صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ محض کفر کے احکام کا علانیہ اسلامی بلاد میں اجرا ہو جائے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیے جائیں، اور اسلام و مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے، بات یہاں تک پہنچائی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے، تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

یہ تھا اسلام کا حال جہانگیر کے ابتدائی عہد میں، پھر اکبر کے زمانہ میں جو کچھ ہوگا ظاہر ہے اس کے بعد اندازہ ہو سکتا ہے کہ اکبر و جہانگیر کے بعد واقعی عدل اور حقیقی رواداری کے ساتھ جن مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی۔ ان پر تعصب اور شدید تعصب کا الزام کیوں لگایا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں ایسی یک طرفہ خواہش عمل کر رہی ہو، اگر اس ملک میں کسی غیر کے ساتھ کچھ بھی اچھا سلوک کیا جائے گا۔ اس کا نام تعصب ہی رکھا جا سکتا ہے ورنہ شاہجہاں اور عالمگیر کی ایام حکومت میں کیا اکبری عہد کے ان قوانین کے مقابلہ میں کوئی ایک قانون بھی ایسا پیش کر سکتا ہے۔ جس کا اثر ملک کے دوسرے طبقوں پر بھی پڑتا ہو، جو اکبر کی کرتوتوں سے سنی مسلمانوں پر پڑ رہا تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ "الف ثانی" کی فرضی تحریک کی باگ جن پوشیدہ ہاتھوں میں تھی، ان میں ایک بڑا طبقہ ان لوگوں کا تھا، جو مسلمانوں کے سوائے ہندوستان کے عام باشندوں کے ساتھ بھی رواداری کرنا نہیں چاہتا تھا، آخر اکبر سے مسلمانوں کے علوم کے انسداد کے بعد جو یہ فرمان نکلوایا گیا تھا کہ۔

اراذل را از خواندن علم در شہر ہا مانع آیند (؟) کہ فساد ہا ازیں قوم مے خیزد۔ ص ۳۵۶

کمینہ قوم کے لوگوں کو علم کے پڑھنے سے شہروں میں روکا جائے کہ اس قوم سے فساد پیدا ہوتا ہے۔

بجز ان شودروں کے اس کا اور کون نشانہ تھا، جن کے کان میں علم سننے کے گناہ

میں سیسہ پلوایا جاتا تھا، اور خدا ہی جانتا ہے کہ ہندوستان کی کون کون سی "ملکش" نوموں ازدا کے تحت میں داخل تھیں۔

بہر حال بات بہت طویل ہوگئی، اور "حرف مدعا" سے پھر بھی میں اب تک دور ہوا لیکن کیا کیا جائے روشنی کو وہی پہچان سکتا ہے، جس نے اندھیرے کو دیکھا ہو، ان تفصیلا کی بڑی ضرورت تو یہی تھی، اس کے سوا مدعیان تورد تجدد کو بھی تھوڑی دیر کے لیے ایک تماشا دکھانا تھا، شائد کہ ان کو عبرت ہو اور وہ یہ سمجھیں کہ ان کا دماغ ممکن ہے کہ نیا ہو۔ ان کا دل بھی نیا ہو لیکن اپنے مشق سے جوان کو اپنا معمول و مسحر بناتا ہے وہ بہت پرانا ہے پیغمبروں (علیہم الصلوٰۃ والتسلیم) کے مقابلہ میں اس کے یہ حربے بہت پرانے ہیں، ہو سکتا ہے کہ جدت پرستی کے ذوق میں شایدان فرسودہ وپارینہ وسوسوں سے ان میں کچھ گھن پیدا ہو۔

اسی کے ساتھ مایوسوں کے سامنے امید کی ایک روشنی ہے، آج جس خطرہ سے ایمانیوں کے دل تھرار ہے ہیں ان کو دیکھنا چاہیئے کہ، کل کا خطرہ کیا اس سے کم تھا، بلکہ سچ تو یہ ہے، کہ اس وقت جو کچھ ہو سکتا تھا اب تو عقلی راہوں سے بھی اس کا ہونا بہت بعید ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کا درتابندہ پروردہ "آغوش موج" ہے، نہ طوفانوں سے کبھی وہ گھبرایا، اور نہ سیلاب اس کی رفتار کو دھیما کر سکے وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ

لیکن افسوس کے ساتھ ایک تلخ حقیقت کا بھی مجھے آخر میں اعتراف کرنا ہے کہ "غریب اکبر" دراصل ابتدا سے "اکبر" نہ تھا، یہی ملا عبد القادر جن کے حوالہ سے میں نے سب کچھ نقل کیا ہے لکھتے ہیں۔

بادشاہے کہ جوہر نفیس وطالب حق بود، اما عامی محض ص ۲۵۵

اس کی زندگی کے ابتدائی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شدت کے ساتھ اسلامی عبادات کا پابند تھا، نماز تو بڑی چیز ہے، سفر و حضر میں جماعت بھی ترک نہیں ہوتی تھی، سات عالم امامت کے لیے مقرر تھے، جن میں سے ایک ہمارے ملا عبد القادر بدایونی ہیں

ان کا بیان ہے کہ

ہر پنج وقت برائے خاطر جماعت در دربار مگیفتند ص ۳۱۵

ہر پانچ وقت بر سر دربار جماعت کے متعلق فرماتے تھے۔

سفر میں ایک خاص خیمہ نماز کا ہوتا تھا جس میں بادشاہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا تھا۔ علم دین اور علماء دین کا احترام جس حد تک کرتا تھا، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ شیخ عبدالنبی جو اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں "صدر جہاں" تھے ان کے ساتھ

بادشاہ از غایت تعظیم و احترام گاہے بہ جہت استماع علم حدیث بخانہ شیخ مے رفتند و یک دو مرتبہ کفش پیش پائے او ہم مے ماند ند ص

انتہائی احترام و تعظیم کی وجہ سے بادشاہ کبھی کبھی علم حدیث سننے کے لیے ان کے گھر جاتا اور ایک دو دفعہ تو جوتیاں بھی (شیخ) کے آگے بادشاہ نے رکھیں۔

علماء و صلحاء کی صحبت اس قدر مرغوب تھی کہ حضرت شیخ سلیم چشتی کے پڑوس میں رہنے کی غرض سے اس نے فتحپور ہی کو دارالسلطنت بنا لیا، اور مدتوں پیادہ پا اجمیر شریف حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو جایا کرتا تھا۔ فتحپور میں اس نے (انوپ تلاؤ) کے نام سے تالاب بنوایا تھا، اور اس کے ارد گرد عمارتیں بنائی گئی تھیں جن کا نام عبادت خانہ رکھا گیا تھا، ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ جہاں پر یہ عمارت بنائی گئی، بادشاہ اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں اسی مقام پر ایک پرانے حجرہ کے پتھر پر بیٹھ کر:۔

از آبادی یک سو افتادہ نشستہ بمراقبہ مشغول می شدند و فیض سحر مے ربودند ص

آبادی سے دور مراقبہ میں مشغول رہتے تھے اور صبح کے فیض کو حاصل کرتے تھے۔

نماز جمعہ کے بعد اسی عمارت میں علماء کا اجتماع ہوتا تھا، بعد کو یہ ذوق اتنا بڑھا کہ جمعہ کی پوری رات ان ہی علماء و مشائخ کی صحبت میں گذرتی تھی، خوشبوئیں جلائی جاتی تھیں،

پیوستہ کار تحقیق مسائل دین بود چہ

اور دینی مسائل خواہ اصول سے متعلق ہوں

اصول چہ فروع ۔ یا فروع سے ہمیشہ ان ہی کی تحقیق ہوتی رہتی تھی۔

بادشاہ اس مجلس میں حسب استعداد ہر ایک کی معقول خدمت بھی کرتا تھا، اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وسائل تلاش کر کر کے علما و مشائخ کی ایک کافی جماعت یہاں اکٹھی ہونے لگی، ملا صاحب کا اندازہ ہے کہ:-

جماعت مباحثین و مناظرین چہ محقق چہ مقلد از صد نفر متجاوز بودند ۔ ص ۱۸۸

بحث و مباحثہ و مناظرہ کرنے والے علماء خواہ محقق ہوں یا مقلد، ان کی تعداد سو آدمیوں سے متجاوز تھی،

بھلا جہاں مولویوں کی اتنی تعداد جمع ہو جائے۔ اور وہ بھی ان دنی اغراض کے تحت جو ان لوگوں کو یہاں تک کھینچ کر لائی تھیں، انجام اس کا وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔ شروع شروع میں پہلا جھگڑا نشستگاہوں پر چلا، ہر ایک بادشاہ سے قریب ہونا چاہتا تھا۔ ملا صاحب لکھتے ہیں کہ یہ

بدنفسیہا ازیں جماعت ظاہر شد

پہلی بدنفسی تھی جو اس گروہ سے ظاہر ہوئی۔

اگرچہ اکبر نے اس دفعہ اغماض سے کام لیا، لیکن دل میں غیر شعوری طور پر ان کا وزن کم ہو رہا تھا۔ آخر ایک دن جبکہ "چشم بد دور،، دین کے ان ستونوں کا یہ حال تھا۔

کہ بایک دیگر تیغ زبان کشید در مقام منافی و تقابل بودند و اختلاف بجائے رسید کہ تکفیر و تفصیل ہمدگر مے نمودند ۔

باہم ایک دوسرے پر زبان کی تلواریں نکالے ایک دوسرے کی نفی و تردید اور مقابلہ میں مصروف تھے کہ ان کے اختلافات اس حد کو پہنچے کہ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے لگا اور ایک دوسرے کو گمراہ کہنے لگا۔

اور شاہی دربار میں

رگ گردن علمائے زماں برآمدہ آوازہائے بلند و دمدمہ بسیار ظاہر شد

ان مولویوں کی گردن کی رگیں پھول آئیں، اور شور ہونے لگا، سخت ہڑبونگ مچ گیا۔

بادشاہ کے متاثر قلب پر ان کی یہ حرکت ناگوار گذری "بخاطر اشرف گراں آمد"،

اس کے بعد ملا عبدالقادر کو حکم دیا گیا، کہ آئندہ سے جوان میں نامعقول ہوں ان کو مجلس میں نہ آنے دینا، یہ پہلی شفقت تھی، جو اس جماعت کو نصیب ہوئی، اور گو ان کی آمد و رفت باقی رہی، لیکن ایک ایسے بادشاہ کے دربار میں جو ان کی ہر گفتگو سے بجائے ایمانی قوت کے سوء ظنی میں روز بروز ترقی کر رہا تھا، آخر ایک کے فتویٰ حلال اور دوسرے کے حرام نے بادشاہ کو سطلق دین ہی کے متعلق۔

در شک انداختہ حیرت بر حیرت افزود	شک میں ڈال دیا، اور اس کی حیرت پر حیرت
و مقصود از میان رفت	میں اضافہ ہوتا رہا تا اینکہ جو مقصود تھا وہی سامنے سے جاتا رہا۔

اکبر کے دربار میں کس قسم کے علماء جمع تھے، اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ ان میں ملا عبداللہ سلطان پوری تھے، جن کا عہدہ مخدوم الملک کا تھا، محض اس لیے کہ حج نہ کرنا پڑے، فریضہ حج کے اسقاط کا فتویٰ دیا، زکوٰۃ کے متعلق بھی مشہور ہے کہ شنشاہی تقسیم والے حیلہ سے کام لیا کرتے تھے اور آخر میں جب ہزار ہا ذلت و خواری کے بعد انتقال ہوا۔ تو بادشاہی حکم سے ان کے مکان کا جو لاہور میں تھا جائزہ لیا گیا۔

چنداں خزائن و دفائن او پدید گشت	اتنے خزانے اور دفینے ظاہر ہوئے کہ ان خزانوں
کہ قفل آں را بہ کلید وہم نتواں کشاد	کے تالوں کو وہم کی کنجیوں سے بھی کھولنا
ازاں جملہ چند صندوق طلا از گورخانہ	ناممکن ہے منجملہ ان کے سونے سے بھرے
مخدوم الملک کہ بہ بہانہ اموات دفن کردہ	ہوئے چند صندوق مخدوم الملک کے
بود ظاہر شد	"گورخانہ" سے برآمد ہوئے جنہیں مردوں
صہ ۳۱۱	کے بہانہ سے اس نے دفن کیا تھا۔

ادھر حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مولانا عبدالنبی بھی جو عہد اکبری کے سب سے بڑے محدث خیال کیے جاتے تھے، ان ہی کی بادشاہ نے جزئیات سیدھی کی تعیین اور سارے ہندوستان کے ائمہ و خطباء وغیرہ کی جاگیروں کا اختیار ان کو دیا گیا تھا، لیکن علم کا حال یہ تھا کہ مشہور حدیث الحزم سوء الظن کو آپ ہلبثہ بجائے زائے

معجمہ کے راء مہملہ سے تلفظ فرماتے تھے، اور جب صدارت کے اختیارات ملے تو پھر کسی کو آنکھ ہی نہیں لگاتے تھے، سارے ہندوستان کے مذہبی جاگیرداروں کو ڈرانا شروع کیا، آخر میں یہ حالت ہوئی۔

کہ سارو کلائے شیخ و فراشان دربانان و سائساں وحلال خوراں نیز رشوتہائے کلی دادے وگلیم ازاں ورطہ بدر بردے

کہ لوگ شیخ کے وکیلوں، ان کے فراشوں، دربانوں، سائیسوں، حلال خوروں (مہتروں) تک کو رشوتیں دے دے کر اپنے کمل اس گرداب سے باہر نکالتے۔

مخدوم الملک اور ملا عبد النبی دونوں میں رقیبانہ کشمکش جاری تھی، ہر ایک نے دوسرے کے متعلق رسالے لکھے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کو بواسیر ہے، اس لیے اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے، دوسرا کہتا ہے کہ تو اپنے باپ کا چونکہ عاق شدہ بیٹا ہے، اس لیے تیرے پیچھے بھی نماز جائز نہیں، الغرض صبح و شام شاہی کیمپ علما کے ان دینی ہنگاموں سے گونجتا رہتا تھا، اور بقول ملا عبد القادر ایک بڑی مصیبت یہ بھی تھی کہ جاہل اکبر۔

علما عہد خویش را بہتر از غزالی و رازی تصور نمودہ بود چند رکاکتہائے ایشاں را دیدہ قیاس غائب بر شاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند۔

اپنے زمانہ کے علما کو غزالی و رازی سے بھی بہتر خیال کرتا تھا، پھر ان کے بچھورے پن کو بادشاہ نے دیکھا تو سامنے والوں پر غائبوں کو قیاس کر کے سلف کا بھی منکر ہو گیا۔

آخر اس عہد کا رازی جب حزم کو نور پڑھتا ہو۔ اور اس زمانہ کے غزالی کے گھر سے طلائی اینٹوں کی قبریں برآمد ہوتی ہوں، تو گزشتہ زمانے کے رازیوں اور غزالیوں کے متعلق کیا خیال کیا جا سکتا ہے، ازیں قبیل طرح طرح کے مشائخ بھی آتے اور اکبر کے سامنے جھوٹے دعوے کرتے کبھی کہتے کہ آپ کی فلانی حاملہ حرم کے لڑکا ہوگا، بدقسمتی سے لڑکی ہو جاتی، ایک بڑے باکرامت بزرگ لاہور سے تشریف لائے، جب اکبر نے تنہائی میں امتحان کیا اور کچھ پیش نہ چلی تو "درد پیٹ" کا حیلہ ظاہر کر کے دم بخود ہو گئے یقیناً

علماء کا یہ فتنہ بھی بڑا فتنہ تھا، اور بقول بدایونی

اختلاف علماء کہ یکے فعلے را حرام می گفت و دیگرے بحیلہ ہماں را حلال می ساخت وجہ انکار گشت۔	علماء کا یہ اختلاف کہ ایک ان میں ایک ہی فعل کو حرام کہتا تھا دوسرا کسی حیلہ سے اس کو حلال ثابت کرتا تھا بادشاہ کے انکار کا سبب بن گیا۔

لیکن اس سلسلہ کا سب سے زیادہ "سیاہ حلقہ" وہ ہے، جو اگرچہ علماء ہی کا فتنہ تھا لیکن شدت تاثیر نے اکبری الحاد کا اس کو سب سے بڑا ذریعہ بنا دیا۔

میری مراد ملا مبارک ناگوری اور ان کے شہرۂ آفاق صاحبزادوں سے ہے، ملا صاحب جیسا کہ ان کی سوانح حیات سے معلوم ہوتا ہے، بڑے پایہ کے عالم تھے، علوم متداولہ سے ان کو ہر فن کا ایک مستقل متن زبانی یاد تھا، جب تک ناگور میں رہے، زیادہ تر منقولات اور فقہ واصول انکا علمی سرمایہ تھا، پھر یہ احمد آباد پہنچے ہیں، اس زمانہ میں ہندوستان کے ساحلی شہروں میں بجائے عقلیات کے دینی علوم کا زیادہ چرچا تھا، ملا مبارک کو احمد آباد میں اپنے دینی تبحر کا موقعہ ہاتھ آیا، لیکن دماغ میں فطرۃً شورش تھی، مذاہب اربعہ اور ان کے اختلافات سے واقف ہوتے کے بعد یہ غیر مقلد ہو گئے، جیسا کہ خود ابو الفضل لکھتا ہے کہ۔

و بہ تکاپوئے سخت پایہ اجتہاد در نمود اگرچہ بہ اقتضائے نیاکان بزرگ در دش ابو حنیفہؒ انتساب داشتند دار تقلید بر کنارہ بندگی دلیل کردے، (آئین اکبری)	سخت دوڑ دھوپ کے بعد اجتہاد کے درجہ تک ان کی رسائی ہو گئی اگرچہ بندگان سلف کی پیروی میں ابو حنیفہ کی طریقہ کی جانب اپنے کو منسوب کرتے تھے لیکن تقلید سے کنارہ ہو کر دلیل کی غلامی کرتے تھے۔

اس غیر مقلدی کے ہوتے پر بس نہ کیا یہ ہوا کہ شیراز کے ایک فلسفی ابو الفضل گازرونی کے حلقہ میں بھی شریک ہو گئے اور،

بسیارے غوامض شفا و اشارات و تذکرہ و مجسطی را تذکار فرمودند	اور شفا اشارات تذکرہ مجسطی کے بہتیرے مشکلات کو ان سے حاصل کیا۔

اس پر طرہ یہ تھا کہ ملا صاحب کو تصوف کا بھی شوق ہوا اور

اسالیب تصوف واشراق بر خواندند و فراواں کتاب نظر و تالہ دیدہ شد، — تصوف واشراق کے مختلف طریقوں کا بھی مطالعہ کیا اور نظر و فکر اور خداشناسی کی کتابیں بھی نظر سے گذریں۔

ظاہر ہے کہ شوریدہ مغزوں میں جب یہ ساری کراماتیں جمع ہو جاتی ہیں تو پھر ان سے بے محابا ایسی باتیں صادر ہوتی ہیں، جن سے جمہور میں برہمی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ ملا صاحب پر مہدویت کا کبھی شیعیت کا الزام لگایا گیا، لیکن ابو الفضل کو اس سے انکار ہے، بہر حال عام علماء کو ان کے طرز و روش سے ضرور شکایت تھی، اور ان پر مولویوں نے چند سخت حملے بھی کیے، اس کا آسان جواب تو یہی ہو سکتا تھا کہ یہ بھی جواب دیتے لیکن علم کے غرور نے ملا صاحب کو ایک خطرناک اقدام پر آمادہ کیا، خلاف عادت اپنے زاویہ درس وارشاد سے نکل کر بیٹوں کی معیت میں یہ ملک کی سیاسیات میں داخل ہو گئے، علم کا گھرانا تھا، اور پڑھے ہوئے ہوتے؟؟ زیادہ دیر نہیں لگی، چند ہی دنوں میں دیکھا جاتا ہے۔ کہ وہی ملا مبارک جن کے متعلق ابو الفضل لکھتا ہے کہ:۔

شیر خاں و سلیم خاں و دیگر بزرگان در مقام آں شدند کہ از وجوہ سلطانی چیزے برگیرند — شیر خاں (شیر شاہ)، سلیم خاں (پسر شیر شاہ)، اور دوسرے بزرگوں نے اصرار کیا کہ "سلطانی وجوہ" سے کچھ قبول کریں۔

لیکن "از انجا کہ ہمت بلند بود و نظر عالی سر باز زد"، یہی ملا مبارک، یکایک اکبر کے بارگاہ جلال میں اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ جلوہ فرما ہیں، اس میں شک نہیں ہے، کہ مولویوں نے ان کو اور ان کے خاندان کو ضرور ستایا تھا، اور ملا صاحب کو ان کی وجہ سے کچھ دنوں پورے خاندان کے ساتھ دربدر مارا مارا پھرنا پڑا، لیکن کیا اس کا شریفانہ جواب یہ تھا کہ "بانسری" کے بجنے کو روکنے کے لیے دنیا سے بانس کے جنگل ہی نابود کر دیئے جائیں، اور بالفرض انتقام کے غصہ میں اگر یہی کرنا چاہتے تھے، تو پھر جو چوٹ انہوں نے پہاڑ سے کھائی تھی، اس کا بدلا یہ گھر کی "دو نسیل" سے کیوں لینے لگے،

بہر حال تینوں باپ بیٹوں نے اپنے شخصی انتقام کا نشانہ ہندوستان کے اہل سنت کے مولویوں ہی کو نہیں بلکہ اسلام ہی کو بنالیا، مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد جس وقت "اسلام" "کا ایوان" اپنے سارے متوسلین کے ساتھ چل رہا تھا، اس وقت ملا عبد القادر کا بیان ہے، کہ ابو الفضل کے زبان پر ہر تھوڑی دیر کے بعد حسب ذیل اشعار جاری ہو جاتے تھے،

آتش بدو دست خویش در خرمن خویش	چوں خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست منم دشمن خویش	اے وائے من و دست من و دامن خویش

الغرض اکبری دربار میں ابو الفضل و فیضی کا فتنہ بھی سچ پوچھو تو یہ علماء سوء ہی کا فتنہ تھا۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ شخصی اغراض نے بہ تدریج کیسی سخت قومی اور مذہبی خطرہ کی صورت اختیار کرلی تھی، اور آج بھی جو کچھ ہو رہا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ کن اثرات کے تحت ہو رہا ہے، ان فی ذلک لعبرۃ

کیسا دردناک نظارہ ہے، کہ خود دین کے معماروں کے ہاتھوں دین کی بنیاد کھد رہی تھی، اور کسی کو اس کا خیال بھی نہیں آتا تھا، کہ آخر اس کا انجام کیا ہوگا، علماء و مشائخ کی عام حالت تو یہی تھی، لیکن اللہ کے بندوں سے زمانہ کا کوئی حصہ خالی نہیں ہوتا۔ اسی ہنگامہ میں کبھی کبھی ایسے نفوس بھی نظر آجاتے ہیں جن کے سامنے دنیا سے زیادہ "آخرۃ" اور "نقد" سے زیادہ "نسیئہ" عزیز ہوتا ہے۔ حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا بدر الدین کا کارنامہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ ممتاز ہے، خاندانی حیثیت سے ان کا حکومت اور بادشاہ پر جو اثر تھا ظاہر ہے، لیکن جوں ہی بادشاہ کے طرز عمل میں یہ تغیرات شروع ہوئے، شاہی نوکری سے مستعفی ہو کر گھر بیٹھ گئے، اکبر نے چند بار خود ایوان خاص میں بلا کر ان کو سمجھایا، لیکن ہر ملاقات میں ناگواری بڑھتی رہی، انھوں نے قطعی طور پر "زمیں بوس" وغیرہ رسوم کا شدت سے انکار کیا، حکومت نے ان کے ساتھ سختیاں شروع کیں، آخر تنگ آکر چپ چاپ

جریدہ عزا بے نشستہ بشرف حج مشرف شد	اکیلے ایک کشتی میں بیٹھ کر "حج" کے شرف سے مشرف ہوئے

اور کعبہ کی دیوار کے نیچے کعبہ والے کی امانت بغیر کسی خیانت کے سپرد کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے، فاللّٰھم ارحمہ۔

درباری امراء میں ایک صاحب قطب الدین خاں تھے، اکبر اپنے دین جدید کی ان کو بھی تبلیغ کیا کرتا تھا، خاں صاحب نے ایک دن فرمایا۔

بادشاہان ولائت چوں اخوند کار روم وغیرہ ایشاں کہ ایں سخناں شنوند چہ گویند ہمہ ہمیں دین دارند خواہ تقلیدی باشد خواہ نہ

دوسرے ممالک کے سلاطین مثلاً روم کے اخوندکار (سلطان ترکی) وغیرہ اگران باتوں کو سنیں گے تو کیا کہیں گے، آخر وہ لوگ تو سب یہی دین رکھتے ہیں خواہ تقلیدی ہو، یا نہ،

اکبر ان کے اس فقرہ پر بگڑ گیا، اور غریب پر یہ الزام لگایا کہ تم "اخوندکار روم" کے دربار میں رسوخ حاصل کرنا چاہتے ہو، خوب خوب برسا، ایک اور امیر شہباز خاں تھے، بھرے دربار میں اللہ تعالیٰ کے اس بندہ سے نہ رہا گیا، جب بیربر کو بھی اس نے اسلامی ارکان پر تمسخر کرتے ہوئے دیکھا، بے ساختہ ان کی زبان سے "اے کافر ملعون تو ہم ایں چنیں سخناں مے گوئی" نکل پڑا، خان صاحب کی ان گالیوں کو سن کر اکبر آپے سے باہر ہو گیا اور کہنے لگا کہ "ایسے لوگوں کے منہ پر نجاست بھری ہوئی جوتیاں لگواتا ہوں"

بہر حال زیادہ تو نہیں، لیکن اکے، دکے اس قماش کے بھی لوگ کبھی کبھی نظر آجاتے ہیں، خود مولانا عبدالنبی جن کو اکبر نے زبردستی مکہ معظمہ جلا وطن کرا دیا تھا، جب دوبارہ ہندوستان واپس ہوئے ہیں، اس وقت حمیت وغیرت کی دبی دبائی چنگاریاں پھر چمک اٹھی تھیں، ایک دن بر سر گفتگو زبان سے چند سخت الفاظ بادشاہ کے روبرو نکل پڑے، وہی اکبر جس نے کبھی ان کی جوتیاں سیدھی کی تھیں ملا عبدالقادر لکھتے ہیں کہ،

مشتے مضبوط بہ نفس خود بر روئے اوزد زد گفت چرا بکار دنمی زنی ص ۳۱۱

ایک سخت مکہ بادشاہ نے خود اپنے ہاتھ سے (شیخ عبدالنبی) کے منہ پر مارا شیخ صاحب نے کہا کہ

چھری سے کیوں نہیں مار ڈالتے ہو۔

لیکن بدتمیزی کے اس طوفان کا مقابلہ بھلا ان تنکوں سے کیا ہو سکتا تھا؟ قدرت ہمیشہ ایسے موقعہ پر کسی ایسی "عظیم ہستی" کو بر سرکار لاتی ہے، جو وہبی کمالات اور غیبی قوتوں سے سرفراز ہوتا ہے، اور در اصل یہ ساری تمہید اسی بزرگ ہستی اور اس کے محیر العقول کارنامے، آہنیں عزائم وارادے کی تفصیل ہی کے لیے تھی، لیکن تمہید بھی اتنی طویل ہو چکی ہے، کہ اب اس کے لیے کسی دوسرے مستقل باب یا "مقالہ" کی ضرورت ہے بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مذکورہ بالا واقعات ہائلہ کے دیکھنے کے بعد اب اندازہ ہو سکتا ہے کہ مغلی تخت پر اکبر کے نام سے جو بادشاہ پچاس سال تک بیٹھا رہا، وہ کیا تھا، اور پھر اچانک عہد جہانگیری میں دریا کا رخ بدلتا ہے، تاکہ آنکہ شاہجہاں کے عہد تک پورا بدل جاتا ہے، اور عالمگیری دور میں تو وہ اسی سمت فراٹے بھرنے لگتا ہے، صرف اتنی سی بات حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے پہچاننے کے لیے اس وقت کافی ہو سکتی ہے، جب یہ بتا دیا جائے کہ یہ جو کچھ ہوا، حق تعالیٰ نے اس کا ذریعہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی ہستی گرامی کو بنایا، میں نے ارادہ کیا تھا کہ واقعہ کے اس رخ کو بھی تفصیل کے ساتھ لکھوں، لیکن میں جانتا تھا، کہ اکبری فتنہ جس کا دوسرا نام الف ثانی کا فتنہ ہے، عوام خواص بھی، بجز چند مشہور باتوں کے واقف نہیں ہیں، یا ان کو ناواقف رکھنے کی کوشش کی گئی ہے ضرورت تھی کہ اس پہلو کو خوب اچھی طرح واضح کیا جائے خدا کا شکر ہے کہ اس پر ایک سیر حاصل بحث کرنے کا مجھے موقعہ مل گیا، اگرچہ جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، اس کے مقابلہ میں بہت کم ہے، جو واقع ہوا تھا، اور جس کا مواد تاریخ کے منتشر اوراق میں بھرا ہوا ہے، خود ملا عبد القادر جن کی کتاب سے میں نے ان واقعات کا انتخاب کیا ہے، بندۂ خدا نے نہ جانے کس مصلحت سے ان کو تقریباً سینتیس سو صفحات میں انتہائی بے ترتیبی کے ساتھ پراگندہ صورت میں قلم بند کیا ہے ترتیب میں مجھے کافی وقت اٹھانی پڑی تاہم ایک کام ہو گیا، اب رہا دوسرا پہلو یعنی حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے تجدیدی کارنامے اس وقت چند کلی واقعات

کا ذکر کر کے ہیں اس اپنے مضمون کو سردست ختم کرتا ہوں۔

اکبر کی تخت نشینی کے آٹھویں سال ۹۷۱ھ ہجری میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت بہ مقام سرہند ہوئی، کم وبیش چالیس سال کا زمانہ آپ نے دورِ اکبری میں گذارا، حضرت کی عمر کا یہ حصہ زیادہ تر علوم ظاہری و باطنی اور کمالات باطنی کے حصول میں صرف ہوا، جوانی کے ایام میں آپ اکبر آباد (آگرہ) بھی تشریف لائے تھے، جہاں دربار کے ان دونوں عالموں ابوالفضل وفیضی سے آپ کی خوب خوب ملاقاتیں رہیں بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ جس ارادہ کا ظہور بعد کو ہوا، اس کا تخم ان ہی ملاقاتوں کے سلسلہ میں پیدا ہوا۔ ابوالفضل وفیضی آپ کی غیر معمولی قابلیت ذہن و ذکاوت سے بہت متاثر تھے بلکہ مشہور تو یہاں تک ہے کہ "سواطع الالہام" جو فیضی کی مشہور بے نقطہ تفسیر ہے، اس میں حضرت کی بھی امداد شریک تھی فیضی کو حیرت ہوگئی، جب ایک دن اس صنعت میں جس کا وہ ملتزم تھا، مضمون گرفت میں نہیں آرہا تھا، اس نے حضرت سے ذکر کیا۔ کہا جاتا ہے برداشتہ قلم آپ نے اسی صنعت بے نقطہ میں پوری عبارت لکھ دی۔ ان ہی دونوں کا ایک مشہور واقعہ یہ بھی ہے کہ عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا شرعی ثبوت سے پہلے ہی اکبر نے عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیئے اسی دن حضرت بھی ابوالفضل سے ملنے آئے پوچھنے پر ابوالفضل کو معلوم ہوا کہ حضرت تو روزے سے ہیں، اس نے وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا کہ چاند کے متعلق اب تک شرعی شہادت فراہم نہیں ہوئی ہے۔ ابوالفضل نے کہا کہ بادشاہ نے تو حکم دے دیا ہے اب کیا عذر ہے، بے ساختہ آپ کے منہ سے اس وقت یہ جملہ نکلا۔

پادشاہ بے دین ست اعتبارے ندارد

ابوالفضل خفیف سا ہو کر رہ گیا۔ پھر بھی اس نے پانی کا پیالہ اٹھا کر آپ کے منہ سے لگایا، لیکن آپ نے ہاتھ جھٹک دیا، اور اسی وقت غصہ میں گھر چلے آئے کہلا بھیجا کہ اہل علم سے ملنے جلنے کا شوق ہے تو ان سے ملنے کے طریقے سیکھو، ابوالفضل نے معافی مانگ لی، اور پھر آمد و رفت شروع ہوگئی، اس کے بعد آپ پھر والد کے اصرار

سے سرہند واپس لوٹ گئے، اور زندگی کا بقیہ حصہ اسی قصبہ میں گزرا حج کے ارادہ سے ایک دفعہ دہلی آئے۔ میاں حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ بعض غیبی اشاروں کے تحت ماوراء النہر سے دہلی پہنچ کر کسی کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ آتے ہیں۔

آمد آں یارے کہ ما مے خواستم

دونوں میں ملاقات ہوئی۔ پھر کیا طے ہوا خدا ہی جانتا ہے اس کے بعد دیکھا گیا کہ حضرت دوبارہ سرہند کی طرف لوٹ گئے، اور وہیں اپنے مرشد کی زیر نگرانی سلوک کے مقامات طے کرتے رہے۔ ابوالفضل اور فیضی کی صحبت آگرہ میں آپ کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی۔ ان لوگوں سے آپ کو "فتنہ" کے اسباب، اور ان موثرات کے سمجھنے کا خوب موقع ملا، جس نے بادشاہ اور اس کی حکومت کو اس نقطہ تک پہنچا دیا تھا۔ غالباً وہیں آپ نے ان حربوں کا پتہ چلا لیا، جن کی راہوں سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر رہے تھے، بتدریج آپ نے ان حربوں سے اپنے کو بھی مسلح کیا۔

خلاصہ یہ کہ اکبر کا زمانہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تیاری کا زمانہ تھا۔ ادھر اس کا انتقال ہوا اور جہانگیر تخت پہ بیٹھا۔ کہ آپ میدان میں اتر پڑے، بہر حال مکتوبات شریف سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہانگیر کے تخت پر بیٹھنے کے ساتھ ہی آپ نے اپنا کام شروع کر دیا، قریب قریب اس وقت آپ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو چکے تھے بہر حال یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بھی ملک کی سیاسیات میں شریک ہو کر، حکومت کا کوئی عہدہ اپنے ہاتھ میں لے کر کام کرتے، اور جس قسم کے وسائل آپ کو میسر تھے۔ یہ چنداں دشوار بھی نہ تھا۔ لیکن آپ نے بظاہر اپنے کو سلطنت سے بالکل الگ تھلگ رکھا، لیکن مکاتیب اٹھا کر دیکھو! جہانگیر کے دربار کا شاید ہی کوئی ممتاز رکن ہوگا جس کے نام سے آپ کے خطوط نہیں ہیں، خان اعظم، خان جہاں، خان خاناں، مرزا داراب، قلیج خاں۔ خواجہ جہاں اور سب سے زیادہ نواب سید فرید صاحب وغیرہم کے نام خطوط ہیں، ان تمام خطوط کا قدر مشترک صرف ایک ہی مقصد ہے کہ جس طرح ممکن ہو اس نقصان کی تلافی ہونی چاہیئے۔ جو اسلام کو اکبری عہد میں پہنچ گیا ہے، یہ

بات کہ آپ نے جہانگیر کے تخت نشینی کے ساتھ یہ کاروبار شروع کر دیا تھا اس کا پتہ خود آپ کے خطوط سے چلتا ہے۔ لالا بیگ جہانگیری دربار کے ایک امیر ہیں ان کے نام والے مکتوب میں فرماتے ہیں،

در ابتداء پادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت و مسلمانان اعتبار پیدا کردند فبہا واگر عیاذاً باللہ سبحانہ در توقف افتد کار بر مسلمانان بسیار مشکل خواہد شد الغیاث ثم الغیاث الغیاث

بادشاہت کے شروع ہی میں اگر مسلمانی کا رواج ہو گیا، اور مسلمانوں کا کھویا ہوا اعتبار حاصل ہو گیا تو کیا کہیے، لیکن العیاذ باللہ اگر اس میں کچھ رکاوٹ یا تاخیر ہوئی تو مسلمانوں کا کام سخت دشواری میں پڑ جائے گا، الغیاث (فریاد) الغیاث، (فریاد) الغیاث (فریاد)۔

آخر میں فرماتے ہیں، اور کتنے خروش و جوش کے ساتھ فرماتے ہیں۔

تا کدام صاحب دولت بایں سعادت مستعد گردد و کدام شاہ بازہ بایں دولت دست بردنماید و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ۵

دیکھیں کون ایسا صاحب دولت ہے۔ جو اس سعادت سے فیض یاب ہوتا ہے اور کس شاہ باز کی رسائی یہاں تک ہوتی ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے دے، اور خدا بڑے فضل والا ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں "خان جہاں" کو اسی مقصد کی طرف متوجہ فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

ہمیں خدمت کہ در پیش دارند اگر آں را باتیان شریعت علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام جمع سازند کار انبیاء کردہ باشند و دین متین را منور ساختہ و معمور گردانیدہ ما فقیراں اگر سالہا جان بکنیم درین عمل بہ گرد شما شاہ بازاں نرسیم ۵

یہی نوکری جو تم کرتے ہو۔ اگر اس کو آنحضرت صلعم کی شریعت کے زندہ کرنے کا ذریعہ بناؤ، تو تم نے گویا پیغمبروں کا کام کیا، دین متین کو روشن کر دو گے اور آباد کرو گے، ہم فقیر لوگ اگر اپنی جان بھی لگا دیں جب بھی آپ جیسے شاہ بازوں کی گرد تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند کس بمیدان درنمی آید سواراں چہ شد۔	سعادت اور توفیق کی گیند میدان میں پھینکی گئی ہے۔ میدان میں کوئی نہیں اتر رہا ہے۔ آخر سواروں کو کیا ہو گیا ہے۔

اور مکتوبات شریف میں تو اس قسم کے مضامین کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دربار کے ان امراء پر آخر کس طرح قابو حاصل کیا، حالانکہ کوئی زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا۔ یہ جتنے تھے اکبر ہی کی بھیلی کے چٹے بٹے تھے ابوالفضل و فیضی کے فیض یافتہ تھے ان اسباب کا احاطہ اور استقصاء اور وہ بھی اس مقالہ میں مشکل ہے۔ لیکن سرسری طور پر اس عہد کے علماء اتنا تو اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لکھنے لکھانے میں کیا وہ رنگ اختیار نہیں کیا تھا جو اس عہد کے بڑے سے بڑے انشا پردازوں کا تھا، ایک طرف آپ ابوالفضل کی سحر نگاریوں کو رکھیے، اور دوسری طرف حضرت مجددؒ کے زور قلم کو رکھیے پھر اندازہ کیجئے کہ انشاء کا زور کس میں ہے اسی کے ساتھ آپ نے "دینی حقائق" کی تعبیر میں بھی اپنے زمانہ کا ساتھ دیا کہتے وہی تھے، جو تیرہ سو سال پیشتر سے کہا جاتا تھا۔ لیکن کہنے کا ڈھب وہ اختیار کیا، کہ سننے والے کو محسوس ہوتا تھا، کہ شاید کوئی نئی باتیں سن رہا ہے، ایک نیا فلسفہ نئے نظریات، جدید نظام اس کے سامنے پیش ہو رہا ہے۔ یہ ہیں مجددانہ ہاتھوں کی چابکدستیاں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے زمانہ کے عامی و عاموں پر قابو حاصل کرتے ہیں۔ اور قابو پا لینے کے بعد تو پھر اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ اس راہ سے آپ مخاطب کے دل میں جو چاہیئے ڈالیے، جن متشیانہ اور فلسفیانہ تعبیروں سے الحاد پیدا کیا گیا تھا۔ شیخ فاروقی کے خطوط میں دیکھو ٹھیک ان ہی تعبیروں سے وہ براہ راست قرآنی تعلیمات، اور پیغمبرانہ سنن کی عظمت قلوب میں اتارتے چلے جاتے ہیں۔

کیا اس زمانہ کے علماء کے لیے اس میں کوئی عبرت ہے؟ یاد رکھنا چاہیئے کہ عوام سے مراد کبھی وہ جماعت نہیں ہوتی۔ جن کا شمار ان پڑھے جاہلوں میں ہے بلکہ ہر قوم کا یہ

طبقہ ان لوگوں کے زیر اثر رہتا ہے جو دنیاوی حیثیت سے مناصب وجاہ کے مالک ہوتے ہیں، حضرت مجدد صاحب رح کا قلم اسی طبقہ کے شکار میں بڑا ماہر تھا، آج بھی عوام پر ان ہی لوگوں کا اثر ہے۔ جو انگریزی تعلیم پا کر حکومت میں کسی عہدہ باوقار کے مالک ہیں۔ عام مسلمانوں کو قابو میں لانے کے لیے ضرورت اس کی تھی، کہ علماء اس طبقہ کو اپنے دائرہ عقیدت سے نکلنے نہ دیتے، لیکن اس بدبختی کا کیا علاج ہے کہ یہ صف مقابل کی ایک جماعت ٹھہرائی گئی ہے۔ علماء صرف ان لوگوں پر قناعت کیے ہوئے ہیں، جو ابھی حکومت سے دور ہیں یا دوسرے لفظوں میں جن پر جدید تعلیم کا اثر نہیں پڑا ہے۔ لیکن بکری کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ خصوصاً لازمی تعلیم کے بعد کیا آپ اُمید کرتے ہیں کہ آپ کی قوم میں پھر کوئی ایسی جماعت بھی رہ جائے گی۔ جس کو موجودہ تعلیم کی ہوا نہ لگی ہو، اگرچہ قیمتی اوقات کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے، لیکن پھر بھی کامل مایوسی کی حد تک بات نہیں پہنچی ہے۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ چیز بس بھی اسی وقت کارگر ہو سکتی ہیں۔ جب ان سے بھی پہلے کام کرنے والا اپنے اندر اس "یقین" کو پیدا کر چکا ہو، جو بے چین کر کے اس کو کام کرنے کے لیے مضطرب اور بے کل کر دے، وہ کام کو نہ اٹھائے بلکہ کام ہی اس کو اٹھائے اور نہ مذبذب ٹھنڈے دلوں سے آپ اس گرمی کو کہاں پیدا کر سکتے ہیں جس کے شعلے حضرت مجدد کے لفظ لفظ سے پھوٹے پڑتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے، کہ ابھی علماء کے چند افراد ہیں، "یقین" کا یہ ذخیرہ باقی ہے، وہ اس کو دوسروں تک منتقل کر سکتے ہیں، لیکن صرف اس کی ضرورت ہے کہ جن کو یہ "یقین" سپرد کیا جائے، ان کو عصری اسلحہ اور آلات سے بھی تھوڑا بہت مسلح ہو جانے کا سامان کر لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ اسی گرد سے کوئی "سوار" آج نہیں تو کل نکل پڑے۔

خیر یہ ایک ضمنی بات تھی، میں اپنے اس مضمون کو محض ان چند باتوں کے ذکر کے بعد ختم کرتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ درباری امراء کو قابو میں لانے کے بعد حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو ابتداء میں بعض دشواریاں بھی اٹھانی پڑیں۔ بعض اہل علم جو آپ کو اور آپ کے نصب العین کو نہ سمجھ سکے، کچھ اپنی جیسی تنگ نظریوں سے حضرت کو بھی انہوں نے متہم خیال کیا، اور یہ معاصرانہ رشک وحسد کے سلسلہ میں حسب دستور وہی چند پینترے جو اس جماعت کی طرف سے ہمیشہ ارباب حق کے مقابلے میں نکالے جاتے ہیں، آپ کے ساتھ بھی نکالے گئے آپ پر بعضوں نے کفر کا فتویٰ بعضوں نے فسق کا فتویٰ صادر کیا بادشاہ کو بھی بدگمان کرنے کی کوشش کی گئی۔ "یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے"۔ علماء سوء نے احبار یہود کی پیروی میں بادشاہ کے کان میں اس کی بھی بھنک ڈالی، امراء وقت حکام عصر کی آپ کی ذات کے ساتھ گرویدگی اس یہودیانہ اہتمام کی ممد ثابت ہوئی آخر آپ کو کچھ دن کے لیے اس منزل سے بھی گزرنا پڑا، جس سے ہمیشہ اس راہ کے چلنے والوں کو گزرنا پڑا ہے، آپ کو گوالیار کے قلعہ میں قید کیا گیا، زندان کے یہ دن حضرت مجددؒ کے بڑے پرلطف گزرے، مکتوبات میں اس کی طرف مختلف مقامات میں اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ کما لا یخفی علی من طالعہا۔

لیکن "حق" کا آفتاب کب تک چھپا رہتا، صبح ہوئی اور اس کا دمکتا ہوا "چہرہ" لوگوں کے سامنے تھا۔ ان شاء اللہ، جب کبھی اس حصہ کی تکمیل کا موقعہ آیا اس وقت اس کی پوری تفصیل کی جائے گی، بالفعل صرف حضرت کے اس مکتوب گرامی کو اپنے مضمون کا خاتمہ بناتا ہوں، جو اپنے صاحبزادوں حضرت خواجہ محمد سعید و خواجہ محمد معصوم کے نام آپ نے دہلی سے اس وقت لکھا، جب زندان بلا سے" رہائی کے بعد آپ جہانگیر کے دربار میں بصد عزت واحترام حق تعالیٰ کی طرف سے شریک کیے جاتے ہیں اور روزانہ بعد مغرب بادشاہ سے خاص صحبت رہتی ہے۔ یہ تیسری جلد کا (۴۳) مکتوب ہے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذی اصطفی احوال واوضاع این حدود مستوجب حمد

اس طرف کے حالات بہت اچھے ہیں اور موقع شکر کا عجیب وغریب صحبتیں گزاری جا رہی ہیں اللہ

است صحبتہائے عجیب و غریب سے
گذارند بعنایت اللہ سرہ سئے درین
گفتگو ہائے امور دینیہ و اصول اسلامیہ
ساہلہ و مداہنتہ راہ نمی یابد و ہمان عبارات
کہ در خلوات و در مجالس خاصہ بیان میگردد
درین معرکہ ہا بتوفیق اللہ سبحانہ بیان می
نماید اگر یک مجلس را نویسد دفترے باید
خصوصاً امشب کہ شب ہفتدہم رمضان بود
آن قدر را از بعثت انبیاء علیہم الصلوات
والتسلیمات و از عدم استقلال عقل و از
ایمان بآخرت و عذاب و ثواب دران
و اثبات رویت و از خاتمیت نبوت
خاتم الرسل، و از مجدد ہر مائۃ و از اقتدا بہ
بخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
و سنۃ تراویح و از بطلان تناسخ و از
احوال جن و جنیان و از عذاب و ثواب
ایشان و امثال آنہا بسیار مذکور شد و بحسن
استماع مسموع گردید و ہم چنیں درین ضمن
اشیائے دیگر از احوال اقطاب و ابدال و
اوتاد و بیان خصوصیات ایشان کذا و کذا
مذکور گشت الحمد للہ سبحانہ کہ بجا مے مانند
و تغیرے ظاہر نمی شود درین واقعات
و ملاقات شاند حق را سبحانہ و تعالےٰ

کی عنایت سے اپنی ان ساری گفتگوؤں میں
دینی امور اور اسلامی اصول کے متعلق بال برابر کسی قسم
کی نرمی یا سستی کا اظہار نہیں ہوا، وہی باتیں جو
خاص مجلسوں اور خلوت میں بیان کی جاتی تھیں ان
معرکوں میں بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے وہی بیان
ہو رہی ہیں اگر میں کسی ایک مجلس کا بھی حال لکھوں
تو اس کے لیے ایک دفتر چاہیئے خصوصاً آج
کی رات جو رمضان کی ۱۷ تاریخ ہے پیغمبروں
(علیہم الصلوات والتسلیمات) کی بعثت اور یہ کہ
"عقل" (زندگی کے تمام مسائل کے لیے) مستقل
اور کافی نہیں ہے، اور آخرت عذاب و ثواب پر
ایمان لانے، حق تعالیٰ کے دیدار اور خاتم الرسل
(صلی اللہ علیہ وسلم) کی ختم نبوت اور ہر صدی کے
مجدد اور خلفائے راشدین کی پیروی (رضی اللہ
عنہم) اور تراویح کا مسنون ہونا، تناسخ کا باطل
ہونا، جن اور جنیوں کا ذکر ان کے عذاب و
ثواب کا مسئلہ اور اسی قسم کی بہت سی باتوں
کا ذکر رہا۔ (بادشاہ) نے خوبی و حسن کے ساتھ
سنا، اسی سلسلہ میں اقطاب و ابدال و اوتاد
اور ان کی خصوصیتیں۔ مثلاً یہ ہیں۔ ان
باتوں کا بھی ذکر آیا خداوند تعالیٰ کا شکر
ہے کہ بادشاہ ایک حال میں رہے، اور
کسی قسم کا کوئی تغیر وجوبہ ہی پہ دلالت کرے

مصلحتہا وسرہا مکنون بود الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق۔

اس کا اظہار نہ ہوا، شاید ان ملاقاتوں میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں ہوں۔ اور ان کے اسرار ان میں پوشیدہ ہوں، شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بات کی طرف راہنمائی فرمائی ہم اس راہ کو پا نہیں سکتے، اگر حق تعالیٰ راہ نہ دکھاتے، بلاشبہ ہمارے رب کے پیغمبر ”حق“ کے ساتھ آئے۔

دیگر ختم قرآن را تا سورہ عنکبوت رسانیدہ ام شب کہ ازاں مجلس برگشتہ مے آئم بہ تراویح اشتغال مے یابم ایں دولت عظمیٰ حفظ دریں فترات کہ عین جمعیت بود حاصل گشت الحمد للہ اولاً و آخراً۔

دوسری بات ختم قرآن سورہ عنکبوت تک پہنچا چکا ہوں۔ رات کو جب اس مجلس (شاہی مجلس) سے واپس آتا ہوں، تب تراویح میں مشغول ہوتا ہوں۔ اور حفظ کی دولت جوان پریشانیوں میں (جو عین جمعیت تھی) حاصل ہوئی الحمد للہ اولاً و آخراً

غور سے بار بار اس مکتوب کے ہر لفظ پہ غور کرنا چاہیئے، جس تفصیل کا میں نے اپنے دوسرے مقالہ میں وعدہ کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے، اس کا اجمال سب اس میں موجود ہے۔ خصوصاً اس مکتوب میں آپ نے ان مضامین کی ایک اجمالی فہرست دے دی ہے جن پہ آپ ”الف ثانی“ کے فتنہ اکبری کے ردعمل کے لیے گفتگو فرماتے رہتے تھے کلیات تقریباً سب ہی آگئے ہیں۔

بہر حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس کے بعد جہانگیر کی گرویدگی اتنی بڑھی کہ برابر اپنے ساتھ آپ کو شاہی کیمپ میں رکھتا تھا، اور آخر میں اپنے ولی عہد شاہزادہ خرم (شاہجہان) کو آپ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کا حکم دیا، اور یوں مغل امپائر کو خدا کے ایک فقیر نے بے داموں خرید لیا، چاہتا تو اس سے وہ اپنی بادشاہی کا کام لے سکتا تھا۔ لیکن وہ اس کے بعد بھی فقیر ہی رہا۔

بلکہ سچ یہ ہے کہ کتنوں بادشاہوں کو بادشاہی کے ساتھ بھی فقیر ہی بنائے رکھا۔
والقصہ بطولہا و انشاء اللہ سانزل الیہا نزلۃ اخری ۵

اگلے صفحہ سے جو مضمون شروع ہو رہا ہے وہ اس مضمون کی دوسری قسط ہے، جو مولانا گیلانی مرحوم کئی مہینے کے بعد لکھ سکے تھے۔ مرتب

الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ

(۲)

تصوف و صوفیہ

حضرت مجدد امام سرہندی قدس سرہ العزیز کے متعلق اب تک جو کچھ لکھا گیا تھا زیادہ تر اس کا تعلق حضرت ہی کے فقرہ

در سلطنت پیشین عناد بدین مصطفوی مفہوم می شد (مکتوب ۶۵ دفتر اول)	پچھلی حکومت میں دین مصطفوی سے دشمنی اور عناد مفہوم ہوتا تھا۔

کی شرح سے تھا۔ ملا عبد القادر بدایونی (پیش امام دربار اکبری) کی حلفی شہادت کی روشنی میں اسی مرقع کو بے نقاب کیا گیا تھا، اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ ملا صاحب نے جو لکھا ہے۔ خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف مکتوبات میں بھی اجمالاً اس کا ذکر پایا جاتا ہے مثلاً مکتوب ج ا ۴۷ میں فرماتے ہیں۔

در قرن ماضی (عہد اکبری) بر سر اہل اسلام چہا گذشتہ زبونی اسلام باوجود کمال غربت در قرون سابقہ ازیں نگذشتہ بود کہ مسلمانان بہ دین خود باشند و کفار بہ کیش خود کریمہ لکم دینکم ولی دین بیان این معنی است و در قرن ماضی کفار	مسلمانوں پہ پچھلے دور میں کیا کچھ گذر گیا، اسلام کی زبوں حالی پہلے زمانہ میں اس سے آگے نہ گئی تھی۔ کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کفار اپنے دین پر لکم دینکم ولی دین کی آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے لیکن گذشتہ دور (اکبری) میں کھلے بندوں اسلامی سلطنت میں

ع؎ تمہارے لیے تمہارا دین، میرے لیے میرا دین ۱۲ منہ۔

برملا بطریق استیلا اجرا احکام کفر در بلاد اسلام می کردند و مسلماناں از اظہار احکام اسلام عاجز بودند اگر میکردند بہ قتل رسیدند ص۶۵

کفر کے قوانین غالب اور نافذ تھے بحالیکہ مسلمان اسلامی قوانین کے اظہار سے عاجز تھے اگر ظاہر کرتے تو قتل کیے جاتے۔

کیا غریب ملاّ کی شہادتیں اس سے بھی زیادہ تیز و تند ہیں، اور یہ تو عہد اکبری کا حال تھا، خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کی علینی شہادت ان الفاظ میں قلم بند فرماتے ہیں۔

اسلام ضعیف گشتہ کفار ہند بے تحاشا ہدم مساجد می نمایند و در آنجا تعمیر معبد ہائے خود می سازند۔ مکتوبات امام ربانی ۱۶۳ ج ۱

اسلام اتنا کمزور ہو گیا ہے، کہ ہندوستان کے کفار بے کھٹکے مسجدوں کو گرا رہے اور ان کی جگہ اپنے مندر بنا رہے ہیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی نیستاں میں جو آگ لگی تھی اس کی شعلہ فشانیاں کس حد کو پہنچی ہوئی تھیں۔ مکتوب ۹۲ ج ۲ میں خود اپنے جوار کے ایک جزئی حادثہ کی خبر ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

در تھانیسر درون حوض کرکھیت مسجدے بود و مقبرہ عزیزے آں را ہدم کردہ بجائے آں دیرہ کلاں ساختہ اند۔ مکتوبات ۱۶۲

تھانیسر میں کرکھیت (غالباً کورک شتر) کے تالاب کے اندر ایک مسجد اور ایک معزز آدمی کی قبر تھی ان کو ڈھا کر بجائے اس کے "دیرہ کلاں" "مندر" بنایا گیا ہے۔

مکتوب ۶۵ ج ۲ میں ایک اور واقعہ کی خبر ان دردناک لفظوں میں درج فرماتے ہیں۔

در نواحی نگر کوٹ بر مسلمانان در بلاد اسلام چہ ستمہا نمودند چہ اہانتہا رسانیدند۔ ص۱۳۸ ج ۲

نگر کوٹ کے پاس مسلمانوں پر اسلامی حکومت کے اندر ان کافروں نے کیسے کچھ مظالم ڈھائے ہیں اور مسلمانوں کی کیسی کیسی توہین و تذلیل کی ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ جیسے "ثقہ" و "حجت" کی ان کھلی کھلی شہادتوں کے بعد بھی عبدالقادر کے بیانات میں کون شک کر سکتا ہے۔ اگر اس کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی قسمت کے متعلق یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

اہل کفر بہ مجرد اجراء احکام کفر بہ ملاء در بلاد اسلام راضی نمی شوند، می خواہند کہ احکام اسلامیہ را بالکلیہ زائل گردانند تا اثرے از مسلمانی و مسلمانان پیدا نشود،
مکتوبات شریفہ ص۸۶ ج ۱

کفر والے صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ اسلامی حکومت میں کھلے بندوں ان کے کافرانہ قوانین نافذ ہو جائیں بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام اور قوانین سرے سے ناپید اور نابود کر دیئے جائیں ان کو اتنا مٹا دیا جائے کہ مسلمانی اور مسلمان کا کوئی اثر اور نشان یہاں باقی نہ رہے۔

تو اس پر تعجب کیوں کیا جائے، اور آج دیکھو! کہ اسی خونی فیصلہ کی ننگی تلوار مسلمانوں کے سروں پر لٹک رہی ہے۔ ان کا اب باقی ہی کیا تھا، زبان میں چند الفاظ تھے، اور معاشرت میں کچھ رسوم تھے، جن سے آئندہ مؤرخ شاید یہ استدلال کر سکتا تھا کہ کسی زمانہ میں مسلمان نامی قوم بھی اس سرزمین پہ آباد تھی، لیکن ان الفاظ کو بھی مٹایا جا رہا ہے اور ان رسوم کے محو کرنے کا بالجزم عزم کر لیا گیا ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

دولت، علم، جاہ، زر، زمین کی قوتوں سے محروم ہونیوالی قوم کاش! اب بھی اتنا سمجھ لیتی کہ ایک طاقت اب بھی (قسم ہے) اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اُس کے قبضہ میں اور صرف اس کے قبضہ میں باقی ہے جس کے بعد قدرت اور اس کے سارے قانون کی حمایت اس قوم کے لیے واجب ہو جاتی ہے"، یہ "صوفیوں" کا عمل سوز اور "مولویوں" کا ادعا افروز دعویٰ نہیں بلکہ اس کتاب کا فقرہ۔

کان حقاً علینا نصر المؤمنین ایمان والوں کی نصرت و اعانت ہم پر واجب ہے۔

ہے جس کے کسی لفظ کا انکار ہی نہیں بلکہ اس کے متعلق صرف شک کا احساس ہمیشہ کے لیے اسلام سے محروم کر کے آدمی کو مرتد بنا دیتا ہے، کیسی عجیب نصرت کیسی حیرت انگیز پشت پناہی اور قوت جس کے لیے نہ ایم۔ اے کی ڈگریوں کی حاجت ہے اور نہ دیوبند کی سند تکمیل کی حاجت نہ چندوں کے لیے دوسروں کے سینہ کے بوجھ بننے کی حقارت برداشت کرنے کی مشق و ممارست نہ صحافی و مجلسی شور و شغب (پروپیگنڈا) کے فقدان پر دست تاسف

حسرت ملنے کی حاجت صرف ایک ذہنی تبدیلی ایک فکری انقلاب تذبذب، اور تشکیک کی دماغی کیفیت کو، فقط ایک قلبی یقین کی شکل میں بدل دینے کے ساتھ خدا کی قسم آسمانوں سے

انتم الاعلون تم ہی اونچے ہو

کی ملکوتی شاباشیوں کا شور بلند ہو جاتا ہے جس امت کے عام افراد میں حصول قوت کی اس معنت ترین تدبیر کے سمجھنے اور سمجھنے سے زیادہ عمل کرنے کی بھی صلاحیت مفقود ہو چکی ہے اب اس سے کیا کہا جائے اور کس طرح کہا جائے۔ عہد سابق کے ان عملی تجربات بلیغ سے قطع نظر بھی کر لیا جائے جو اس نسخہ کے استعمال کے متعلق تواتر کی روشنی میں جگمگا رہے ہیں جس کی داستانوں سے روم و ایران کا گوشہ گوشہ بٹا ہوا ہے، تھوڑی دیر کے لیے ان سے اعتماد اٹھا بھی لیا جائے اور بجائے اس قرآنی قوت کے مغربی مورخین کے ستم ظریفانہ اختراعی اسباب ہی میں ان کامیابیوں کے راز کو پوشیدہ فرض کر لیا جائے جو ان کمزوروں کو ان زورآوروں کے مقابلہ میں حاصل ہوئی تھیں جن سے ہندوستان کے مسلمان یقیناً زیادہ کمزور نہیں ہیں۔ اور نہ ان کے سامنے اتنی ہیکڑی والے ہیں۔ جتنے منہ زوروں سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی تھی شامل کر لیا جائے، پارینہ افسانوں ہی میں ان قصوں کو شامل کر دیا جائے لیکن اس میں کیا مضائقہ تھا کہ جس کے لیے دنیا کی دشمنی انہوں نے خریدی ہے، ایک دفعہ اس کا خود ہی تجربہ کر لیتے، معیار یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نظریہ (نحا کم بدھن) اگر کسی کو کھوٹا نظر آتا، تو طے کر کے اس الزام سے العیاذ باللہ اپنی آخری برأت کر لی جاتی۔

کتنے اچنبھے کی بات ہے۔ قومیں اس لیے ہم پر غراتی ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تلواریں اس لیے ہم پر اٹھتی ہیں کہ ہم اہل ایمان ہیں لیکن کوئی ہوتا کہ جس الزام کی فرد جرم ہم پر لگائی جا رہی ہے آہ کہ حقیقی معنوں میں ہم اس کے مرتکب ہی نہیں ہیں۔ لیکن حماقت سے اس کا انتساب اپنی طرف سے کر رہے ہیں یا کرا رہے ہیں کاش ہم اس جرم کے مرتکب ہوتے اور میری آخری تمنا یہی ہے کہ ہم پر جو الزام تھوپا جا رہا ہے، جس کو تھوپ کر ہمارے سر کچلنے کا

سامان اندر اور باہر کیا جا رہا ہے، یہ الزام واقعہ میں بھی ہم پہ تھپ جانا ـــــ خون ہوگا آہ! اور یہ کیسا ناحق خون ہوگا، کہ جس الزام میں اس قوم کا خون بہایا جائے گا، واحسرتاہ کہ اس سے اس کا دامن پاک تھا۔

"اس گنہ میں مجھے مارا کہ گنہ گار نہ تھا"

کیسا بدبخت ہے وہ جو غازی بن کر اگر زندہ نہ رہ سکتا تھا تو اسے شہید بن کر بھی مرنا نصیب نہ ہوا۔

ولئن متم او قتلتم لا الی اللہ تحشرون — اگر وہ ایمان کی حالت میں مرتے یا مارے جاتے تو اپنے اللہ کے قدموں پہ اٹھتے۔

کیا کہا گیا تھا؛ مخلوقات، ہر قسم کے مخلوقات، ہر طبقہ کی مخلوقات سے عبادت و دعاء کا استعانت، واستمداد کا تعلق توڑ کر اسی نسبت کو صرف الرحمٰن الرحیم کے ساتھ جوڑ دو۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ — ہم تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے اعانت چاہتے ہیں۔

کی چٹان پر قدم جماؤ، اس طرح جماؤ کہ جان قالب سے اکھڑ جائے لیکن پاؤں اس چٹان سے نہ اکھڑے، عبادت و استعانت کی یہی یک رخی یک سوئی تو پہلا کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ترجمہ تھا جس کے ساتھ یہ دونوں تعلق ہوں اسی کو تو اللہ کے رسول (صلوٰت اللہ علیہ وسلامہ) نے تمہارا "اِلٰہ" بنا کر تمہارے سپرد کیا تھا، وصیت کر کے گئے تھے۔ تمہارے ان باپ دادوں کو جنہوں نے اللہ کے اس ہاتھ پہ بیعت کی تھی کہ اپنی ہر ضرورت کو اپنے اسی الٰہ سے مانگنا نمک بھی جب گھٹ جائے اور چپل کی گٹھائی بھی جب وہ ٹوٹ جائے لیکن جو کچھ بھی اپنے نفس کے بصیر ہیں معاذیر کے پردوں کو چاک کریں اور دیکھیں، کہ تمہارا پہلا طیب کلمہ تک بھی، کیا واقعی تمہارے لیے طیب اور پاک رہ گیا ہے۔ جو جمادات و حیوانات سے آزاد ہیں۔ وہ جنوں اور ملائکہ کے ساتھ الجھے ہوئے، اور جنہوں نے ان سے گلو خلاصی کی وہ مردہ جسموں کی زندہ روحوں سے کیا اپنے کو لگائے نہیں بیٹھے ہیں۔

زندہ روحوں کے جسد جس خاک میں مدفون تھے اجس نے اس کے آگے ماتھا ٹیکا کہا گیا کہ اس نے اللہ کے ساتھ ایک اور "اِلٰہ" کو شریک کیا، لیکن جو زندہ روحوں کے زندہ جسد کے آگے جھکا۔ اسی سے اپنی امید بھی قائم کی، اور اسی کے ضرر سے وہ ڈرتا بھی ہے تو تم نے کیسے کہا کہ اس کا "اِلٰہ" تو اب بھی اللہ ہی ہے، پھر اس گروہ کو میں کیا کہوں۔ جو اپنے باپ دادوں کے اس طریقہ پر اس لیے قہقہہ لگاتا ہے کہ جو "اِلٰہ" نہیں تھا، اس کو انہوں نے اپنا "اِلٰہ" بنا رکھا تھا، لیکن شیطان کے اس ٹھٹھے کی آواز کون سنتا ہے، جب وہ اپنی تالیوں کو پیٹ کر چلایا، کہ جو "اِلٰہ" نہیں تھا، تمہارے اگلوں نے اس کو "اِلٰہ" بنایا، لیکن جو واقعی سچا تھا، کیا ان کے پچھلوں نے اس کو اپنا اِلٰہ بنانے سے انکار نہیں کیا؟ اگلوں کا لاالٰہ غلط تھا تو پچھلوں کے الا اللہ کو میں نے کب صحیح رہنے دیا، پدر جن کے آذر تھے اپھر کیا ان کے پسر میں کوئی ابراہیم باقی ہے؟ اوپر سے نیچے تک بھانت بھانت کی بولیوں والے جو تم میں بول رہے ہیں، خدارا بتاؤ، جو فہرست اوپر پیش کی گئی ہے۔ کیا اس کے کسی نہ کسی خانہ میں اس قوم کے افراد بیٹھے نظر نہیں آتے ہیں، ان ہی خانوں میں سے کسی ایک میں جس میں گھسنے سے ان کا پہلا کلمہ ان کو روک رہا تھا الا ما شاء اللہ وقلیلٌ ما ھم۔

جب عذاب کا سوط، اور خداوند خدا کے جلال کا کوڑا اکثروا فیھا الفساد (بگاڑ کو جب انہوں نے بڑھا دیا) کی پیٹھ پر برسنے لگتا ہے، تو اگر تمہارے چند کا لا الٰہ الا اللہ درست بھی رہا، وہ اس کوڑے کو کیسے روک سکتا ہے، جس کی بارش فساد کی اکثریت پر مبنی ہے لوگ باہر ہیں ارحم الراحمین کے رحم کو ڈھونڈھتے ہیں، حالانکہ اس کا چشمہ اندر سے پھوٹتا ہے باہر ہیں عذاب کے ٹلنے کی دعا سے زیادہ اپنے دلوں کے بدلنے کی دعا کرو، تم کنگروں کو رو رہے ہو، حالانکہ تمہارے قصر کی پہلی بنیادی اینٹ خدا کی قسم ہل چکی ہے اور وہ اوپر سے نہیں اندر سے بیٹھتی ہے۔ مجلسوں اور انجمنوں میں نہیں بلکہ اندھیری رات کی تاریک گھڑیوں میں کچھ طے کیا جاتا ہے اور طے ہے کرنے کا نام تو ایمان ہے۔

میں کیا لکھنا چاہتا تھا اور کیا بڑھا نکنے لگا، پھوٹا ہوا زخم بہتا ہے بہنے دیا گیا۔ اللہ کے

بندو! زخمی پر رحم کرو، روتا ہے تو اسے رونے دو، بہر حال یہ کہہ رہا تھا کہ ملا عبد القادر نے سچ پوچھیے تو وہی کچھ بیان کیا ہے، جو حضرت مجدد رح نے لکھا ہے، فرق صرف تفصیل و اجمال کا ہے، بلکہ مجھے افسوس ہے کہ گذشتہ نمبر کے لکھنے کے وقت میری نظر ابو الفضل کی ان روایتوں پر نہیں پڑی تھی جن سے عبد القادر کے لفظ لفظ کی توثیق ہوتی ہے، خیال ہے کہ کسی دوسری اشاعت یا مستقل نمبر میں "دشمن عبد القادر" کی شہادتوں کے ساتھ "دوست ابو الفضل" کی روایتوں کا بھی اضافہ کر دوں۔ لیکن اب وہ مضمون کافی طویل ہو چکا ہے مجھے اب حضرت مجدد امام کے دوسرے تجدیدی شعبوں کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے۔

غالباً مجدد نمبر والے مضمون میں عہد اکبری کے "اس فتنہ" کے چند در چند اسباب میں سے زیادہ تر میں نے زور صرف دو سببوں پر دیا تھا یعنی (۱) حکومت (۲) علماء سوء، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر تحلیل و تجزیہ سے کام لیا جائے تو اس فتنہ کے ابھارنے پھولنے پھلنے میں علاوہ ان دو سببوں کے یہ دو اہم اسباب اور بھی تھے۔

۱۔ دربار رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باریافتوں، اور شرف صحبت کے سعادتمندوں کی تحقیر کرنے والی جماعت۔

۲۔ دوسرا وہ گروہ جن کی تعبیر مجدد امام کے الفاظ میں "صوفیہ خام" ہے، ہمارے دوست مولٰنا نعمانی غالباً الفرقان میں سبب ثالث کے متعلق کافی بحث فرما چکے ہیں اور ضمنی طور پر خاکسار نے بھی اپنے گذشتہ مضمون میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس وقت میرے سامنے صرف چوتھی چیز ہے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کا صحیح اندازہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک "عمل تجدید" سے پہلے ہندوستان میں صوفیائے خام" کے ہاتھوں اسلام پر جو مصیبت ٹوٹ پڑی تھی۔ اس کو نہ بیان کیا جائے

لے جو زیادہ بہچلین ہوں وہ آئین اکبری کے اس حصہ کا مطالعہ کریں جس میں ابو الفضل نے اکبری عقائد و لنظریات کو "فرمودند" کے عنوان سے پھیلا کر بیان کیا ہے ۱۲ منہ۔

عہ افسوس یہ کام رہ گیا اور صاحب مضمون مولانا گیلانی اس دنیا سے اٹھا لیے گئے "وکم حسرات فی بطون المقابر" نعمانی عفی عنہ۔

میں چاہتا ہوں کہ خود حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس عہد کے ان خام کاروں کی تصویر مرتب کروں، اس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ ان غلط فہمیوں کا پردہ چاک کیا جائے گا۔ جن کی گرد اچھال کر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تو بہت زیادہ اور ایک حد تک اب تک یہ غوغا کیا جا رہا ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے گذشتہ ارباب معرفت وسلوک کے اہم مسلمات کا انکار فرمایا ہے۔ واللہ المستعان،

بہر حال ہندوستان میں جس وقت الف ثانی کی تجدید کا کام شروع ہوا ہے، اس وقت "اسلامی شریعت" یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل آدم کے لیے جو "آئین حیات" خدا کے حکم سے پیش فرمایا تھا، خود اس کی تبلیغ کے مدعیوں بلکہ اسی کے نام کی روٹی کھانے والوں کے ایک طبقہ کا یہ حال تھا۔

اکثر ابنائے ایں وقت بعضے بتقلید بعضے بمجرد علم بعضے دیگر بعلم ممتزج بذوق دلو فی الجملہ بعضے بالحاد وزندقہ دست بدامن ایں توحید وجودی زدہ اند وہمہ را از حق می دانند بلکہ حق می دانند۔

اس زمانہ کے بعضے نہیں بلکہ اکثر لوگ جنہیں کچھ تو بطور تقلید کے کچھ محض علم کے زور سے اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے علم میں کچھ "ذوقی کیفیات" بھی شریک ہیں خواہ جس قدر بھی شریک ہوں اور کچھ لوگوں نے محض الحاد وزندقہ کے طور پر "توحید وجودی" کے دامن کو پکڑ لیا ہے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ سب کو حق سے جانتے ہیں بلکہ سب کو خدا سمجھتے ہیں۔

اور اس "توحید" کا نتیجہ صرف ارباب الحاد وزندقہ ہی نہیں بلکہ ان سب نے جن کا تذکرہ کیا گیا یہ نکالا تھا۔

گردنہائے خود را از ربقہ تکلیف شرعی بالجبلہ می کشانند و مداہنات در احکام شرعیہ می نمایند۔

اپنی گردنوں کو شرعی قوانین کی پابندی سے اس حیلہ کے ذریعہ سے آزاد قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں اور شرعی احکام کے متعلق مداہنت واغماض سے کام لیتے ہیں۔

بے چارہ فاسق، اعمال شرعی کا تارک اپنی جگہ نادم ہوتا ہے۔ لیکن دین کے ان پیشواؤں

کا، ضمیر اتنا زندہ ہو چکا تھا کہ۔

باین معاملہ خوش وقت وخورسند اند

اور اپنے اس رویہ وشیوہ سے خوش وقت مسرور ہیں۔

کیا تماشا تھا، بیٹھے تھے اس گدی پر جسے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے خلفاء کی گدی قرار دیتے تھے۔ اس لیے بیٹھے (تھے) کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مسلمانوں اور نامسلمانوں تک پہنچائیں گے۔ لیکن یہ کیسا شیطانی چرخ تھا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو کھلے الفاظ میں اعلان کرنا پڑا۔

منصوفان خام وملحدان بے سرانجام در صدد آنند کہ گردن از ربقہ شریعت برآرند واحکام شرعیہ را مخصوص بعوام دارند خیال میکنند کہ خواص مکلف بمعرفت اند وبس۔

یہ کچے صوفی اور بے انجام ملحد اس کے درپے ہیں کہ شریعت کے طوق کو گلے سے نکال پھینکیں، شرعی احکام کی پابندیوں کو صرف عوام کے ساتھ مخصوص خیال کرتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ خواص امت صرف معرفت، اور رجان لینے کے مکلف و ذمہ دار ہیں اس کے آگے کچھ نہیں۔

اور اگر بات خود اپنی جماعت تک محدود رکھتے تو شائد وہ "مصیبت عظمیٰ" پیدا نہ ہوتی جو ہوئی، جسے دیکھ دیکھ کہ حضرت مجدد کا سینہ پھٹتا تھا، فرماتے ہیں کہ ان "متصوفان خام" نے۔

از جہل امراء وسلاطین را بتجیز عدل وانصاف مکلف نمی دانند ومی گویند کہ مقصود از اتیان شریعت حصول معرفت ست چون معرفت میسر شد تکلیفات شرعیہ ساقط گشت

مکتوب ع۔۲

اپنی جہالت سے انہوں نے بادشاہوں اور امیروں کو یہ باور کرا رکھا ہے کہ یہ لوگ بھی "عدل وانصاف" کے جاری کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں کہتے ہیں کہ شریعت کے آنے سے مطلب صرف یہ تھا کہ معرفت حاصل ہو جائے جب معرفت حاصل ہو گئی تو شرعی قوانین کی پابندی سے آزادی حاصل ہو گئی۔

حضرت مجدد جیسے مخبر صادق کی اس ذاتی شہادت کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ بیچارے

اکبر سے جو کچھ سرزد ہوا۔ اور پھر اس کی بے راہ روی نے اسلام کو ہندوستان میں جس نازک نقطہ تک پہنچا دیا تھا، اس میں اُن "صوفیان خام" کو دخل نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ اپنے سیتالیسویں مکتوب میں عہد اکبری میں اسلام کی زبوں حالی کی داستان دہراکر **"وا ویلاہ! وا مصیباہ وحسرتاہ! واحزناہ!"** فرماتے ہوئے جہانگیری دربار کے ایک امیر کو مخاطب فرماتے ہوئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں۔

اکثر جہلا صوفی نما ایں زمانہ حکم علماء سوء دارند فساد اینہا متعدی است ص۶۶

اس زمانہ کے اکثر صوفی نما جاہل بھی، "علماء سوء" کے حکم میں داخل ہیں، کہ ان جاہل صوفیوں کا بگاڑ بھی متعدی ہے۔

اور یہ تو کلی بیانات ہیں، ورنہ مکاتیب کے مختلف مواقع پر اس گروہ کے کچھ جزئی اعتقادی وعملی حالات بھی درج فرمائے ہیں، مثلاً فلسفہ "در ہدایت" کے اصول "فنا فی الاصل" کے متعلق اپنے مکتوب ۲۹۲ میں ان خام کاروں کا یہ عقیدہ نقل فرماتے ہیں۔

جمعے از ناقصان ایں راہ از ان الفاظ موہمہ محو واضمحلال عینی دانستہ اندو بہ زندقہ رسیدہ اند کہ از عذاب وثواب آخروی انکار نمودہ اند وخیال کردہ اند کہ ہمچنانکہ از وحدت بکثرت آمدہ اند مرتبہ دیگر ہمیں طور از کثرت بوحدت خواہند رفت وایں کثرت دراں وحدت مضمحل خواہد شد جمعے ازیں زنادقہ آن محو شدن را "قیامت کبری" خیال کردہ اند وانہ حشر ونشر وحساب وصراط ومیزان انکار نمودہ، اند ضلوا فاضلوا"

ناقصوں اور کوتاہ بینوں کا ایک گروہ ہے جو "محو واضمحلال" کے موہم الفاظ سے یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اس سے یہ مراد ہے کہ واقعی آدمی خدا میں گم ہو جاتا ہے (جیسے قطرہ دریا میں) اور اسی قول کی وجہ سے ان کی اعتقادی حالت زندقہ کی قریب پہنچ گئی ہے یہ لوگ اخروی عذاب وثواب کا انکار کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس طرح وحدت سے نکل کر کثرت میں آئے تھے، پھر دوبارہ اسی طرح کثرت سے وحدت میں گم ہوجائیں گے اور ان کی یہ کثرت پھر خدا کی وحدت میں گم ہوجائے گی۔ ان ہی بے دینوں کا ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ اسی "محو ہوتے" کا نام قیامت کبریٰ ہے، یہ حشر ونشر حساب، صراط، میزان سب کے منکر ہیں آہ! خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا۔

یہ تھا ہندوستان میں قرآن کی جنت، دوزخ، قیامت اور حشر و نشر کا انجام۔ لطف یہ ہے کہ ان ہی صوفیوں میں کسی مشہور "مشائخ" کے متعلق حضرت مجدد کا ذاتی بیان مکتوب ۸۵ میں یہ ہے۔

"بعضے از ملاحدہ کہ بہ باطل مسند شیخی گرفت حکم جواز تناسخ می نمایند وی انکار ندکہ نفس تازمانہ کہ بحد کمال رسید از تقلب ابدان اورا چارہ نبودی گویند چوں بحد کمال رسید از تقلب ابدان بلکہ از تعلق بدن فارغ گشت۔"

ان بے دینوں میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے زبردستی شیخی کی مسند پہ قبضہ جما لیا ہے، یہ تناسخ اواگون کے قائل ہیں، خیال کرتے ہیں جب تک آدمی کی روح اپنے کمال کو حاصل نہیں کرتی ایک بدن سے دوسرے بدن میں چکر کاٹتی رہتی ہے اور جب کمال کے آخری نقطہ تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے تو اس وقت اس چکر بلکہ سرے سے بدن ہی سے بے تعلق ہو جاتی ہے۔

یہ چند مثالیں اعتقادی تماشوں کی تھیں، اس طبقہ کی عملی حالت کے متعلق حضرت مجدد ہی کی زبانی سنئے اقیموا الصلوٰۃ، و "ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتا" کے قرآنی فرمان کا ترجمہ گنگا کے کنارہ یہ ہو گیا تھا کہ،

"گروہے از نیہا نماز را دور از کار دانستہ بنائی آں ما بر غیر و غیرت دانستند۔"
مکتوب ۲۶۱/ج ۱

ان لوگوں میں ایک گروہ وہ بھی ہے جو نماز کو دور از کار خیال کرتا ہے سمجھتا ہے کہ نماز کی بنیاد تو اس پر ہے کہ آدمی اور خدا دو جداگانہ چیزیں ہیں یعنی غیر و غیریت پہ مبنی ہے۔

جمعہ و جماعات کے متعلق فرماتے ہیں۔

"صوفیہ خام ذکر و فکر را از اہم مہام دانستہ در اتیان فرائض وسنن مساہلات می نمائند و دار بعینیات و ریاضات اختیار نمودہ ترک جمعہ و جماعت می کنند۔" مکتوب ۲۹۷ تا ۳۵۶۔

کچھ صوفی ذکر و فکر کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور فرائض و سنتوں کے متعلق سہل انکاری برتتے ہیں، چلے اور مختلف ریاضتیں انہوں نے خود اپنے لیے اختیار کی ہیں جن کی وجہ سے جمعہ اور جماعت

کو ترک کر بیٹھتے ہیں۔

اور حال بہ صرف "مست قلندروں" "بازاری بھنگڑوں" کا ہی نہیں تھا حضرت مجدد کے معاصر ایک مشہور بزرگ حضرت نظام تھانیسری ہیں، ان ہی کے نام مکاتیب شریفہ میں ایک مکتوب ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت اپنے مریدوں کے ساتھ عشاء کی نماز تہجد کے وقت تک مؤخر فرماتے تھے، اور اپنے وضوء کا غسالہ[۱] مریدوں کو بطور تبرک پلاتے تھے، اور حد یہ ہو گئی تھی کہ حضرت کو لکھنا پڑا۔

از مردم معتمد نقل کردہ اند کہ بعضے از خلفاء شمار امرید آن ایشاں سجدہ می کنند۔ ص ۳۷	مجھے معتبر آدمی سے یہ معلوم ہوا ہے کہ تمہارے خلفاء میں سے کوئی صاحب ہیں جنہوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیا ہے کہ ان کو وہ سجدے کیا کریں۔

اسلامی معتقدات واعمال کی جس طبقہ میں یہ گت بن رہی ہو۔ اگر حضرت مجدد ان کے متعلق فرماتے ہیں۔

پیران ایں وقت از خود بنجبر ندا یماں ما از کفر جدائی تو انند کرد۔	اس زمانے کے پیر خود اپنے حال سے بے خبر ہیں۔ وہ ایمان کو کفر سے بھی جدا نہیں کر سکتے۔

تو اس پر کیوں تعجب کیا جائے، اسی کا نتیجہ یہ تھا کہ نت نئے دعوے نت نئی دلیلوں کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں، ان لطائف میں لطیف تر وہ لطیفہ ہے جس کا ذکر حضرت نے اپنے مکتوب ۲۴۵ میں فرمایا ہے، صوفیوں کی عام مجلسوں میں یہ لطیفہ مشہور تھا۔ غالباً مسکین اکبر کے لیے تراشا گیا تھا) کہ ایک دن حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ مشہور عارف اسلام نے ابن سینا فلسفی سے دریافت کیا کہ مقصود تک پہنچنے کی کیا راہ ہے فلسفی نے جواب میں لکھا۔

درآئی در کفر حقیقی و برآئی از اسلام مجازی	کفر حقیقی اختیار کرو اور اسلام مجازی سے باہر نکل آؤ

---

[۱] وضو کے پانی کے متعلق امام ابو حنیفہ نجاست کے قائل ہیں، بہرحال کم از کم اس کے پینے پلانے کی اجازت عجیب ہے ۱۲۔

"سعدی" نے "زلیخا" میں یہ تو جو کچھ لکھا تھا وہ بجائے خود تھا، لیکن اس کا دوسرا مصرعہ اس سے زیادہ چست ہے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر نے عین القضاۃ ہمدانی کو لکھا اگر "د، لکھ[۱] سال عبادت می کردم آنچہ ازیں کلمۂ ابن سینا حاصل شد از و نمی شد" عین القضاۃ نے جواب میں لکھا "اگر می فہمید ند مثل ایں بیچارہ مطعون و ملام گراہی شدند" (یعنی اگر ابن سینا کا یہ قول تمہاری سمجھ میں آجاتا تو اسی طرح تم بھی رسوا و بدنام ہوتے) حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس لطیفہ کو نقل فرما کر، جو اکبری دربار کے ایک امیر کی جانب سے پوچھا گیا تھا۔ ارقام فرماتے ہیں۔

"شیخ ابوسعید از عین القضاۃ بسیار مقدم است با وچہ نویسد"

اسی قسم کے خرافاتی لطائف کا نام علم تھا، اور یہی ہوائی باتیں بجائے تنزیلی آیات و نبوی معایات کے مسلمانوں کی زندگی کی تنظیم کرتی تھیں، ہر بوالہوس اپنی ہوسناکیوں کے جواز کے لیے کوئی سند بنا لیتا ہے، نقل کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لیکن "پیشوایان دین متین" کی اخلاقی بلندی جس حد تک پہنچی ہوئی تھی، اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ مکتوب[۲۴۲] میں ارقام فرماتے ہیں۔

بعضے از صوفیہ بہ مظاہر جمیلہ و نغمات مستحسنہ گرفتار اند بہ تخیل آنکہ ایں جمال و حسن مستعار از کمالات حضرت واجب الوجود است تعالیٰ و تقدس کہ دریں مظاہر ظہور فرمودہ است و ایں گرفتاری را نیک و مستحسن انگارند بلکہ راہ وصول تصور می نمایند۔	صوفیوں میں کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جو حسین و جمیل صورتوں اور دلکش نغموں میں گرفتار ہیں یہ خیال کر کے کہ یہ حسن و جمال تو حضرت واجب الوجود سے مستعار ہے اور وہی ان صورتوں اور پیکروں میں نمایاں ہوا ہے اور اپنی اس گرفتاری کو اچھا و پسندیدہ خیال کرتے ہیں بلکہ اسی کو رسائی حق کی راہ سمجھتے ہیں۔

پھر "جمال پرستی" کے اس آڑ میں جو کچھ ہوتا تھا۔ اس گھنونے منظر کے تصور سے بھی دل کانپتا ہے خدا پرستی، اور خدا رسی کی کتنی مقدس اور پاک راہیں تھیں، قہر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے ساتھ گستاخی کرنے والوں کی یہ جماعت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بھی "ہوشیار" نہ رہنا چاہتی

---

[۱] لکھ کا لفظ فارسی زبان میں قابل غور ہے۔ ۱۲

تھی، جھوٹ کرتی تھی اور جھوٹ بولتی تھی، حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ اپنے کمینہ فعل، اور
ارتکاب فحشاء کے جواز میں (العیاذ باللہ)

مطلب خود ایں قول را سندمی آرند کہ گفتہ ایاکم والمرد فان فیھم لون کلون اللہ

اپنے مقصد کے اثبات میں سند پیش کرتے تھے کہ روایت کی جاتی ہے "سادہ رخوں (بے ریشوں) سے ہوشیار رہنا کیوں کہ ان میں ایک رنگ ہے اللہ کے رنگ جیسا۔

مشہور عارفانہ نظریہ "المجاز قنطرۃ الحقیقۃ"[1] کا مطلب یہ لیا گیا تھا جیسا کہ حضرت
اپنے مکتوب ۲۶/۳ج میں ارقام فرماتے ہیں۔

ابلہان صوفیہ خام معنی ایں عبارت را نفہمیدہ وگرفتار بہا بصورت جمیلہ پیدا کنندہ وبعشوہ ودلال اینہا فریفتہ گردند بطمع آں کہ آں را وصول بحقیقت سازند و معراج حصول مطلوب نمائند۔

بیوقوف کچے صوفیوں نے اس فقرہ کا صحیح مطلب تو سمجھا نہیں اور اچھی صورتوں کی چاہ میں گرفتار ہو گئے اور ان حسینوں کے ناز نخروں، عشوہ وغمزہ پر فریفتہ ہیں یہ خیال کرتے ہیں کہ اپنے اس مجازی عشق کو حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنائیں گے اور اپنے مقصد تک اسی ذریعہ سے پہنچیں گے۔

حسینوں کی بھری محفل میں جبہ و دستار، سُبحہ و سجادہ والے چلبلے دل بقول حضرت
مجدد رح

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر ست
درحیرتم کہ وعدۂ فردا از برائے چیست

کہتے ہوئے اپنے اپنے قنطروں کے قدموں پر سر ڈال دیتے، ادھار جنت کے مقابلہ
ان کی نقد بہشت یہی تھی گویا "قل للمومنین یغضوا من ابصارھم" کے فرمان الٰہی کا ان
سے تعلق ہی نہ تھا، خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کے عملی نظام کا نام "شریعت" رکھ دیا گیا تھا۔
اور پھر اس شریعت کے متعلق یہ ڈھنڈورا پیٹ دیا گیا کہ

---

[1] مجاز حقیقت کا پل ہے ۱۲۔

شریعت پوست حقیقت ست و حقیقت مغز شریعت۔ — شریعت حقیقت کا چھلکا ہے اور حقیقت شریعت کا گودا ہے۔

بھلا جس کی رسائی مغز تک ہو چکی ہو، اب اسے چھلکے کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ ان میں بعض لوگ بظاہر نماز و روزہ کی جو پابندی بھی کرتے تھے، تو اس کی وجہ یہ قرار دیتے تھے کہ۔

متبدیان و پس روان ایشاں بآں اقتداء کنند نہ آنکہ عارفان محتاج بہ عبادت اند مکتوب ۲۷۶ ص ۳۵۹ — تاکہ مبتدی اور ان کے پیرو اُن کی اقتدا کریں یہ مقصد نہیں ہے کہ عارفوں کا گروہ بھی ان عبادتوں کا مکلف ہے۔

خذلہم اللہ (خدا انہیں رسوا کرے) فرما کر حضرت فرماتے ہیں کہ ان کا قول تھا کہ ہم ظاہر شریعت کی پابندی محض ریاکارانہ طور پر کرتے ہیں، ان کا علانیہ نظریہ تھا۔

تا پیر منافق و مرائی نہ باشد مرید ازوے منتفع نہ گردد۔ ص ۳۵۸ ج ۱ — جب تک پیر منافق اور ریاکار نہ ہو اس سے مرید نفع نہیں اٹھا سکتا۔

ریا اور نفاق جس طبقہ کے فرائض میں داخل ہو گئے تھے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس جذبہ کے زیر اثر وہ کن "ناکردنیوں" کو "کردنی" بناتے ہوں گے خصوصاً جب یہ معلوم ہے کہ اس زمانہ میں پیری و مریدی کا مقصد بقول حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ یہ تھا۔

آنکہ مریدان ہر چہ دانند کنند، ہر چہ خواہند خورند و پیران سپر ایں جا گردند و از عذاب نگاہ دارند ص۱۷ مکتوب ۴۱ ج ۳ — کہ مرید جو کچھ چاہے جانے، جو کچھ چاہے کرے جو کچھ چاہے کھائے پیران لوگوں کی ڈھال بن جائے گا اور آخروی عذاب سے ان کو بچا لے گا۔

اسی کے ساتھ "سلب نسبت" کا نظریہ پیدا کیا گیا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ مرید کے تمام دینی و دنیوی منافع اب صرف پیر کی توجہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ دنیا ہی نہیں بلکہ مشہور تھا کہ پیر چاہے تو مرید کو دین سے بھی محروم کر کے جہنم کا ابدی کندہ بنا دے۔ اور اس کے متعلق طرح طرح کے قصے مشہور کیے گئے تھے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ

نے مکتوب ۲۸ ج ۲ میں کسی صاحب کا خط نقل فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بزرگ حضرت علاء الدین نامی اپنے مرید مولٰنا نظام الدین سے گراں خاطر ہوئے، "واز ایشاں سلب نسبت کردند" لیکن مولٰنا نظام الدین نے فوراً حضرت رسالت پناہی کی روحانیت میں پناہ ڈھونڈی، حضرت پیر علاؤ الدین کو حکم دربار رسالت سے ملا، "نظام الدین[1] از آنِ ماست کسے را بروے مجال تصرف نہ باشد" لیکن یہی بے چارے نظام الدین جب بوڑھے ہوئے تو خواجہ عبید اللہ احرار سے کسی بات میں شکر رنجی ہوئی، باوجودیکہ نظام الدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آچکے تھے۔ لیکن پھر بھی "خواجہ احرار از مولٰنا سلب نسبت نمودند" اس عمل پر حضرت نظام الدین مسلوب سے یہ لطیفہ نقل کیا جاتا تھا کہ:

خواجہ مارا پیر یافتند ہرچہ دانستم بروند در آخر کار مفلس گردانیدند۔	ہمارے خواجہ (عبید اللہ احرار) نے مجھے بوڑھا پایا جو کچھ میرے پاس تھا سب چھین لیا اور انجام کار مجھے بالکل مفلس بنا کر چھوڑ دیا۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے سارے واقعات کو نقل فرما کر لکھا ہے۔

حضرت خواجہ ما قدس سرہ می فرمودند کہ مفلس ساختن دلالت بر سلب ایمان دارد اعاذنا اللہ سبحانہ۔	ہمارے خواجہ (حضرت باقی باللہؒ) فرماتے تھے کہ مفلس بنا دینے کے تو یہ معنی ہوئے کہ ان کا ایمان بھی چھین لیا گیا، پناہ میں رکھے اس سے اللہ۔

اس کے بعد آخر میں اس "سلب نسبت" کے لطیفہ کے متعلق ارقام فرماتے ہیں۔

ایں معنی تجویز نمودن بسیار مشکل	اس بات کو جائز قرار دینا نہایت دشوار ہے۔

اور اپنا خیال اس واقعہ کے متعلق ان الفاظ میں ثبت فرمایا۔

ہر دو قول پیش نیامدہ	کہ ان دونوں قصوں میں سے کوئی قصہ بھی پیش نہیں آیا۔

---

[1] نظام الدین میری ملکیت میں داخل ہو چکا ہے اب کسی دوسرے کو اس پر تصرف کرنے کی مجال نہیں۔ ۱۲۔

"برہمن کدہ" ہند میں آزاد اسلام ان زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مرحومہ اس آہنی جال میں پھڑپھڑا رہی تھی، زیادہ تر ان تدبیروں سے غالباً وہی مسئلہ حل کیا جاتا تھا۔ جیسے عہد حالی میں بجائے مسئلہ موت کے اسی کو انسانیت کا سب سے اہم ترین مسئلہ ٹھیرایا جاتا ہے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ اس بڑے لفافہ کا آخری ورق وہی "ردّی" نہیں تھی، جو پرانے برہمنوں کا کنائتہ اور نئے پنڈتوں کا صراحتہً سب سے بڑا نصب العین ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک خلیفہ مجاز کو رجوع کرنے والے مریدوں کے متعلق جو آتنی شدت اور کرخت لہجہ میں یہ حکم دیتے ہیں کہ

نیک تاکید نمایند کہ طمعے درمال مریدو توقع درمنافع دنیاوی او پیدا نشود۔ ص ۱۷۰/۱۷۵

خوب اچھی طرح سے اس کو سمجھو کہ مرید کے مال کے طمع اور دنیاوی منافع کی اس سے توقع کسی طرح دل میں نہ پیدا ہو۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں "پیری مریدی" کا چرخ کس محور پہ گھوم رہا تھا، مرض نہ تھا تو علاج کی کیا ضرورت تھی وہ چند مثالیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ "اسلامی دائرہ" کا یہ ممتاز طبقہ کس حال میں مبتلا تھا۔ میں نے بجائے کسی غیر معتبر مورخ کے قصداً اپنے بیان کی تائید کے لیے حضرت مجدد رحمۃ علیہ کو اپنا گواہ بنایا ہے۔ اور یہ سارے اجزا ان ہی کے مکاتیب طیبہ سے فراہم کیے گئے ہیں۔

سوچا جا سکتا ہے کہ جس عہد میں ہندوستانی اسلام کے امراء و سلاطین، علماء و صوفیا شور بختی کے اس مقام تک تنزل کر چکے تھے تو پھر اس ملک کے عام مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زبانی اس کا فسانہ بھی کچھ سن لیجئے، خان اعظم کو خط لکھتے ہیں اس میں زیادہ زور اسی پہ ہے۔

احکام کثیرہ اہل کفر در اہل اسلام شوخی پیدا کردہ است مکتوب ص ۵۶

اہل کفر کے بہت سے احکام و رسوم اسلام میں نمایاں ہو رہے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔ مکتوب ص ۲۶۶/ج ۱

مسلمانان نیز باوجود ایمان رسوم اہل کفر می نمایند و تعظیم ایام ایشاں می کنند[۴۷]

مسلمان باوجود ایمان کے اہل کفر کی رسموں کو بجا لاتے ہیں اور ان کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں

پھر جلد ثالث کے مکتوب چہل میں اس کی شہادت ادا کرتے ہیں۔

استمداد از اصنام و طاغوت در دفع امراض و اسقام در جہلہ اہل اسلام شائع گشتہ است[۴۹]

ان کے دیوتاؤں اور بھوتوں سے بیماریوں کے ازالہ میں اہل اسلام کے جاہل لوگوں کا مدد طلب کرنا عام طور سے پھیلا ہوا ہے۔

خصوصاً عورتوں کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان یہ ہے کہ:

اکثر زنان بواسطہ کمال جہل گرفتار ند باین استمداد ممنوع مبتلا اند۔

اپنے انتہائی جہل کی وجہ سے اکثر عورتیں اس حرام وممنوع استمداد میں مبتلا ہیں۔

وطلب دفع بلیہ ازیں اسمائے بے مسمی می نمایند و باداءِ مراسم شرک و اہل شرک گرفتار اند۔

اور ان وہمی دیوتاؤں سے (جن کا نام تو ہے لیکن مسمی نہیں ہے) بلاؤں کے ٹلانے کی درخواست کرتی اور شرک و اہل شرک کی رسموں کو بجالاتی ہیں۔

چیچک کی بیماری میں ہندوستان کے عام اسلامی گھرانوں میں جو کچھ ہوتا تھا اس کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

در وقت عروض مرض جدری کہ در زبان ہند بہ سیتلہ معروف است مشہود و محسوس است کم زنے باشد کہ از دقائق ایں شرک خالی بود و برسمے از رسوم آں درآنجا اقدام نہ نماید۔

چیچک کی بیماری جس کا نام ہندی میں سیتلہ ہے اس کے متعلق یہ بات مشاہدہ میں آرہی ہے کہ کم کوئی ایسی عورت ہوتی ہے جس کا دل اس قسم کے شرک کی باریکیوں سے پاک ہو اور اس کے متعلق جو رسوم ہیں ان میں سے کسی نہ کسی رسم کے انجام دینے کی طرف سبقت نہ کرتی ہو۔

غیر اسلامی تہواروں کے متعلق مسلمانوں کا طرز عمل کیا ہو گیا تھا۔ دلی کے دربار میں جو کچھ ہوتا تھا۔ اس کا اثر سارے ہندوستان پہ پھیل گیا تھا فرماتے ہیں۔

در ایام دِوالی کفار جہلہ اہل اسلام علی الخصوص

اہل اسلام کے جہلاء دوالی کے دنوں میں خصوصاً

زنان ایشاں رسوم اہل کفر را بجا می آرند و عید خود میسازند و ہدایا شبیہ بھدایائے اہل کفر بخانہائے دختران دخواہراں در رنگ اہل شرک می فرستند ظرفہائے خود را ور نگ کفار دراں موسم رنگ می کنند و بہ برنج سرخ آں را پر کردہ می فرستند۔

عورتیں اہل کفر کی رسمیں کرتی ہیں اور اس کو اپنا تہوار بنا کرمناتی ہیں، اور اس دن میں تحفے تحائف اہل کفر کے مانند اپنی لڑکیوں اور بہنوں کے گھر بھیجتی ہیں۔ اپنے برتنوں کو ان ہی رنگوں سے رنگتی ہیں جن سے اہل کفر اس خاص موسم میں رنگتے ہیں۔ اور سرخ چاولوں کو ان برتنوں میں بھر کر بھیجتی ہیں۔

عام مسلمانوں کے یہ تعلقات تو غیر اسلامی دیوتاؤں اور غیر اسلامی تہواروں کے ساتھ تھے، خود اس ملک میں اکثر مسلمانوں نے اپنا بھی ایک مستقل مشرکانہ نظام قائم کر لیا تھا۔ حضرت فرماتے ہیں؛

حیوانات را نذر مشائخ می کنند و بر سر قبرہائے ایشاں رفتہ آں حیوانات را ذبح می نمایند

بزرگوں پہ جانور چڑھاتے ہیں اور ان کی قبروں پہ پہنچ کر ان جانوروں کو ذبح کرتے ہیں۔

اور معاملہ صرف اس منت و نذر لغیر اللہ تک محدود نہ تھا، نماز و روزہ جو صرف اللہ کے لیے تھا، ہندوستان کے مسلمانوں نے اس میں بھی دوسروں کو ساجھی بنا لیا تھا۔ حضرت کا بیان ہے خصوصاً عورتوں کے متعلق؛

صیام نساء بہ نیت پیراں وبی بیاں نگاہ دارند واکثر نامہائے ایشاں را از نزد خود تراشیدہ روزہائے خود را بنام آنہا نیت کنند۔

عورتیں روزے پیروں اور پیرنیوں کی نیت سے رکھتی ہیں۔ ان پیروں کے نام بھی یہ خود گڑھ لیتی ہیں اور ان ہی فرضی ناموں سے روزے رکھتی ہیں۔

لطف یہ تھا کہ ان عجیب و غریب روزوں کے رکھنے کا دستور بھی عجیب تھا یعنی ہر روزہ کی کھلائی کے لیے خاص خاص طریقے اور کھانے مقرر تھے۔ حضرت والا ہی ارشاد فرماتے ہیں؛

و از برائے ہر روزہ خاص بوضع مخصوص

اور ہر روزہ کے خاص خاص طریقے انہوں

می نمائند — نے مقرر کر رکھے ہیں۔

ان روزوں کا مقصود کیا ہوتا تھا حضرت ہی فرماتے ہیں:

مطالب و مقاصد خود را بایں روزہا مربوط می سازند و بہ توسل ایں روزہ ازیں ہا حوائج می خواہند و روائے حاجت خود را از آنہا می دانند۔ — اپنے مقاصد اور حاجتوں کو ان روزوں کے ساتھ وابستہ کرتی ہیں اور ان روزوں کے وسیلہ سے اپنی حاجتیں طلب کرتی ہیں۔ سمجھتی ہیں کہ ان کی حاجت براری ان ہی روزوں کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان خاص روزوں کی کھلائی کس طریقہ اور کن کھانوں سے ہوتی تھی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھنا پڑا۔

بسا است کہ در وقت افطار ارتکاب محرمات نمایند و افطار بامر حرام کنند — بسا اوقات ان روزوں کے کھولنے کے وقت ایسے کاموں کی مرتکب ہوتی ہیں۔ جو شرعاً حرام ہیں۔

شائد ان روزوں میں سے بعضے روزوں کے لیے یہ شرط تھی کہ بھیک مانگ کر اسی بھیک کے ٹکڑے سے روزہ کشائی کی جائے۔ جیسا کہ حضرت ہی فرماتے ہیں۔

بے حاجت سوال و گدائی کنند و باں افطار نمایند و قضائے حاجت خود را مخصوص بایں محرم می دانند۔ — بغیر ضرورت کے بھیک مانگتی ہیں اور اسی بھیک کے ذریعہ سے روزہ افطار کرتی ہیں۔ سمجھتی ہیں کہ ان کی حاجت اسی حرام کے ساتھ افطار کرنے پر موقوف ہے۔

اور یہ حال تو "عوام کالانعام" کا تھا اچھے پڑھے لکھے لوگ جن کا شمار دینداروں میں تھا حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی گواہیاں ان کے متعلق بھی قابل عبرت ہیں۔ اور تو اور خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ جس زمانہ میں صرف "میاں شیخ احمد سرہندی سلمہ اللہ تعالیٰ

۱؎ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو آپ کے ہم قرن و ہم پیر تھے ان ہی الفاظ سے آپ کو اپنی کتابوں میں یاد کرتے ہیں ۱۲

تھے باوجودیکہ اپنے والد مرحوم اور دوسرے علماء کبار سے علوم دینیہ کی باضابطہ تکمیل کی تھی قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم سبقاً سبقاً حاصل کی تھی، گویا اور سند یافتہ عالم، تھے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی و رسالت سے جو انسانی زندگی کا " دستور محکم " تیار ہوا تھا، اور جس کا عام نام شریعت تھا، خود حضرت بھی اس شریعت کے متعلق زمانہ کے اثر سے یہ خیال رکھتے تھے جسے ایک نظم کی صورت دے کر جھوم جھوم کر پڑھتے۔

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائی ست
ملت ما کافری و ملت ترسائی ست
کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است
کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

(مکتوب ۳۱ صفحہ $\frac{۴۱}{ج ۱}$)

افسوس! یہ شریعت اندھوں کی ملت ہے میرا دین دین کافری اور عیسائیوں کا دین ہے، اس زیبا پری کے زلف اور چہرہ کو کفر و ایمان کہتے ہیں۔ اس یگانہ و یکتا کی راہ میں کفر و ایمان دونوں ہیں۔

اللہ اکبر یہ تھا اُن مجدد صاحب کا حال جو تغیر حال کے بعد خانخاناں عبدالرحیم کے نام عربی میں ایک خط لکھتے ہیں اور اس میں ڈانٹ کر خانخاناں کو تنبیہ فرماتے ہیں۔

کل العجب ان الاخ الصادق قد نقل ان من جلسائہم من الشعراء الفضلاء من یقلب فی الشعر بالکفری والحال انہ من اھل السادات العظام والنقباء الکرام فیالیت شعری ماحملہ علی ھذا الاسم الشنیع البین شناعتہ والمسلم ینبغی ان یفر من ھذا الاسم زیادۃ مایفر من الاسد المھلک ویکرھہ کل الکراھۃ لان ھذا الاسم و مسماہ مبغوضان اللہ سبحانہ وتعالی ورسولہ علیہ الصلوۃ

کس قدر تعجب ہے کہ ایک سچے بھائی نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ کے ہم نشینوں میں ایک شخص ہے جن کا شمار فاضل شاعروں میں ہے انہوں نے اپنا تخلص کفری رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ ان کا تعلق سادات عظام اور نقباء کرام سے ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر اس تخلص کے اختیار کرنے پر ان کو کس چیز نے آمادہ کیا۔ جو نہایت برا ہے اور الیا ہی کہ مسلمان کو اس سے اسی طرح بھاگنا چاہیئے جیسے شیر سے آدمی بھاگتا ہے اور اس کو ناپسند کرنا چاہیئے کیونکہ خود یہ نام اور اس کا مسمّٰی دونوں اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک قابل نفرت ہیں۔ ایسے برے

والسلام فالتحاشی عن مثل هذا الاسم الصبیح واجب ..... فالتمسوه من قبلی ان یغیر هذا الاسم ویبدله باسم خیر منه ویلقب بالاسلامی ت۳۲ ج۱

ناموں سے علیحدگی واجب ہے آپ ان سے میری جانب سے التماس کیجئے کہ اس نام کو بدل کر اپنا تخلص "اسلامی" رکھ لیں۔

اس زمانہ کے دینداروں کا حال ان الفاظ میں قلم بند فرماتے ہیں۔

باید دانست کہ اکثر مردم از خواص و عوام دریں زمان در ادائے نوافل اہتمام دارند و در مکتوب مساہلات می نمایند و مراعات سنن و مستحبات را آں ہا کمتر می کنند و نوافل را عزیز می دارند و فرائض را ذلیل و خوار کم ست کہ فرائض را در اوقات مستحبہ ادائے نمایند و در تکبیر جماعت مسنونہ بلکہ در نفس جماعت تقیدے ندارند بتکاسل و تساہل ادائے فرائض را غنیمت می شمارند۔

مکتوب ۲۹۴ ج۱

معلوم ہونا چاہیئے خواص و عوام میں آج کل بکثرت ایسے لوگ ہیں۔ جو نوافل کے ادا کرنے میں تو بہت اہتمام کرتے ہیں، لیکن فرائض میں سہل انگاری برتتے ہیں اور سنتوں اور مستحب امور کی بہت کم رعایت و نگرانی کرتے ہیں یہ لوگ نوافل کو بہت قیمتی خیال کرتے ہیں۔ مگر فرائض کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت و عزت نہیں بلکہ ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ان میں کم ہیں جو فرائض کو مستحب اوقات میں ادا کرتے ہوں وہ جماعت مسنونہ کی تکبیر اولی سرے سے جماعت کی پابندی نہیں کرتے اور بس کاہلی و سستی سے فرائض ادا کرنے ہی کو وہ غنیمت خیال کرتے ہیں۔

اللہ اور رسول (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کی بنائی ہوئی راہوں کے ساتھ اُن کا یہ معاملہ تھا۔ لیکن انہوں نے خود اپنا جو دین گھڑ لیا تھا، اس کی پابندی کو فرائض سے بھی زیادہ اہم خیال کرتے تھے۔ حضرت نے بطور مثال کے ارقام فرمایا ہے۔

روز عاشورا، و شب برات، و بست و ہفتم ماہ رجب و اول شب جمعہ ماہ مذکور کہ آں را لیلۃ الرغائب نام نہادہ اند کمال و تمام

۱۰ محرم شب برات، ۲۷ رجب اور اس ماہ کے پہلے جمعہ میں جس کا نام "لیلۃ الرغائب" رکھا گیا ہے بڑے اہتمام اور دل کی پوری یکسوئی کے ساتھ جماعت

مرعی داشتہ بجمعیت تمام نوافل بجماعت می گزارند و آں را نیک و مستحسن می پندارند۔

سے نفل نمازیں ادا کرتے ہیں اور اپنے اس فعل کو شرعاً بہت اچھا خیال کرتے ہیں۔

حد یہ ہوگئی تھی، کہ نقشبندیہ طریقہ کے صوفیہ ومشائخ جن کا سارا مجاہدہ اور ساری ریاضت صرف اتباع شریعت کے ساتھ محدود تھی، ان کے متعلق بھی حضرت کو لکھنا پڑا کہ:

بعضے از اہل سلسلہ بواسطۂ قصور نظر دریں طریقہ علیہ نیز بدعتہا اختیار نمودہ اند و دلہائے مردم را بعلاقہ ارتکاب بدعت بجانب خود کشیدہ وایں عمل را بزعم خود تکمیل ایں طریقہ علیہ گمان بردہ (مکتوب ۶۲ ج ۲)

اپنی کوتاہ نظری سے اس سلسلہ (نقشبندیہ) کے بعض لوگوں نے بھی اس طریقہ علیہ میں بدعتوں کو اختیار کر لیا ہے، اس بدعت کے ارتکاب سے چاہتے ہیں کہ عام لوگوں کے قلوب کو اپنی طرف مائل کریں اور اپنے اس فعل کو وہ اپنے خیال میں اس طریقہ کی تکمیل کا ذریعہ گمان کرتے ہیں۔

مکتوب ۱۳۱ میں اپنے زمانہ کی بعض اون بدعات کا ذکر کرتے ہوئے جو بعض مشائخ نقشبندیہ میں داخل ہوگئی تھیں کتنے دردناک لہجہ میں فرماتے ہیں:

افسوس ہزار افسوس بعضے بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلا موجود نیست دریں طریقہ بلا احداث نمودہ اند و تہجد را بجماعت می گزارند و از اطراف وجوانب دراں وقت مردم از برائے تہجد جمع می گردند

افسوس ہزار افسوس کہ ایسی چند بدعتیں جو دوسرے طریقوں میں بھی قطعاً نہیں ہیں ان لوگوں نے اس طریقہ علیہ میں ان کو داخل کر لیا ہے۔ مثلاً تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ارد گرد سے اس باجماعت نماز تہجد کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔

کیسی عجیب بات ہے کہ طریقہ نقشبندیہ" کے لانے والے ہندوستان میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ تھے، جن کا حال حضرت نے یہ لکھا ہے۔

یکے از مخلصان حضرت خواجہ ما بود در وقت افتتاح طعام در حضور ایشاں اسم اللہ را بلند گفت ایشاں را ناخوش آمد بحدیکہ زجر بلیغ فرمودند کہ او را منع کنند کہ در مجلس طعام حاضر نشود ص ۳۲۴ مکتوب ع ۲۶۶

ہمارے حضرت (باقی باللہؒ) کے مخلصوں میں ایک آدمی تھے کھانا کھاتے ہوئے شروع میں اللہ کے اسم پاک کو بلند آواز سے کہا حضرت کو ان کی یہ بات بہت ناپسند ہوئی اور سخت ڈانٹ بتائی اور حکم دیا کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں آئندہ پھر یہ شخص حاضر نہ ہوا کرے۔

لیکن ہندوستان کی جو حالت ہو رہی تھی (جیسا کہ حضرت ہی کا بیان ہے۔

اہل ایں سلسلہ علیہ دریں دیار غریب افتادہ اند و اہل ایں دیار را بواسطہ شیوع بدعت بطریقہ ایں اکابر ملتزم سنت قلت مناسبت است مکتوب ۶۲ ج ۲۔

اس سلسلہ علیہ کے لوگ اس ملک میں اجنبیوں کی طرح ہیں بدعات کے رواج کی وجہ سے اس ملک کے لوگوں کو اس طریقہ کے بزرگوں سے جو سنت کے سخت پابند ہیں۔ بہت کم مناسبت ہے۔

اس کان بدعت میں اس طریقہ کا بھی انجام یہ ہوتا ہے کہ حضرت باقی باللہ کے صاحبزادگان کرام یعنی اپنے مخدوم زادوں کو مخاطب کر کے حضرت مجدد کو لکھنا پڑا۔

شنیدہ می شود کہ مخدوم زادہا میل بسرود دارند و مجلس سرود و قصیدہ خوانی در شبہائے جمعہ منعقد می سازند و اکثر یاران دریں امر موافقت می نمایند عجب ہزار عجب مریدان سلاسل دیگر عمل پیران خود بہانہ ساختہ ارتکاب ایں امر می نمائند و حرمت شرعی بعمل پیراں دفع می کنند اگرچہ فی الحقیقت دریں محقق نباشند یاران دریں ارتکاب چہ معذرت خواہند فرمود حرمت شرعی یک طرف، و مخالفت طریقت پیران خود یک طرف

ایسا سنا جاتا ہے کہ مخدوم زادوں کا میلان گانے کی طرف ہو گیا ہے۔ گانے اور قصیدہ خوانی کی مجلسیں جمعہ کی شب میں قائم کی جاتی ہیں اور اکثر یاران طریقت نے بھی آپ لوگوں کی اس باب میں موافقت کی ہے۔ تعجب ہزار تعجب ہے کہ دوسرے سلسلوں کے لوگ تو اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس طریقہ سے شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے توڑتے ہیں۔ اگرچہ اس میں وہ حق پر نہیں ہیں، لیکن ہمارے پیر بھائیوں کو کیا ہوا ہے، وہ اس فعل کی ارتکاب میں کیا عذر

(مکتوب ۲۶۶) اور اپنے طریقہ کے پیروں کی مخالفت دوسری طرف۔

ان اجمالی نمونوں سے غالباً اس نقشہ کی صحیح تصویر نگاہوں کے سامنے اپنے واضح خط و خال کے ساتھ ان شاء اللہ بے نقاب ہو چکی ہو گی جو "عہد تجدید" سے پہلے ہندوستان کے اسلام اور مسلمانوں کا تھا۔ اس وقت بحث کو اسی نقطہ تک پہنچا کر اب ہم دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس قوم کے ولاۃ و حکام، سلاطین و امراء، علماء و مشائخ اور ان کے ماتحت زندگی بسر کرنے والوں کا جب یہ حال ہو، اندازہ ہو سکتا ہے ایسے مہیب منظر کی طرف اگر کسی کی بصیرۃ و احساس کی آنکھیں اچانک کھول دی جائیں، سوچا جا سکتا ہے۔ اس پر کیا قیامت کا سماں گزر جائے گا، ایسے نازک وقت میں جن سے کچھ امید ہو سکتی تھی۔ وہ علماء اور مشائخ ہی تھے، لیکن سُن چکے کہ مشائخ کا ایک بڑا طبقہ شریعت سے اپنی گردنوں کو آزاد کرانے کی فکر میں لگا ہوا تھا، جس کے دوسرے معنیٰ اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ وہ ایک راہ سے ارتداد پر آمادہ تھا، اور ان میں کتنے تھے جو آمادگی کے حدود سے نکل کر عملی میدان میں پھاند چکے تھے، علماء زبان سے کچھ ہی کہتے ہوں۔ لیکن جو حالات تھے ان کو پیش نظر رکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ بھی عملی بغاوت میں مبتلا نہ ہو چکے تھے، بلکہ سچ یہ ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

در قرن سابق اختلافات علماء عالم را در بلا انداخت و ہمان صحبت در پیش است ترویج چہ گنجائش دارد باعث تخریب دین خواہد شد۔ ۵۳ ج ۱	پچھلے دور میں علماء کے اختلافات نے دنیا کو ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا، اب پھر وہی بات سامنے ہے۔ دین کا رواج کیا ہو گا، اس کی بھلا کیا گنجائش ہے، بلکہ دین کی بربادی اُس سے ضرور ہو گی۔

بھلا جس عہد کے علماء کو دیکھ کر حضرت مجدد کو لکھنا پڑا۔

عزیزے ابلیس لعین را دید فارغ و بے کار نشستہ است مراں را پرسید گفت علماء ایں	ایک صاحب نے ملعون ابلیس کو دیکھا کہ فارغ اور بیکار بیٹھا ہوا ہے پوچھا کہ آخر کیا ماجرا ہے۔ ابلیس بولا کہ

وقت کار ماتی کنند در اغوار و اضلال کافی اند۔ پ ۵۳ ج ا

اس زمانہ کے علماء میرا کام انجام دے رہے ہے۔ راہ مارنے بھٹکانے کے لیے اب وہی کافی ہیں۔

اُن سے کیا خاک توقع ہوسکتی تھی، ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ ان سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی گئیں، وہ ان مسلمانوں کی زبانوں سے وہ سب کچھ سن رہے تھے۔ جو اللہ کے آخری پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مبارک زبان سے کبھی نہیں سنا گیا۔ لیکن بجز ان چند کے جن کی سب سے بڑی اولوالعزمی یہ تھی کہ منکر کو دیکھ کر چپ ہو جائیں۔ بڑا گروہ ان ہی کا تھا، جو مسلمانوں کو وہی سناتے تھے۔ جو وہ سننا چاہتے تھے۔ وہی دکھاتے تھے اور قرآن کھول کھول کر حدیثوں کے اوراق الٹ الٹ کر وہی دکھاتے تھے جو وہ دیکھنا چاہتے تھے۔

کیسی کٹھن گھڑی ہو گی، جب دوستوں نے دشمنی کے لیے کمر باندھی ہو، اور اللہ کی فوج شیطان کی صف میں شریک ہو کر ایمان و اسلام کی برچھیوں پر دھاوا بول دے یہی رنگ تھا۔ جیسے دیکھ کر حضرت مجدد فرماتے ہیں۔

عالم در دریائے بدعت غرق است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند و باحیائے سنت لب کشاید اکثر علماء ایں وقت رواج دہند ہائے بدعت اند و محو کنند ہائے سنت م ۵۴ ج ۲

دنیا بدعت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعت کی تاریکیوں میں مطمئن ہے۔ کس کی مجال ہے کہ کسی بدعت کے اٹھانے کے لیے آمادہ ہو۔ اور کسی سنت کے زندہ کرنے کے لیے لب کشائی کرے اس زمانہ کے اکثر علماء خود ہی بدعت کے رواج دینے والے اور سنت مٹانے والوں میں ہیں۔

اللہ اکبر! جو مدرسہ سے اس لیے نکلا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہونے والوں کو آپ سے قریب کرے گا، اسلام کا ایک مجدد ان ہی کے متعلق یہ شہادت ادا کرتا ہے کہ یہ علماء دین۔

مردم را بر بدعت دلالت می نمائند و بجواز بلکہ باستحسان او فتوی می دہند مکتوب

آدمیوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے، بلکہ اسی کو شرعاً مستحسن قرار دے کر فتویٰ دیتے ہیں۔

شاید ایسا ہی وقت ہوتا ہے، جب ہر طرف سے مایوس ہو کر چیخنے والا جنون و مستی میں۔

اس راز کو پھر فاش کرا ے روحِ محمد
اس عہد میں اب تیرا مسلماں کدھر جائے

چیخنے لگتا ہے اور جب راستبازی و سچائی، نیاز و اخلاص میں ڈوب کر چیختا ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر "وہ راز" فاش کیا جاتا ہے۔ جس کے بعد تجدید کا کام شروع ہو جاتا ہے۔

یہ خیال نہ کرنا چاہیئے، کہ حضرت مجددؒ سے جو کام بعد کو بن پڑا، وہ کسی غیر مرتب، مذہبی جوش و خروش کا ایک غیر شعوری نتیجہ تھا۔

یہ سچ ہے کہ کسی کی نظر انتخاب یقیناً حضرت مجددؒ کے قلب مبارک کو ازل ہی میں تاک چکی تھی، اور جو ایسا ہوتا ہے، ارجمندی و اقبال کا ستارہ اس کی پیشانی کو اسی وقت چوم لیتا ہے جس وقت وہ اس خاکدان میں قدم رکھتا ہے، آئندہ کے نیک سالوں کا پتہ اس کی زندگی کی ابتدائی بہاروں سے چلنے لگتا ہے۔ ماہ رمضان میں ہلال کے مسئلہ میں ابو الفضل کا پیالہ جو اس کے منہ پر مارا گیا تھا۔ وہ ان ہی بہاروں کا ایک ہلکا جھونکا تھا جس کا تذکرہ میں پہلے کر چکا ہوں۔

لیکن اس ادلیسی پر جب روح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے "راز" فاش کیا تو اس کے بعد یقیناً اس کا جو قدم بھی اس راہ میں اٹھا سوچ کر اٹھا، سمجھ کر اٹھا، دماغ نے عمل کا ایک "لائحہ" مرتب کیا، اور "دل" نے اس "لائحہ" کو ہاتھ میں دے کر۔

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

کہتے ہوئے، جو کچھ اس کے پاس تھا، سب کو لے کر ایک دفعہ ان موج افزا طوفانوں، اور بے پایاں سمندروں میں ڈھکیل دیا، جس کا ڈوبنے والا پھر کبھی نہیں ابھرا حضرت مجدد رحمۃ اللہ کے اس "سانحہ" کا تصور جب سامنے آتا ہے تو بے اختیار اس وقت اپنے مخدوم حضرت مجذوب (خواجہ عزیز الحسن ڈپٹی انسپکٹر صوبجات متحدہ و خلیفہ خاص حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی کا وہ شعر جو کسی "خاص وقت" میں انھوں نے سنایا تھا۔ یاد آجاتا ہے جھوم کر "دیوانے" نے:

گرچہ ہے بحر محبت پر خطر
کشتیٔ دل اس میں ڈالی جائے گی

الا یا ر ڈالی جائے گی، پر کس بلا کا روحانی زور پہنچایا گیا تھا، کہ اب تک اس کی کیفیت جب یاد آتی ہے تو۔ ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

ہائے اکاش! اچھل پڑتا" لیکن بازو ہی نہیں بلکہ شائد زور قلب سے بھی وہ سعادت میسر نہیں آسکتی جو محض بخشندہ کی بخشش ہی پر موقوف ہے وعسی اللہ ان یحدث بعد ذالک امرا۔

بہر حال یہ بات کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک "مستقل طے شدہ منصوبہ تھا اس کا ثبوت خود آپ کی تحریروں سے ملتا ہے۔ شیخ فرید (سید مرتضیٰ بخاری) جو جہانگیری دربار کے ممتاز ترین رئیس بلکہ سچ پوچھو تو "سلیم" کو جو اپنے ہی بیٹے اور مار آستین (خسرو) کا "سلیم" (مار گزیدہ) تھا، ٹھیک جس وقت اکبر کی موت کے بعد اس سانپ کا کامیاب حملہ ہوا، تو یہی بخاری سید تھے جن کی عمل و تدبیر سے مرنے والا "سلیم" جہانگیر" بن گیا، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا تفصیلی ذکر آئندہ آئے گا، ان ہی سید صاحب کو حضرت مجدد ایک خط میں لکھتے ہیں۔ یہ خط کیا ہے؟ اسلام اور مسلمانوں کا نوحہ اور مرثیہ ہے سابق حکومت کے معاندانہ سلوک پر داد بیلا کرتے ہیں علماء سوء کی چیرہ دستیوں پر نالہ کرتے اور شیخ فرید کو آمادہ کرتے ہیں کہ اس "فتنہ" کے مقابلہ کے لیے تم خود تیار ہو جاؤ۔ اور ہو سکے تو بادشاہ کو بھی کسی نہ کسی تدبیر سے اس راہ پہ لگاؤ، آخر میں ارقام فرماتے ہیں۔

بناءً علی ذالک ایں حقیر قلیل البضاعت نیز خواہد کہ خود را در جرگہ ممداں دولت اسلام اندازد و درین باب دست و پائے زند ثبتہ اج ا۔	اس بناء پر یہ حقیر "ٹٹ پونجیا" بھی اپنے کو "دولت اسلام کے مددگاروں کے جرگہ میں داخل کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس راہ میں ہاتھ پاؤں مارے

کچھ نہیں ہے اب برگی و بے سامانی کی آخری حد پہ کھڑے ہیں لیکن با ایں ہمہ اس "بلند منصوبہ" کے لیے اپنا عزم پیش کرتے ہیں۔ کتنے سینہ شگاف لہجہ میں سرہند کا ایک فقیر "مغل امپائر"

کے ایک "رکن رکین" کے بغل میں کھڑا ہو کر کہتا ہے۔

بحکم من کثر سواد القوم فهو منهم یحتمل کہ ایں بے استطاعت را داخل آن جماعہ کرام سازد مثل خود را آن زال می انگارد کہ ریسمان تبندہ خود را در سلک خریداراں حضرت یوسف علیہ السلام ساختہ بود۔	اس "ارشاد" کے مطابق کہ کسی قوم کا سواد جس سے بڑھتا ہو۔ وہ ان ہی میں شمار کیا جاتا ہے ہو سکتا ہے کہ اس بے استطاعت کو بھی بزرگوں کے اس گروہ میں داخل کر لیا جائے اپنے کو میں اس بڑھیا کے مانند خیال کرتا ہوں جس نے تاگا کات کر اپنے کو حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداروں میں شریک کر لیا تھا"

بہرکیف میرا یہ خیال ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک مفصل "منصوبہ" اور ایک متعین "نصب العین" تھا، اگرچہ ظاہر ہے کہ نہ وہ "پروگرام" کا زمانہ تھا، اور نہ "اسکیم" کی دنیا تھی اور اس وقت کیا؟ اخلاص و صداقت کا "جہاد" ہمیشہ اس قسم کے پروگراموں سے بے نیاز رہا ہے، جو صرف پروگرام ہی کے لیے بنا لیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ توقع تو بے جا ہو گی کہ میں ان تحریروں کی جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی پیش نظر تھیں کوئی واقعی نقل پیش کروں گا۔ بلکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے "مکاتیب طیبہ" کے مطالعہ و مقابلہ سے آپ کے "تجدیدی کارناموں" کی مختلف و متفرق کڑیوں کو مربوط کرنے کی کوشش کروں گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

لیکن قبل اس کے کہ میں آپ کے اس مرتب "منصوبہ" کو پیش کروں، ایک خاص امر کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس عہد میں ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالیاں اس نوبت تک پہنچ چکی تھیں۔ وہ بگڑ چکے تھے، ان کے بڑے چھوٹے سب بگڑ چکے تھے آوے کا کوئی برتن سالم نہیں رہا تھا، اور "تن" کا کوئی حصہ داغ سے خالی نہ تھا، تو پھر ان بے جان لاشوں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر چمن محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان "خانہ براندازوں" باغ اسلامی کے اجاڑنے والوں کے لیے آخر حضرت مجدد کے دل میں یہ ہوک کیوں پیدا ہوئی ایسوں کے لیے وہ کیوں تڑپے، کیوں کراہے کس نے اس ٹیس کو پیدا کیا۔ جس کے

دکھاور کوفت سے بے چین ہو ہو کر وہ

آنچہ من گم کردہ ام گر از سلیمان گم شدے
ہم سلیمان ہم پری ہم اہرمن بر گریستے

(مکتوب ۲۶ ج ۱-)

جلیں جی تلملا تلملا کر وہ۔

صبت علیؓ مصائب لو انہا
صبت علی الایام صرن لیالیا (مکتوب ج ۱)

کے ساتھ کیوں چیختے رہے، جانتے تھے، جیسا کہ ان ہی کی گواہیوں سے دکھا چکا ہوں کہ اس صنم کدہ ہند کے عام جاہل مسلمان کافروں کے دیوتاؤں کی دہائی دیتے تھے۔ ان کے آگے صحت و تندرستی کے لیے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتے تھے۔ ان کی عورتیں ہندوؤں کی دھمی دیویوں کی پوجا کرتی تھیں سیتلا مائی کی منت مانتی تھیں، اللہ کے باغیوں رسول کے دشمنوں کے تہواروں کو اپنی اسلامی عیدوں کی طرح منایا جاتا تھا، بیبیوں اور دیبیوں کے نام سے مسلمان خواتین روزے رکھتی تھیں، قبروں پر بکرے چڑھائے جاتے تھے۔ یہ عامیوں اور جاہلوں کا حال تھا۔ جو دین کی پابندی کے مدعی تھے، وہ اس میں اپنے کو مختار ٹھہراتے تھے کہ فرض کو نفل کا اور نفل کو فرض کا درجہ عطا کریں، اہم کو غیر اہم بنانا اللہ اور اس کے رسول کا نہیں، بلکہ ان "دنیداروں" کا کام تھا..... رہے مشائخ اور علماء سو آپ دیکھ چکے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ان کے نزدیک اس "مغز" کا چھلکا تھی، جو ان کے "بھیجے" کے بخارات سے تیار ہوا تھا، جس قانون کی پابندی پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی آخری سانس تک کی تھی، باوجود پیغمبر نہ ہونے کے اس کی پابندی ان کے لیے غیر ضروری تھی، جمال کی تلاش میں شیطان نے جس "جال" میں ان کو پھانسا تھا، یہی گندہ وبال ان کا انتہائی وصال تھا، اور "علماء" تے تراپنے "علمی و دینی" کاروبار سے شیطان کے لیے ہر لی ڈے (تعطیل) کا موقعہ ہی بہم پہنچایا تھا، اور صرف یہی نہیں

سلہ جو مصیبتیں مجھ پہ ٹوٹی ہیں، اگر دن پہ نازل ہوتیں تو دن رات ہو جاتا ۱۲

ہیں نے شاید پہلے ذکر نہیں کیا، اس زمانہ میں بھی پڑھے لکھوں یا تعلیم یافتوں کی ایک جماعت تھی جو باوجود خواندہ و اہل کتاب ہونے کے "علماء" کے لفظ سے موسوم نہ تھی، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا بھی ذکر کیا ہے، اپنے علم و فضل، کبر و غرور نے ان میں بھی وہی چیز پیدا کر دی تھی، جس کی بنیاد پر اپنی "آوارہ دماغی" کی تعبیر وہ آزاد خیالی سے کیا کرتے تھے، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے مسلک کی تعبیر ایک مفصل بیان کے ذیل میں فرمائی ہے، جس کا خلاصہ ان الفاظ میں درج فرمایا ہے۔

جمیع احکام شرعیہ را معقول خود سازد و بادلہ عقل برابر نمائد۔
(۲۱۴ ج ۱)

تمام شرعی احکام دقوانین کو اپنی عقل کے مطابق بنائے اور عقلی دلیلوں کے معیار پہ وہ پورے اترے ہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

ہر جگہ عقول شاں قبول کند و توانند دریافت قبول می نمائند و ہر چہ در درک عقول شان نہ در آید قبول نمی نمائند۔
(مکتوب ۴۴ ج ۳)

ان کی عقلیں جن باتوں کو مان لیں، یا جن کو دریافت کر سکتی ہوں ان ہی کو یہ مانتے ہیں، اور جو باتیں (شریعت) کی ان کی عقل میں نہیں آتی انہیں یہ نہیں مانتے ہیں۔

مسلمانوں کا یہ گروہ فلسفہ و حکمت (سائنس) کا گرویدہ تھا، اور قرآنی بیانات، حدیثی روایات کو انہی تحقیقات کا تابع قرار دیتا تھا حضرت نے ایک موقعہ پر ان ہی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

در زمرہ اہل اسلام خود را داخل ساختہ اند و ہمچناں بر اصول فلسفی خود راسخ اند بقدم سماوات و کواکب و امثال ایں ہا قائل اند و بعدم ہلاک و فنا انہا حاکم اند قوت الشیاں تکذیب نصوص قرآنی، و رزق شان انکار ضروریات دین۔

اہل اسلام کی زمرہ میں اپنے کو یہ داخل کرتے ہیں لیکن باوجود اس کے اپنے فلسفیانہ خیالات و نظریات پہ پوری قوت کے ساتھ جمے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ آسمانوں ستاروں اور اسی قسم کی چیزوں کی قدامت کے قائل ہیں، ان کے فنا و ہلاک برباد و تباہ ہونے کے منکر ہیں۔ ان کی غذا صرف قرآنی نصوص کی تکذیب اور ان کی روزی محض ضروریات دین کا انکار ہے۔

یہ سب کچھ لکھ کر آخر میں عجب انداز میں فرماتے ہیں:

عجب مومن اند بخدا و رسول ایمان آرند واما آنچہ خدا و رسول او فرمودہ است قبول ندارند سفاہست ازیں نمی گذرد۔ (ب ۲۳ ج ۳)

اچھے مسلمان اور مومن ہیں، اللہ اور رسول پر ایمان بھی رکھتے ہیں، اور جو کچھ اللہ و رسول نے فرمایا ہے اسے مانتے بھی نہیں حماقت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد کے ان آزاد خیال (فری تھنکر) تعلیم یافتوں کا نام "طالب علمان بے باک" رکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

طالب علمان بے باک" از ہر فرقہ کہ باشند "لصوص[1]" دین اند اجتناب از صحبت اینہا نیز از ضروریات دین است۔ (ب ۲۳ ج ۱)

علم کے طالبوں میں جو "بیباک" یعنی آزاد خیال ہیں جس فرقہ کے بھی ہوں، یہ دین کے چور ہیں۔ ان کی صحبت سے پرہیز کرنا بھی "ضروریات دین" میں ہے۔

"طالب علموں" یا تعلیم یافتوں" کی اسی جماعت کے چند خاص افراد کا ذکر ایک اور موقعہ پر ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

بعضے از طلبہ علوم بشومی طمع کہ ناشی از خبث باطن ست بامراء و سلاطین تقرب جستہ براہ خوشامد درآمدند و در دین متین تشکیکات نمودند و شبہات پیدا کردند

ان ہی طلباء علوم میں سے بعض لوگوں نے حرص کی بدبختی میں مبتلا ہو کر جو محض ان کے باطن کے خبث کا نتیجہ ہے۔ بادشاہوں اور امیروں کا تقرب حاصل کر کے خوشامد کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور دین متین

---

[1] "لصوص" لص کی جمع ہے جس کے معنی چور کے ہیں، یہ عجیب لفظ ہے گویا "دین اور علم دین" کے صرف جاننے سے آدمی اس کا مالک نہیں ہوتا، دین کا مالک وہی ہے جو اس پر عامل ہے۔ ورنہ جو دین کے دائرہ میں صرف علم کے لیے داخل ہوتے ہیں۔ یہ چور ہیں، محض اس لیے دینی علوم کا مطالعہ کرتے ہیں کہ جن سے وہ کوئی دنیاوی نفع اٹھا سکتے ہوں، یا اپنے دشمنوں کی توہین جن اجزاء کے ذریعہ سے کر سکتے ہوں۔ انہیں چرالیں حقیقت یہ ہے کہ ان چوروں کی ایک خاصی تعداد ہر زمانہ میں رہی ہے۔ اعاذنا اللہ من شرورہم ۱۲ منہ۔

وسادہ لوحاں را از راہ بر دند۔ (مکتوب ۵۶ ج ۲۔)

میں اس کے بعد شکوک وشبہات پیدا کر کے یہ بیوقوف اور سادہ لوحوں کی راہ مار رہے ہیں۔

ظاہر یہ اشارہ ادب و انشاء فلسفہ و تاریخ کے ان ہی شہسواروں کی طرف ہے جن میں ایک اپنے زمانہ میں سے

امروز نہ شاعر و حکیم دانندہ حادث وقدیم

کا نعرہ بلند کرتا تھا۔ اور دوسرا اس وقت تک کتنے تعلیم یافتوں کا اگر معبود نہیں تو مقصود ضرور بنا ہوا ہے، میری مراد ابوالفضل و فیضی سے ہے کہ اکبر کی سوداغی میں بہت بڑا دخل ان ہی دو "تعلیم یافتہ" بھاٹوں کا تھا۔

بہرحال میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ جب مسلمانوں کی یہ حالت ہو چکی تھی، اور دین سے وہ اس درجہ منقطع اور دور ہو چکے تھے۔ پھر باوجود اس کے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی اس شورہ بدگی و ہنگامہ آرائی کی آخر وجہ کیا ہوئی، کیوں نہیں ان کو بھی وہی خیال گزرا جیسا کہ سناجاتا ہے کہ اسلام کے بعض دلدادوں، علم وفضل کے صدر نشینوں نے اس عہد کے ہندی مسلمانوں کے متعلق گندہ لاشں ہونے کا فتویٰ صادر فرماتے ہوئے اعلان فرمایا کہ بہشتی وہ ہے جو ان کے دفن میں کوشش کرے گا یا اس ملک کے سیاہ وسپید درندوں کی ان مردوں کے نگلنے میں مدد کرے گا۔

اور یہ تو میں نے اکثر پاکان عصمت مآب کو خود دیکھا کہ ان کی زبانوں پہ غریب مسلمانوں کی لعنت کے سوا اب کچھ باقی نہیں رہا ہے، وہ مسلمانوں کو اس طرح گالیاں دیتے ہیں کہ گویا ان مسلمانوں میں یہ خود شریک نہیں ہیں۔ وہ ان کو اسی طرح سراپتے ہیں کہ گویا اس سراپ اور بددعا کے مستحقوں میں وہ خود نہیں ہیں۔ لیکن شاید یہ ہوشیاروں اور فرزانوں کی باتیں ہیں، یہ وہ جو دیوانہ ہے، عقل و ہوش سے بیگانہ ہے اسنتے ہو۔ وہ سب کچھ سنتا ہے لیکن با اینہمہ۔

وادیلاہ وامصیبتاہ واحسرتاہ واحزناہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العلمین

وادیلاہ وامصیبتاہ، واحسرتاہ واحزناہ محمد رسول اللہ جو رب العالمین کے محبوب ہیں۔ ان کو سچا

است مصدقان او ذلیل وخوار، ومنکران او بعزت واعتبار۔ (مکتوب ۱۶۳ ج ۱)

یقین کرنے والے تو ذلیل وخوار ہوں، اور ان کے منکر عزت واعتبار میں ہوں۔

کے ساتھ چلاتا ہے، چلاتا ہے اور اتنا چلاتا ہے کہ آسمانوں کو لرزا دیتا ہے۔ ذہن کانپ اٹھتی ہے۔ دنیا الٹ جاتی ہے، اور جو سوچا نہیں جا سکتا آخر وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ کر مرتا ہے رحمہ اللہ وطاب ثراہ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقاں پاک طینت را

سچ ہے کہ ہندوستان میں اس عہد کے مسلمان وہ سب کچھ ہو چکے تھے، جو ہو سکتے تھے، لیکن ایک چیز ان میں پھر بھی باقی تھی کہ "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین ست" ان کے مصدقوں سے، اور ان کے نام لیووں سے انہوں نے اپنے کو اب تک نہیں نکالا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ لغوی طور پر ان کے اعمال وافعال کے لحاظ سے مصدقوں کا لفظ ان پر صادق نہ آتا ہو۔ لیکن انصاف شرط ہے۔ کیا واقعی وہ اور ان کے باپ دادے جس پیغمبر کی رسالت پر ایمان لائے تھے، کیا اس کی رسالت کو وہ اسی طرح جھٹلا چکے تھے، جس طرح وہ جھٹلاتے ہیں، جو اس لیے نہیں کہ مشرقی ہیں، اس لیے نہیں کہ ایشیائی ہیں اس لیے نہیں کہ عربی یا ایرانی ہیں، اس لیے نہیں کہ ان کی کھال کا کوئی خاص رنگ ہے اس لیے نہیں کہ ان کی کوئی خاص بولی ہے، بلکہ اس لیے اور صرف اس لیے مسلمانوں کو دنیا سے مٹانا چاہتے ہیں کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں سچا سمجھتے ہیں، ہائے! اگر ان کا عمل ان کے اس تصدیق کی تکذیب کرتا ہے، تو آخر ان کے ساتھ کیوں بے انصافی کی جاتی ہے۔ جب اس کا الزام بجائے ان کے اس جماعت پر نہیں لگایا جاتا۔ جس کے متعلق حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

در قرن ماضی ہر بلائے کہ بر سر آمد از شومی ایں جماعت بود، بادشاہاں را ایناں از راہ می بردند ہفتاد و دو ملت کہ راہ ضلالت ست اختیار کردہ اند، اینہا علماء سُو بود

گذشتہ دور میں سروں پر جو بلائیں بھی آئیں اسی جماعت کی بدبختی اور نحوست کی راہ سے آئیں بادشاہوں کو یہی لوگ راہ سے ہٹا کر گمراہ کرتے ہیں بہتر طریقے جو گمراہی کے طریقے ہیں ان کو جن لوگوں

غیر از علماء سو کہ بضلالت رفتہ کم است کہ ضلالت او تعدی بدیگرے دارد و اکثر جہلا، صوفی نما ایں زمانہ حکم علماء سو دارند فساد اینہا نیز فساد متعدی ست۔

نے بھی اختیار کیا، وہ انہی علماء سوء ہی کے بدولت اختیار کیا، علماء کے سوا کم لوگ ہیں۔ جو اتنے گمراہ ہوں جس سے دوسرے بھی متاثر ہوتے ہوں اسی طرح اس زمانہ کے صوفی نما جہلا بھی علماء سوء کے حکم میں داخل ہیں کہ ان کا فساد بھی متعدی ہے۔

آخر جس امت کے پیشواؤں کے متعلق یہ واقعہ ہو کہ۔

اکثر علماء ایں وقت رواج دہندہائے بدعت اند و محو کنندہائے سنت مردم را بدعت دلالت می نمائند۔

اس زمانہ کے اکثر علماء بدعت کے رواج دینے والے ہیں، اور سنت کے مٹانے والے ہیں لوگوں کو بدعت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔

تو پھر ارباب انصاف کو کیا ہو گیا ہے کہ بجائے ان پیشواؤں کے ان کے پس رووں کو وہ کوستے ہیں وہ اگر بگڑے ہیں تو اس لیے نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہوں نے تکذیب کی ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ ان کو جو کچھ بگاڑا گیا ہے وہ اسی بنیاد پر بگاڑا گیا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العلمین ست

ان کی اور ان کی رسالت کی انہوں نے تصدیق کی ہے، کیا "علم محمدی" کے جاننے، کے مدعیوں نے ان کو جب کبھی بگاڑا جہاں کہیں بگاڑا تھی کہ اس وقت بھی جو بگاڑ رہے ہیں، تو کیا یہی کہہ کر نہیں بگاڑ رہے ہیں کہ،

"محمد اور محمد کا رب اب تم سے یہ کہتا ہے" (صلی اللہ علیہ وسلم)

"فاعتبروا یا اولی الابصار"

میں نے بہت تلاش کیا۔ لیکن مجددی قلب کے طوفانی تلاطم، اور بے پناہ ہیجانوں کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہ ملا کہ جو رب العلمین کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب تھے، ان کی خواری و ذلت کے نظارہ کی تاب اس سرمست بادہ الست کا دل دیوانہ نہ لا سکا، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ دوسرے جو کچھ چاہیں سوچیں، جس بات سے چاہیں

متاثر ہوں، جس چیز کو چاہیں اہم قرار دیں، لیکن سر باختوں، مجنونوں کے لیے تو۔

خراباتیاں می پرستی کنید   محمد بگوئید و مستی کنید

کے سوا نہ تو کوئی سرمایہ شادی ہے اور نہ بضاعت غم، سچ کہا جس نے کہا ادرحمہ اللہ ۵

لی حبیبٌ عربی مدنی قرشیٌ   کہ بود درد دلش مایہ شادی و خوشی

نتبعها الرادفه

افسوس! مولانا گیلانی مرحوم اس کے بعد اس سلسلہ کی کوئی قسط نہ لکھ سکے مستقل سوانح تجددی لکھنے کا ارادہ کرلیا تھا لیکن اس کے لیے وقت نہیں نکال سکے یہاں تک کہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا

جہادِ تجدید

قال علیہ وعلی الہ الصلوات والتسلیمات "الاسلام بدء غریبا ویعود کما بدء فطوبی للغرباء"[1] وشروع آخریت این امت از بدایت الف ثانی است از ارتحال آن سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام زیرا کہ مضی الف را خاصیتے است عظیم در تغیر امور و تاثیر بلیغ است قوی در تبدیل اشیاء و چوں دریں امت نسخ و تبدیل نبود ناچار نسبت سابقان بہمان طراوت و نضارت در دوستادان جلوہ گر گشتہ است و تائید شریعت و تجدید ملت در الف ثانی فرمودہ۔"

(ارشاد امام ربانی در مکتوب ۲۶۲ دفتر اول)

---

[1] (خلاصہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اسلام کس مپرسی ہی کی حالت میں دنیا میں آیا اور آخر میں بھی اس کی یہی حالت ہو جائے گی اور اس امت کا آخری دور حضور کی وفات شریف سے ہزار سال بعد سے شروع ہوتا ہے۔ کیونکہ حالات کی تبدیلی اور تغیر میں ہزار سال کو خاص دخل ہے۔ اور چونکہ اس امت میں فسخ و تبدیلی کا دروازہ بند ہے اس لیے سابقین ہی کی نسبت اپنی تازگی و شادابی کے ساتھ بعد والوں میں جلوہ گر ہو گئی ہے اور شریعت کی تائید اور ملت کی تجدید وہی کر رہی ہے۔ ۱۲۔

مقدس اسلام پر جب پورے ایک ہزار برس گزرے اور اس نے الف ثانی (ہزارۂ دوم) میں قدم رکھا اُس وقت خاص کر ہندوستان میں عرب کے اس مسافر پر ہر چہار طرف سے فتنوں کی یورش تھی — ایک طرف سلطنت کا الحاد اور اس کی ہندو نوازی بلکہ ہندو بت پرستی اس کو پامال کر رہی تھی، دوسری طرف علماء سوء کی دسیسہ کاریاں اس میں رخنے ڈال رہی تھیں، اور تیسری طرف "متصوفہ باطلبہ" کی ہوائی پرستیاں اس کی روح کو مسخ کر رہی تھیں اور لاوارث اسلام اس طرح اس "تثلیث" سے مغلوب کیا جارہا تھا، اس کا ضعف اضمحلال، اس کی غربت وکس مپرسی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

خود حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے (جن کو قدرت نے ان فتنوں کے مقابلہ اور استیصال ہی کے لیے کھڑا کیا تھا) جو کچھ اپنے تاثرات اس عہد کے متعلق لکھے ہیں۔ انہی سے ایک صاحب بصیرت حقیقت حال کا پورا پورا اندازہ کرسکتا ہے — چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔ (تمام تراجم بطور خلاصہ)

غربت اسلام تا بجائے رسیدہ است کہ کفار برملا طعن اسلام و ذم مسلمانان مے نمایند و بے تحاشا اجرا احکام کفر و مداحی اہل آں در کوچہ و بازار میکنند و مسلمانان از اجراء احکام اسلام ممنوع اند و در اتیان شرائع مذموم و مطعون، سہ

اسلام کی کس مپرسی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار برملا اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں، اور بے محابا کوچہ و بازار میں مراسم کفر ادا کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریفیں کرتے ہیں اور اس کے برعکس مسلمانوں کو احکام اسلام کی ادائیگی سے منع کیا جاتا ہے اور اس پر اعتراض ہوتا ہے۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

پری منہ چھپائے ہوئے ہے اور دیو دندناتا پھرتا ہے عقل حیران ہے کہ یہ کیا بوالعجبی ہے۔

سبحان اللہ و بحمدہ الشرع تحت السیف گفتہ اند و رونق شرع شریف را بسلاطین وابستہ اند قضیہ منعکس گشتہ است و معاملہ انقلاب پیدا کردہ است وا حسرتاہ و اندامتاہ، و لویلاہ

خدا کی شان! مشہور تو یہ ہے کہ شریعت تلوار کے سایہ میں ہے اور دین کی رونق سلاطین سے وابستہ ہے۔ لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹا ہو گیا ہے۔ کتنی حسرت و ندامت اور کیسے افسوس کا

(مکتوب ۶۵ دفتر اول ص ۸۲) مقام ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں اسی "انقلاب" پہ اس طرح نوحہ کرتے ہیں۔

در قرن ماضی کفار برملا بطریق استیلا
اجرائے احکام کفر در دار اسلام میکردند
و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز
بودند و اگر میکردند بقتل میرسیدند، واویلا
وامصیبتا، واحسرتا واحزنا، محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است
مصدقان او ذلیل و خوار بودند و منکران او
بعزت و اعتبار مسلمانان با دلہائے ریش در
تعزیت اسلام بودند و معاندان بسخریہ و
استہزاء بر جراحتہائے ایشان نمک پاشیدند
آفتاب ہدایت در تتق ضلالت مستور
شدہ بود و نور حق در حجب باطل منزوی

پچھلے دنوں کفار برملا سینہ زوری سے
احکام کفر اس دار الاسلام میں ادا کرتے تھے
اور مسلمان احکام اسلام کی علانیہ ادائیگی سے عاجز
تھے اور اگر وہ ایسا کرتے تھے تو قتل کیے جاتے
تھے ہائے افسوس! اور ہائے ہماری بربادی!
پروردگار عالم کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے
والے ذلیل و خوار تھے اور ان کے منکروں کی عزت
کی جاتی تھی مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام
کی تعزیت میں مصروف تھے اور دشمن مذاق اور
تمسخر سے اُن کے زخمی دلوں پر نمک چھڑکتے
ہدایت کا آفتاب پردوں میں مستور تھا۔ اور
نور حق باطل کے حجابوں میں چھپا ہوا۔

(مکتوب نمبر ۴۷ ص ۶۵ ج ۱)

ایک اور موقع پہ ارقام فرماتے ہیں۔

کفار ہند بے تحاشی ہدم مساجد مے نمایند
در آنجا تعمیر معبد ہائے خود میسازند و نیز
کفار برملا مراسم کفر بجا مے آرند و مسلمانان
در اجرائے اکثر احکام اسلام عاجز اند
روزے کہ ہنود کہ ترک اکل و شرب
مے نمایند اہتمام دارند کہ دراں روز در
بلاد اسلام ہیچ مسلمانے در روز نان نپزد و

ہندوستان کے کفار بلا دھڑک مسجدوں کو گرا کر
ان کی جگہ اپنے مندر بناتے ہیں ...... اور برملا
مراسم کفر ادا کرتے ہیں اور غریب مسلمان اکثر
احکام اسلامی کے ادا کرنے سے عاجز ہیں
ہندوؤں کے برت کے دنوں میں یہ اہتمام
ہوتا ہے کہ دن میں کوئی مسلمان روٹی نہ پکائے
اور نہ فروخت کرے اور اس کے برعکس ماہ
رمضان مبارک میں وہ برملا روٹی کھانا بیچتے

نفرد شد و در ماہ مبارک رمضان برملا نان وطعام مے پزند و مے فروشند ہیچکس از زبونی اسلام منع آں نمے تواند نمود افسوس صد ہزار افسوس (مکتوب ۹۲ دفتر دوم ص۱۶۳)

ہیں اور اسلام کی کس مپرسی کی وجہ سے کوئی نہیں روک سکتا۔ افسوس صد ہزار افسوس۔

حکومت کی بے راہ روی اور ہندو نوازی کی وجہ سے اسلام اور فرزندان اسلام پہ اُس وقت جو کچھ گزر رہی تھی، اور ہندوستان کی زمین باوجود اس کی وسعت کے ان کے حق میں جس قدر تنگ کردی گئی تھی اس کا اندازہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے انہی اجمالی بیانات سے ہوسکتا ہے۔ یہ تو بیرونی بلا تھی جو بدقسمتی سے حکومت اور آہ کہ "اپنی حکومت" کے ہاتھوں سے مسلط ہو رہی تھی۔

اس کے علاوہ اندرونی رخنوں نے کیا حال کر رکھا تھا؟ اس کو بھی خود حضرت مجدد ہی کی زبان حق ترجمان سے سنیئے۔

الف ثانی اور کفر و بدعت کی ظلمت

بعد از ہزار سال ظلمات کفر و بدعت مستولی گشتہ است و نور اسلام و سنت نقصان پیدا کردہ (مکتوب نمبر ۹۶ دفتر سوم ص۱۱۲)

ہزار سال کے بعد کفر و بدعت کی تاریکیاں مسلط ہوگئی ہیں اور اسلام و سنت کا نور گھٹ رہا ہے۔

ایک دوسرے مکتوب گرامی میں ارقام فرماتے ہیں:

دریں وقت عالم بواسطہ کثرت ظہور بدعت در رنگ دریائے ظلمات بہ نظر مے درآید

اس وقت بدعات کے عام شیوع کی وجہ سے سارا عالم تاریکیوں کے دریا کی طرح نظر آتا ہے۔

ایک اور موقع پہ فرماتے ہیں اور کس قدر دلسوزی سے فرماتے ہیں:

عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ است و بظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجالی است کہ دم از رفع بدعت زند و باحیاء سنت لب کشاید۔ اکثر علماء ایں وقت رواج

ساری دنیا دریائے بدعت میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعات کی تاریکیوں نے سارے عالم کو آغوش میں لے لیا ہے کس کی مجال ہے کہ بدعت کی مخالفت اور سنت کی حمایت میں زبان کھولے

وشدہ ہائے بدعت اند ومحو کنندہ ہائے سنت
(مکتوب ۴ درد فتر دوم ص۱۰۳)

اس وقت کے اکثر مولوی بدعتوں کے رواج دینے والے اور سنتوں کے مٹانے والے ہیں۔

یہ تھے وہ حالات جن کے درمیان حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کیا گیا اور جن کی اصلاح وتبدیل کا عظیم الشان کام آپ کے سپرد کیا گیا، اس کی طرف خود حضرت مجدد قدس سرہٗ نے بھی اپنے مکاتیب میں متعدد جگہ اشارے فرمائے ہیں۔ ایک موقع ملاحظہ فرمائیے۔

اپنے صاحبزادہ، اسرار ومعارف مجددیہ کے وارث حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لکھنے کے بعد کہ "میں مقام محبوبیت اور مقام خلت کو باہم دگر جوڑ دینے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں" ——— ارقام فرماتے ہیں؛

اے فرزند باوجود این معاملہ کہ بخلقت من مربوط بودہ است، کارخانہ عظیم دیگر بمن حوالہ فرمودہ اند وبرائے پیری مریدی مرا نیاوردہ اند ومقصود از خلقت من تکمیل وارشاد خلق نیست معاملہ دیگر است وکارخانہ دیگر درین ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض خواہد گرفت والا لا۔ معاملہ تکمیل وارشاد نسبت بآن کارخانہ امریست ہمچوں مطروح فی الطریق"۔
(مکتوب ۶ دفتر دوم ص۱۵)

فرزندمن! باوجود اس معاملہ کے جو میری آفرینش سے وابستہ ہے کہ ایک اور بہت بڑا کام میرے سپرد کیا گیا ہے مجھے پیری مریدی کے لیے اس دنیا میں نہیں لایا گیا، اور نہ میرے وجود سے ارشاد وتربیت مقصود ہے۔ معاملہ کچھ اور ہی ہے اور قدرت کو کچھ اور کام لینا ہے، ہاں اس ضمن میں جس کو مناسبت ہوگی وہ یہ فیض بھی حاصل کرے جو کام قدرت کو مجھ سے لینا ہے اس کے مقابلہ میں یہ اصلاح وارشاد کا کام بالکل ہیچ ہے۔

یہ کارخانہ "عظیم" اور "معاملہ دیگر" کہ جس کے سامنے تکمیل وارشاد کی بھی کوئی حقیقت نہیں بجز "احیاء ملت" اور "اقامت دین" کے اور کیا ہو سکتا ہے، فی الحقیقت آپ کا اصل کام یہی تھا کہ اسلامی دنیا کی کایا پلٹ دیں۔ اور حق جو باطل کے پردوں میں مستور ہو گیا تھا۔ اس کو اصلی صورت اور اس کی اصلی شان میں دنیا کے سامنے رکھ دیں، کلمۂ الٰہی پھر غالب ہو اور کفر وبدعت کے غلیظ بادل اسلام کے افق سے یکسر چھانٹ دیئے جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہزار ہا ہزار رحمتیں نازل ہوں آپ کی روح پاک پہ کہ آپ نے مجددانہ عزیمت اور مجاہدانہ جدوجہد کے ساتھ اس کام کو انجام تک پہنچایا اور دیکھنے والوں نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جس کی اس وقت کوئی امید نہ کی جا سکتی تھی۔

اس مضمون میں آج ہم کو صرف یہ بتلانا ہے کہ اس مجدد دین و ملت نے کس طرح اُن حد سے زیادہ بگڑتے ہوئے حالات کو سنبھالا اور بلا کسی مادی طاقت اور حکومتی اقتدار کے کن تدابیر سے پورے ملک کی فضا کو بدل کے رکھ دیا حتیٰ کہ خود حکومت میں بھی آپ سے آپ وہ انقلاب ہو گیا جو بظاہر صرف انقلابی ذرائع سے ہی ہو سکتا تھا بلکہ بسا اوقات زبردست "انقلابی تحریکوں" سے بھی ایسا انقلاب رونما نہیں ہوتا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے سب سے پہلے ان فتنوں کے سرچشموں کو دریافت کیا تو دیکھا کہ اصولی طور پر صرف تین راستے ہیں جن سے گمراہیوں اور تباہیوں کے یہ سیلاب آ رہے ہیں۔

ایک ارباب حکومت، جن کو حالات و اتفاقات کی ایک خاص رفتار اور "سیاسی مفاد" کے ایک غلط تصور اور غلط توقعات نے "اسلامیت" سے بیگانہ اور لامذہبیت بلکہ ہندوئیت سے آشنا بنا دیا ہے۔

دوسرے وہ علماء سوء جن کا مطمح نظر صرف اچھی طرح دنیا کمانا، ارباب اقتدار اور امراء وقت کی خوشنودی اور رضا جوئی میں ساعی رہنا، اور ان کی خاطر ہر منکر کو معروف بنا دینا اور اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کے لیے اسلام میں گنجائش پیدا کرنا ہوتا ہے۔

تیسرے وہ گمراہ اور بر خود غلط صوفی جو شریعت کو "ظاہر پرستوں" کا کھلونا سمجھتے ہیں اور "طریقت و حقیقت" کے مقدس ناموں سے انہوں نے اپنی ایک الگ دنیا بنا رکھی ہے۔ جس میں آدمی خدا بھی بن سکتا ہے اور خدا کا بیٹا بھی اور جس میں "عارف کامل" بننے کے باوجود ہر گناہ اور لذت نفس کے ہر طریقے کے لیے پوری گنجائش ہے —— یہ تھے فتنوں کے تین چشمے جن میں سے ہر ایک دوسرے سے

اتصال تھا۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ نے بس انہی کو قابو میں لانے اور ان کا رُخ صحیح کرنے کے لیے اپنی پوری حکمت اور قوت صرف فرما دی۔

افسوس ہے کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس جد وجہد کی کوئی مکمل بلکہ غیر مکمل تاریخ بھی ایسی موجود نہیں جس سے اس سلسلہ کے واقعات کی پوری ترتیب معلوم ہو سکے خود حضرت ہی کے مکتوبات سے بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ نے بہت سے ارکان سلطنت اور عمائد حکومت سے خاص ربط پیدا کیا، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں ان کو اپنا گرویدہ بلکہ غلام بنا لیا، لیکن یہ کیونکر ہوا؟ اور ایک فقیر بے نوا نے کس طرح اس میں کامیابی حاصل کی اس کی تفصیلات افسوس ہے کہ بالکل نہیں ملتیں۔

بہر کیف جو صورت بھی اختیار کی گئی ہو، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے لیے حق تعالیٰ نے یہ راستہ پیدا کر دیا اور آپ کی عظمت وجلالت، اور مودت ومحبت کچھ ایسے قلوب میں ڈال دی جن کے ہاتھوں میں سلطنت کا کاروبار تھا اور جن کو حکومت میں کافی رسوخ حاصل تھا۔ ــــ آپ نے ایک طرف تو خود ان کی تعلیم وتربیت فرمائی اور ان کے خیالات کو درست کر کے اسلامی زندگی کا اصل نصب العین ان کے سامنے رکھا اور دوسری طرف ان کے ذریعہ حکومت کی مشنری کے رُخ کو صحیح کیا۔ یہ ارکان سلطنت جن کے ذریعہ سے حضرت علیہ الرحمۃ اپنا یہ انقلابی پروگرام چلا رہے تھے ان میں سے بعض دار السلطنت آگرہ ہی میں اور بعض دیگر مختلف صوبوں میں تھے اور حضرت ہر ایک کو برابر ہدایات دیتے تھے حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت جبکہ رسل ورسائل کے ذرائع بہت ہی محدود تھے۔ جبکہ تار برقی کا یہ جال اور ریلوں کا موجود الوقت نظام پھیلا ہوا نہ تھا اس وقت یہ "فقیر" کس طرح سرہند کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر یہ کچھ کر رہا تھا۔

آپ کی اس ٹھوس اور خاموش انقلابی کوشش کا کچھ دھندلا سا نقشہ جن مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے ان میں سے چند کے اقتباسات ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

اسلام کی غربت اور کس مپرسی اور حکومت وقت کی اُس کے ساتھ بے مہری کا ذکر کرنے کے بعد حکومت وقت کے خاص رکن خان اعظم کو لکھتے ہیں:

"امروز وجود شریعت شمارا مغتنم مے شمریم و مبارز دریں معرکہ ضعیف و شکست خوردہ جز شمارا نمے دانیم حق سبحانہ و تعالیٰ موید و ناصر شما باد بحرمۃ النبی و آلہ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات و البرکات لن یومن احدکم حتی یقال لہ انہ مجنون۔ دریں وقت آں جنوں کہ بنائے آں فرط غیرت اسلام است در نہاد شما محسوس است الحمد للہ سبحانہ علی ذلک امروز آں روز است کہ عمل قلیل را باجرے جزیل باعتنائے تمام قبول مے فرمایند ایں جہاد قولی کہ امروز شمارا میسر شدہ است جہاد اکبر است مغتنم دانید و ہل من مزید۔ بگو یند وایں جہاد گفتنی را بہ از جہاد کشتنی دانید مثال ما مردم فقرا و بے دست و پا ازیں دولت محروم سے

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

مکتوب نمبر ۶۵ ص ۸۲ دفتر اول)

اس نازک وقت میں جبکہ ہمارا پلہ کمزور ہے اور ہم بازی ہار چکے ہیں آپ کے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں، اور سوائے تمہارے کوئی "مرد میدان" اس میدان میں ہم کو نظر نہیں آتا۔ حق تعالیٰ بطفیل اپنے نبی اور ان کے اہل بیت کے علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام آپ کا ناصر و مددگار ہو، حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ "تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو دیوانہ نہ کہا جائے" اس وقت وہ دیوانگی جس کی بنیاد اسلامی غیرت اور حمیت پر ہوتی ہے آپ ہی کی فطرت میں نظر آتی ہے والحمد للہ علیٰ ذالک آج وہ وقت ہے کہ تھوڑے عمل کو بڑے ثواب کے بدلے میں بڑی مہربانی سے قبول فرماتے ہیں ..... یہ جہاد قولی جو آج تم کو میسر ہے جہاد اکبر ہے اس کو غنیمت جانو اور مزید کے طالب رہو، یہ جہاد باللسان جہاد بالسیف سے افضل ہے۔ ہم جیسے بے دست و پا فقراء (جن کی بادشاہی تک رسائی نہیں) اس نعمت سے محروم ہیں۔ ہم نے تم کو خزانے کا پتہ دے دیا ہے اگر ہمارا ہاتھ اس تک نہیں پہنچ سکا ہے تو

شاید تم ہی اس کو پالو۔

نیز اسلام کی کمزوری، مسلمانوں کی ذلت وخواری اور بے اعتباری اور کفار کی چیرہ دستیوں کا حال لکھنے کے بعد لالا بیگ[2] کو خدمت دین اور اعلاء حق کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

از ابتداء بادشاہت اگر مسلمانی رواج یافت ومسلمانان اعتبار پیدا کردند فبہا واگر عیاذاً باللہ سبحانہ در توقف افتد کار بر مسلمانان بسیار مشکل خواہد شد، الغیاث الغیاث ثم الغیاث الغیاث تا کدام صاحب دولت بایں سعادت مستعد گردد وکدام شاہباز بایں دولت دست برد نماید ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم ثبتنا اللہ وایاکم علی متابعۃ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا

اگر اس وقت کہ حکومت کا آغاز ہے اسلامیت نے رواج پالیا اور مسلمانوں نے اپنا وقار قائم کر لیا تو فبہا ورنہ اگر معاذ اللہ کچھ توقف ہو گیا تو مسلمانوں پر معاملہ بہت مشکل ہو جائے گا۔ الغیاث، الغیاث ثم الغیاث، الغیاث۔ دیکھئے یہ سعادت کس خوش نصیب کے ہاتھ آتی ہے اور کون شاہباز اس نعمت کو اچکتا ہے یہ تو اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے بخشے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر ثابت قدم رکھے۔

والسلام۔

(مکتوب نمبر ۸۱ ص ۱۰۶/۱۹)

صدر جہاں[1] کو کچھ دعائیں دینے اور عہد اکبری کی دینی بربادی کا تذکرہ کرنے کے بعد

---

[1] جہانگیر صدر جہاں کو بہت مانتا تھا یہ بچپن میں اس کے نگران تعلیم بھی رہے تھے عہد اکبری میں ان کا منصب بہت معمولی تھا، اور قاعدہ کے لحاظ سے اس میں معمولی ہی ترقی دی جا سکتی تھی۔ لیکن جہانگیر نے ضابطہ قاعدہ کی رعایت نہ کرتے ہوئے ان کو ایک دم چار ہزاری منصب پر سرفراز کر دیا تھا۔ (تزک جہانگیری) ۱۲۔

[2] یہ لالا بیگ جہانگیر کے بہت معتمد تھے اور اس نے صوبہ بہار کا تمام نظم ونسق انہی کے سپرد کر دیا تھا گویا یہ بہار کے گورنر تھے۔ (تزک جہانگیری)

لکھتے ہیں:

اکنوں کہ انقلاب دول بظہور پیوستہ و
صورت عناد اہل ملل برہم شکستہ برائمہ اسلام
از صدر اسلام و علماء کرام لازم است کہ تمام
ہمت خود را مصروف رواج شریعت غراء
ساختہ در ہدایت امر ارکان اسلام منہدمہ
را برپا سازند کہ در تسویف خیریت ظاہر
نمی شود دلہائے غریباں ازیں تاخیر در
اضطراب شدہ است..... ہرگاہ بادشاہان
را گرمی ترویج سنت سنیہ مصطفویہ علی
صاحبہا الصلوات والتحیہ نباشد و مقربان
السلطان نیز دریں باب خود را معاف دارند
و حبات چند روزہ را عزیز شمرند کار بر
فقرائے اہل اسلام بسیار تنگ و تیرہ
خواہد بود، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اب جبکہ سلطنت میں انقلاب رونما ہو گیا ہے اور
اہل مذاہب کے عناد کی تیزی ختم ہو چکی ہے
عظمائے اسلام وزراء اور علمائے کرام کے لیے ضروری
ہے کہ وہ اپنی پوری توجہ احکام شرعیہ کی ترویج
پر لگا دیں اور اولین فرصت میں اسلام کے ان
ارکان کو قائم کریں جو عہد ماضی میں منہدم کر دیے
گئے تھے۔ ہم غریبوں کو اس بارہ میں تاخیر و توقف
سے سخت بے چینی ہے۔ جبکہ بادشاہان اسلام
ہی میں سنن نبویہ کی ترویج کا جذبہ نہ ہو اور ان
کے مقربین بھی اس بارہ میں کچھ نہ کریں تو فقراء
اہل اسلام کے لیے کام بڑا تنگ و تاریک ہو
جائے گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آنچہ از من گم شدہ گر از سلیماں گم شدے
ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن نگریستے!

کیا بتائیں! کہ اس دینی بربادی کی وجہ
سے ہمارا کیا حال ہے! آہ جو دولت
ہم سے چھینی ہے اگر وہ جناب سلیمان کے
ہاتھ سے گئی ہوتی تو وہ خود اور ان کے ساتھ
دیو پری سب خون کے آنسو روتے۔

(مکتوب نمبر ۱۹۵ دفتر اول)

خان جہاں جو سلطان وقت کے مقربین خاص میں سے تھے اور جہانگیر جن کی بات
کو سنتا اور مانتا تھا، ان کی اصلاح کی طرف حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو خاص توجہ تھی مکتوبات کے
تینوں دفتروں میں آپ کے نام بہت سے مکاتیب ہیں دفتر دوم میں ایک طویل مکتوب

گرامی ہے جس میں آپ نے دین کے تمام مہمات، تمام ضروری عقائد اور ارکان اسلام کو بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے جمع فرما دیا ہے۔ اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک شخص کو دین اسلام اور طریقہ اہل سنت و جماعت سے واقف کرانے کے لیے یہی مکتوب گرامی کافی ہے۔

اس میں دین کے متعلق تمام ضروری باتیں لکھنے کے بعد "حرف مطلب" کو اس طرح ادا فرماتے ہیں:

دولتے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ شمارا بآں ممتاز ساختہ است و مردم ازاں دولت غافل اند بلکہ نزدیک است کہ شما ہم آنرا در نیابید آں است کہ بادشاہ وقت ...... ہرگاہ سخن شمارا بحسن استماع مبفرمائد و بقبول تلقی مے نماید چہ دولت است کہ بصریح یا باشارت کلمۂ حق یعنی کلمہ اسلام کہ موافق معتقدات اہل سنت و جماعت است شکر اللہ سعیہم گوش زد ایشاں نمائید و ہر قدر کہ گنجائش دانند سخن اہل حق را عرضہ دارند بلکہ ہموارہ مترصد و منتظر باشند کہ تقریبے پیدا شود و سخن مذہب و ملت درمیان آید تا اظہار حقیقت اسلام نمودہ آید و بیان کفر و کافری کردہ شود۔

حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو جس دولت عظمیٰ سے ممتاز کر رکھا ہے کہ عام آدمی اس سے ناواقف ہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ خود تم کو بھی اس کا احساس نہ ہو۔ یہ ہے کہ جبکہ بادشاہ وقت آپ کی بات سنتا اور مانتا ہے تو کتنا اچھا موقع اور کیسی نعمت ہے کہ صراحتاً یا اشارۃً جب جیسا موقع سمجھا جائے کلمہ حق یعنی حضرات اہلسنت و جماعت کے معتقدات کے موافق اسلامی تعلیمات ان کے کان میں ڈالی جائیں اور اہل حق کی باتیں وہاں تک پہنچائی جائیں بلکہ ہمہ وقت اس کے متلاشی اور منتظر رہیں کہ کوئی موقع مذہبی اور دینی گفتگو کا آئے تاکہ اسلام کی حقانیت اور کفر اور اہل کفر کی خرابیاں بیان کی جا سکیں۔

پھر ہندی بت پرستوں اور شیعوں کے عقائد باطلہ پر ایک مختصر تبصرہ فرمانے کے بعد ذکر حکومت کو اس وقت یہی دو گھن لگے ہوئے تھے) آخر مکتوب میں پھر اپنے مطلب پر آجاتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

براصل سخن رویم وگویم کہ معلوم ایشان است کہ سلطان کالروح است وسائر انسان کالجسد اگر روح صالح است بدن صالح واگر روح فاسد است بدن فاسد پس در صلاح سلطان کوشیدن در صلاح جمیع بنی آدم کوشیدن است واصلاح در اظہار اسلام است بہر روش کہ گنجائش وقت باشد واز گذشت کلمۂ اسلام از معتقدات اہل سنت وجماعت نیز گاہ وبے گاہ گوشزد باید ساخت ورد مذہب مخالف باید نمود واگر ایں دولت میسر گردد وراثت عظمیٰ از انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات بدست آید شمارا ایں دولت مفت بدست آمدہ است قدر آن بدانند۔

اب میں اصلی بات پر آتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ مثل روح کے ہے اور باقی انسان بمنزلہ جسم کے اگر روح ٹھیک ہوتی ہے تو جسم بھی صحیح سالم رہتا ہے اور جب روح میں کوئی خرابی آجاتی ہے تو جسم بھی خراب ہوجاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرنا دراصل تمام انسانوں کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے اور یہ اصلاح اس طرح ہوسکتی ہے کہ جب موقع ملے اور گنجائش نظر آئے صحیح اسلامی تعلیمات ان کے کان میں ڈالی جائیں اور مخالفین کے مذاہب باطلہ کا رد کیا جائے اگر یہ دولت آپ نے حاصل کی تو سمجھیے کہ آپ کو انبیاء علیہم السلام کی وراثت مل گئی، بڑی سعادت ہے کہ آپ کو یہ دولت مفت مل رہی ہے۔ اس کی قدر جاننی چاہیے۔

(مکتوب نمبر ۶۷ دفتر دوم صہ ۱۳۵)

انہی خان جہاں کو ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں۔

ہمیں خدمت کہ در پیش دارند اگر آنرا بانیان شریعت مصطفیٰ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ جمع سازند کار انبیاء کردہ باشند علیہم الصلوات والتسلیمات دین متین را منور ساختہ معمور گردانیدہ ما فقیران اگر سالہا جان بکنیم دریں عمل بگرد شما

یہی خدمت اور یہی منصب جس پر آپ ہیں اگر اس شریعت مصطفوی کی تائید وترویج کا پورا کام لیں اور اس کے لیے اپنی امکانی قوت اور پورے اختیارات صرف کریں تو گویا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کام کریں گے اور دین مقدس کو منور اور آباد کردیں گے ہم

شاہبازاں ترسیم ؎
گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمے آید سواراز اچہ شد
اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ "
(مکتوب ۱۹۳ دفتر سوم صـ ۹۲)

فقیر لوگ اگر اپنی جان بھی ختم کر دیں گے جب بھی اس کام میں آپ جیسے شاہبازوں کی گرد نہیں پا سکتے، بس، توفیق وسعادت کی گیند سامنے ڈال دی گئی ہے۔ لیکن کوئی خوش بخت میدان میں نہیں اترتا۔ معلوم سواروں کو کیا ہو گیا۔ اے اللہ اپنی مرضیات کی توفیق دے۔

بارگاہ سلطانی کے ممتاز مقربین میں ایک شیخ فرید[1] بھی تھے، ان کے نام بھی حضرت کے بہت سے مکاتیب ہیں ایک مکتوب میں دعائیں دینے کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

بادشاہ نسبت بعالم در رنگ دل است نسبت بہ بدن کہ اگر دل صالح است بدن صالح است واگر ناسد است فاسد بصلاح بادشاہ صلاح عالم است ولفساد فساد عالم۔

بادشاہ کو دنیا سے وہی نسبت ہے جو دل کو تمام بدن سے کہ اگر دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح اور اگر دل میں خرابی آئی تو بدن بھی خراب ہو گا بہرحال بادشاہ کی صلاح وفساد سے دنیا کا صلاح وفساد وابستہ ہے۔

امروز کہ زوال مانع دولت اسلام و بشارت جلوس بادشاہ اسلام بگوش خاص و عام رسید اہل اسلام بر خود لازم دانستند کہ ممد و معاون بادشاہ باشند و بر ترویج شریعت و تقویت ملت دلالت نمایند ایں امداد و تقویت خواہ بزبان میسر شود و خواہ بدست سابق ترین دولت مددہا

آج کہ دولت اسلام کی ترقی اور بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوشخبری عام و خاص کو پہنچ گئی۔ اہل اسلام نے بادشاہ کی امداد و اعانت اور ترویج شریعت اور تقویت ملت کے بارہ میں اس کی رہنمائی اور اس راہ میں ہر قسم کا تعاون لازم وضروری جانا۔ اور اولین امداد یہی ہے کہ مسائل شرعیہ اور کتاب وسنت و اجماع امت کے

---

[1] تزک جہانگیری سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے دل میں ان کی بہت عزت اور عظمت تھی، پنج ہزاری منصب پر فائز تھے۔

تبیین مسائل شرعیہ است و اظہار عقائد کلامیہ بر طبق کتاب و سنت و اجماع امت تا مبتدع و ضالے در میان آمد از راہ نبرد و کار بفساد نہ انجامد...... متوقع از جناب شریف الیشان آنست کہ چوں استطاعت و قرب بادشاہ بروجہاتم الیشان راحق سبحانہ و تعالی میسر ساختہ است در علاو ملاد ترویج شریعت محمدی علیہ و علی آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کوشند و مسلمانان را از غربت بر آرند۔

(مکتوب ۴۷ دفتر اول ص۶۶)

مطابق عقائد اسلامیہ سے ان کو باخبر کیا جائے تاکہ کوئی مبتدع اور کوئی گمراہ غلط راہ پر سے جا کر کام خراب نہ کر دے ...... جناب والا سے توقع ہے کہ جب خدا نے آپ کو بادشاہ کا قرب اور پھر کلمۂ حق کہنے کی استطاعت اور قدرت دی ہے تو خلوت اور جلوت میں شریعت کی ترویج کے لیے ضرور کوشش فرمائیں گے اور مسلمانوں کو اس کس مپرسی کے عالم سے ضرور نکالیں گے۔

پھر اس سے اگلے مکتوب میں کہ وہ بھی انہی شیخ فرید کے نام ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں؛

مقصود از بعثت ایں اکابر تبلیغ شرائع است پس بزرگ ترین خیرات سعی در ترویج شریعت است و احیائے حکم از احکام آن علی الخصوص در زمانے کہ شعار اسلام منہدم شدہ باشند کرورہا در راہ خدا عزوجل و علا خرچ کردن برابر آن نیست کہ مسئلہ از مسائل شرعیہ را رواج دادن چہ درین فعل اقتدا با نبیا است کہ بزرگ ترین مخلوقات اند علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات و مشارکت است باں اکابر (مکتوب نمبر ۴۸ دفتر اول ص۶۷)

ان اکابر (انبیاء و رسل) کی بعثت سے غرض شریعت کی تبلیغ ہوتی ہے پس سب سے بڑی نیکی یہی ہے کہ شریعت کی ترویج اور احکام الٰہیہ کے اجراء کے لیے کوشش کی جائے بالخصوص اس زمانہ میں کہ اسلامی شعائر منہدم ہو گئے ہیں۔ اللہ کی راہ میں کروڑہا روپیہ خرچ کرنا اس کی برابر نہیں ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک حکم کو رواج دے دیا جائے کیونکہ اس کام میں حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی اقتدا اور ایک گونہ ان کے ساتھ مشارکت ہے۔

پھر اس سے بعد والے مکتوب میں کہ وہ بھی انہی شیخ فرید کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:

از حق سبحانہ و تعالیٰ خواستہ مے آید کہ بتوسل وجود شریف آں سلالہ عظام ارکان شریعت غرا و احکام ملت زہرا قوت گیرند و رواج پذیرند۔

حق سبحانہ و تعالیٰ سے دعاء ہے کہ بزرگان اہل بیت نبوی کی اولادؒ ہی کے ذریعہ سے شریعت کے ارکان اور ملت کے احکام رواج پذیر ہوں

؏ کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ

امروز غربا راہل اسلام را دریں طور گرداب ضلالت امید نجات ہم از سفینہ اہل بیت خیر البشر است علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا قال علیہ الصلوٰۃ والسلام "مثل اهل بيتي كسفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك"

ہمت علیا را ابتمام بر آن گمارند کہ ایں سعادت عظمیٰ را بدست آرند بعنایت اللہ سبحانہ از قسم جاہ و جلال و عظمت و شوکت ہمہ میسر است با وجود شرف ذاتی اگر ایں علاوہ باں منضم شود گوئے سبقت بچوگاں سعادت از ہمہ پیش بردہ باشند ایں حقیر با رادہ اظہار مثال ایں سخناں در تائید و ترویج خدمت ایشاں است۔

بس یہی اصل کام ہے اس کے سوا سب ہیچ ہے گمراہی کے اس طوفان میں غربا، اہل اسلام کو نجات کی امید آج بھی اہل بیت نبوی ہی کی کشتی سے ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے امیرے اہل بیت کی تمثال کشتی نوح کی سی ہے۔ جو اس پہ سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو الگ رہا وہ ہلاک ہوا۔ پس اپنی بلند ہمت کو بتمال و کمال اسی پہ لگادیں کہ (احیاد ملت اور ترویج شریعت) کی یہ سعادت حاصل ہو۔ خدا کے فضل سے عظمت و جاہ اور شوکت و جلال سب ہی میسر ہے۔ باوجود اس شرف کے اگر یہ دولت بھی میسر آگئی تو پھر تو سعادت کے میدان میں سب ہی سے بازی لے گئے۔ یہ حقیر تائید ملت اور ترویج شریعت کے متعلق اسی قسم کی باتیں پیش خدمت کرنے کے لیے حاضری کا قصد کر رہا ہے۔

۱؎ شیخ فرید سادات میں سے ہیں۔ ۱۲

نیز انہی شیخ فرید کو ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

سیادت پناہا! مکرما! امروز اسلام بسیار غریب است اجتبل کہ مزدور در تقویت آں صرف می کنند بکرورہا منجزند تا کدام شاہبازے بایں دولت عظمیٰ مشرف سازند، ترویج دین و تقویت ملت در ہماں وقت از ہر کس کہ بوقوع آید زیبا است و رعنا، امداد دریں وقت کہ غربت اسلام است از مثال شما جوانمرداں اہل بیت زیباتر و رعناتر است کہ ایں دولت خانہ زاد خاندان بزرگ شما است از شما ذاتی است و از دیگراں عرضی، حقیقت وراثت نبوی علیہ وعلیٰ آلہ من الصلوات فضلہا ومن التحیات اکملہا در تحصیل ایں امر عظیم القدر است ؎

گوئے توفیق وسعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان درنمی آید سواراں را چہ شد

رسوم کفر کہ در قرن سابق پیدا شدہ بود دریں وقت کہ بادشاہ اسلام را آں توجہ باہل کفر نماندہ است بر دلہائے مسلماناں بسیار گراں است بر مسلماناں لازم است کہ بادشاہ اسلام را از ناشائستگی رسوم آں بدکیشان اطلاع بخشند و در رفع آں کوشند شاید بقایائے اینہا منتفی

میرے سیادت پناہ! مکرم! آج اسلام بڑی کسمپرسی کی حالت میں ہے اس وقت اگر ایک مزدور اس کی امداد تقویت کے لیے دمڑی کی کوڑی بھی خرچ کرے تو مولا تعالیٰ اس کو کروڑوں میں خریدتے ہیں۔ دیکھیں کس بہادر کو اس دولت (احیاء ملت و ترویج شریعت) سے مشرف فرماتے ہیں اور کس سے یہ مہم سر کراتے ہیں۔۔۔ یوں تو دین کی تقویت جس وقت بھی جس سے وقوع میں آئے اچھا ہی ہے، لیکن اسلام کی اس کسمپرسی کے زمانہ میں آپ جیسے جوانمردان اہلبیت سے زیباتر اور خوب تر ہے۔ کیونکہ یہ دولت اصلاً آپ ہی کے محترم خاندان کی خانہ زاد ہے اس کا تعلق آپ حضرات سے بالذات ہے اور دوسروں سے بالعرض اور بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور حقیقی وراثت اسی کام کے کرنے میں ہے ؎

بڑا میدان میں ہے گیند توفیق وسعادت کا
ہوا کیا ہے سواروں کو کہ کوئی آگے نہیں بڑھتا

کفر کی جو باتیں پچھلے دور میں پیدا ہو گئی تھیں اب اس وقت جبکہ بادشاہ اسلام کو اہل کفر کے ساتھ وہ توجہ نہیں رہی ہے، ان کا کچھ بھی باقی رہنا مسلمانوں کے دلوں پر سخت گراں ہے۔

باشد بر علم علم بادشاہ بزشتی آنہا......
بہر حال از حقیقت مسائل شرعیہ اطلاع
دادن ضروری است تا ایں واقع نشود عہدہ
بر ذمہ علماء و مقربان حضرت بادشاہ
است۔ چہ سعادت کہ دریں گفتگو ئے
با آزار رسند انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتحیات
در تبلیغ احکام شرعیہ چہ آزارہا نہ کشیدہ
اند و چہ محنتہا ندیدہ۔ بہترین ایشاں علیہم من
الصلوٰۃ افضلہا و من التحیات اکملہا فرمودہ
ما اوذی نبی مثل ما اوذیت ؎
عمر بگذشت و حدیث درد ما آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را
(مکتوب ۱۹۴)

مسلمانوں پر ضروری ہے کہ بادشاہ کو ان بدکیشوں
کی رسومات کی قباحت پر مطلع کریں اور ان کے
مٹانے کی پوری کوشش کریں، جو کچھ ان میں
سے باقی رہ گئی ہیں ان کا ابقا شاید اسی وجہ سے
ہو کہ بادشاہ کو ان کی خرابی کا علم نہ ہو......
بہر حال شرعی مسائل سے بادشاہ کو مطلع کرتے
رہنا نہایت ضروری ہے۔ جب تک یہ نہ ہوگا
بادشاہ کے مقربین اور علماء اسلام پر اس کا بار
رہے گا اگر اس سلسلہ میں کسی جماعت پر عتاب
ہو جائے اور کوئی تکلیف پہنچے تو بڑی سعادت
ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے احکام شرعیہ کی تبلیغ
میں کیا تکلیفیں نہیں اٹھائیں اور کیا کیا مشقتیں
برداشت نہیں کیں سارے نبیوں کے سردار
آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔
کسی پیغمبر کو اتنی تکلیفیں نہیں دی گئیں جس قدر
کہ مجھے دی گئیں ؎
عمر گذری پر نہ قصہ درد کا پورا ہوا
رات آخر ہو گئی اب چھوڑتا ہوں ماجرا

اس قسم کے مکاتیب جو حضرت نے مقربان سلطانی کو وقتاً فوقتاً لکھے ہیں، دفاتر مکتوبات میں بیسیوں موجود ہیں۔ پھر ان میں صرف یہی نہیں ہے کہ بادشاہ تک کلمہ حق پہنچانے اور اس کو راہ راست پر لانے کی طرف ہی ان کو توجہ اور ترغیب دلائی ہو، بلکہ اکثر مکاتیب میں تو ان مسائل کو بھی خود ہی وضاحت اور تفصیل سے نہایت دلنشیں طریقہ پر لکھ دیا ہے یکفر و شرک اور رسوم کفار کی تردید و تقلیع، اور اسلام و شعائر اسلام و تعلیمات اسلام کی

تائید و توضیح اس طرح کی ہے کہ ایک صاحب فہم اور منصف مزاج کی اصلاح اور درستی خیالات کے لیے بالکل کافی ہے، ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ حضرت نے بادشاہ کے ان ہم نشینوں اور مقربوں پر اچھی طرح قبضہ کر لیا تھا اور گویا ان کو اپنا ریکارڈ بنا لیا تھا کہ جو بات اور اصلاح کی جو آواز آپ بادشاہ تک پہنچانا چاہتے تھے۔ بس اُن میں بھر دیتے تھے اور پھر وہ ان کے ذریعہ بادشاہ وقت کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔

اس تدبیر سے آپ نے اتنی کامیابی حاصل کی کہ چند ہی دنوں میں بادشاہ کے رجحانات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی اور "غریب" اسلام کی طرف بھی توجہ کی جانے لگی۔ اور نوبت بایں جا رسید کہ ایک دن شیخ فرید ہی کو سلطانی حکم ملا کہ۔

دربار کے لیے چار دیندار عالم مہیا کیے جائیں جو مسائل شرعیہ تبلایا کریں تاکہ کوئی کام خلاف شرع واقع نہ ہووے۔"

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو جب یہ خبر پہنچی تو بے حد مسرت ہوئی لیکن آپ کی مجددانہ فطرت نے اس باریک تر خطرہ کو بھی فوراً ہی محسوس کر لیا جو اس سراپا خیر تجویز میں مضمر تھا، آپ کے حافظہ میں واقعات کی پوری روداد موجود تھی اور یہ حقیقت آپ کے سامنے تھی کہ اکبر کو اسلام سے برگشتہ کر کے "اکفر" بعض نفس پرست اور جاہ پسند علماء سوء ہی نے بنایا تھا۔ اگر خدا نہ کردہ اُسی ٹائپ کے "مولوی" پھر دربار میں جمع ہو گئے تو کہیں یہ کی کرائی محنت بھی برباد نہ جائے ـــ آپ نے فوراً شیخ فرید کے نام ایک مکتوب گرامی لکھا اس میں شیخ موصوف کو دعائیں دینے اور اس خبر فرحت اثر پر مسرت و شادمانی کا اظہار کرنے کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

الحمد للہ سبحانہ علی ذالک مسلمانان را بازیں چہ بشارت و ماتم زدگان را بازیں چہ نوید، لیکن چوں حقیر بواسطہ ہمیں غرض متوجہ خدمت علیا است چنانکہ مکرر اظہار

الحمد للہ، مسلمانوں کو اس سے بڑھ کر کونسی خوشی ہوگی اور ماتم زدوں کو اس سے زیادہ کیا خوشخبری، لیکن چونکہ فقیر اسی غرض کے لیے آپ کی طرف متوجہ ہے اس لیے اس معاملہ

آن نموده بضرورت دریں باب از گفتن و
نوشتن معاف نخواهد داشت، امید
است که معذور خواهند فرمود، صاحب
الغرض مجنون ـــــ معروض میگرداند
که علماء دیندارانه خود اقل قلیل اند که از
حب جاه و ریاست گذشته باشند
و مطلبے غیر از ترویج شریعت و تائید ملت
نداشته باشند بر تقدیر حب جاه هر کدام
ازیں علماء طرفے خواهند گرفت و اظهار
فضیلت خود خواهند نمود ـــــ و سخنان
اختلافی درمیان خواهند آورد، و آنرا توسل
قربت بادشاه خواهند ساخت ناچار
هم دریں امر خواهد شد در قرن سابق
اختلافات علماء عالم را در بلا انداخت
و همان صحبت در پیش است ترویج چه
گنجائش دارد که باعث تخریب دین
خواهد شد العیاذ بالله سبحانه من ذالک
و من فتنة العلماء السوء، اگر یک را برائے ایں
غرض انتخاب کنند بهتر ے نماید اگر از
علماء آخرت پیدا شد چه سعادت که صحبت
او کبریت احمر است و اگر پیدا نشود بعد
از تامل صحیح بهترین ایں جنس را اختیار
کنند..... همچناں که خلاصی خلق

میں ضروری باتیں کہنے اور لکھنے سے معاف
نہیں رکھ سکتا، مجھے معذور سمجھیں معلوم ہے
کہ غرض والا تو دیوانہ ہوتا ہے ـ ـ ـ ـ
عرض کرنا یہ ہے کہ ایسے دیندار علماء جن کو
جاہ و مال کی چاہت بالکل نہ ہو اور جن
کے سامنے ترویج شریعت اور احیاء ملت
کے سوا کوئی نصب العین نہ ہو بہت ہی
کم بلکہ کم سے کم ہیں، اور ظاہر ہے کہ علماء میں
اگر منصب اور عزت کی خواہش ہوئی تو ہر ایک
اپنی طرف کھینچنا چاہے گا اور اپنی بڑائی جتانے
کی کوشش کرے گا اور پھر ان میں اختلافات
ہوں گے اور انہی کو یہ تقرب بادشاہی کا ذریعہ
بنائیں گے۔ لامحالہ پھر معاملہ بگڑ جائے گا۔
دور سابق میں علماء سوء کے اختلافات ہی نے
دنیا کو بلا میں ڈالا تھا۔ اب وہی چیز پھر درپیش
ہے دین کی ترویج کیا کہیں پھر تخریب
نہ ہو (والعیاذ باللہ) اگر بجائے چار کے
ایک ہی عالم کو اس کے لیے انتخاب کریں
تو بہتر ہے، اگر علماء ربانی میں سے مل جائیں
تو کیا کہنا ان کی صحبت تو کبریت احمر ہے اور
اگر کوئی خالص اللہ والا میسر نہ ہو تو پھر
خوب غور و فکر سے جس کو بہتر سمجھیں
اس کو اختیار کریں........ جس طرح

بوجود علما است خسران عالم نیز بایشان
مربوط است بہترین علما بہترین عالم
است و بدترین ایشان بدترین خلائق
ہدایت و اضلال را بایشان مربوط ساختہ
اند۔ عزیزے ابلیس لعین را دید کہ فارغ
و بیکار نشستہ است سر آں را پرسید گفت
علماء ایں وقت کار ما میکنند و در اغوا و
اضلال کافی اند ؎

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

غرضیکہ دریں باب فکر صحیح و تامل صادق
مرعی داشتہ اقدام خواہند نمود چوں کار
از دست برد علاجے نمے پذیرد۔
(مکتوب نمبر ۵۳ ص ۱ دفتر اول)

مخلوق کی نجات علماء کے وجود سے ہے۔ اسی
طرح لوگوں کا خسران بھی انہی سے وابستہ ہے
ایک بزرگ نے ابلیس لعین کو دیکھا کہ بیکار
اور نچنت بیٹھا ہے اس سے اس کی وجہ پوچھی
اس نے کہا کہ اس زمانہ کے علماء میرا کام انجام دیتے
ہے اور دنیا کو گمراہ کرنے کے لیے کافی
ہیں ؎

کام جب عالم کا ہوگا غفلت و تن پروری
اور کی وہ کس طرح پھر کرسکے گا رہبری

میرا مقصد یہ ہے کہ اس معاملہ میں اچھی طرح غور و
فکر کر کے کوئی قدم اٹھائیں جب بات ہاتھ
سے نکل جاتی ہے تو پھر کوئی علاج نہیں ہو
سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک گرامی نامہ آپ نے صدر جہاں کو بھی لکھا ہے اس میں حق
تعالیٰ کی حمد و ثنا اور دعوات صالحہ کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔

شنیدہ شد کہ بادشاہ اسلام از حسن استعداد
اسلامی خواہان علما اند الحمد للہ سبحانہ علی ذلک
معلوم شریف است کہ در قرن سابق ہر
فسادے کہ پیدا شد از شومئ علماء سوء
بظہور آمد دریں باب تتبع تمام مرعی
داشتہ از علماء دیندار انتخاب نمودہ
اقدام خواہند فرمود۔ علماء سوء لصوص

سنا گیا ہے کہ بادشاہ اب اسلامی رجحانات
کی وجہ سے کچھ علماء چاہتے ہیں (الحمد للہ علی
ذلک) آپ کو تو معلوم ہے کہ پچھلے دور میں
جو فساد آیا وہ علماء سوء ہی کی کمبختی سے پیدا
ہوا تھا۔ لہٰذا اس بارے میں خوب تحقیق
و تلاش کر کے دیندار علماء کا انتخاب فرمایا
جائے۔ علماء سوء، دین کے چور ہیں۔ اور

دین اند، مطلب ایشاں حب جاہ ریاست و منزلت نزد خلق است والعیاذ باللہ سبحانہ من فتنتہم آرے بہترین ایشاں بہترین اند، ایشا نند کہ فردا سے قیامت سیاہی ایشا نرا بخون شہدا سے فی سبیل اللہ وزن خواہند کرد و پلہ ایں سیاہی خواہد چربید، شرار الناس شرار العلماء و خیار الناس خیار العلماء"۔

(مکتوب ۱۹۵ ص ۱۹۵ ج ۱)

ان کا مطمح نظر صرف منصب اور پیسہ اور لوگوں کے نزدیک ذی عزت ہونا ہے۔ خدا ان کے فتنے سے محفوظ رکھے) ہاں ان میں سے جو اچھے ہیں وہ افضل ترین خلق ہیں۔ یہی ہیں کہ روز قیامت ان کی روشنائی شہدا کے خون کے ساتھ تولی جائے گی اور اس روشنائی کا پلہ بھاری رہے گا۔

لوگوں میں سب سے بدتر برے علماء ہیں اور سب سے اچھے علماء ہیں۔

ان چیزوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت مجدد رح نے کس قدر خوش تدبیری اور کتنی دور اندیشی کے ساتھ حکومت کا رخ کفر سے اسلام کی طرف پھیرا ــــ بہت سے ارکان حکومت اور عمائد سلطنت پر تو آپ پہلے ہی براہ راست قبضہ کرچکے اور ان کو اندر اور باہر سے کامل مسلمان بنا چکے تھے، پھر انہی میں سے بعض کے ذریعہ خود بادشاہ وقت کو بھی بدل ڈالا۔

ہاں اس سلسلہ میں یہ چیز ذکر سے رہ گئی، کہ قید سے رہائی کے بعد جو کچھ دنوں آپ بادشاہ کے ساتھ ایک شاہی نظر بند، یا شاہی مہمان کی حیثیت سے رہے یا رکھے گئے تھے۔ اس موقع سے بھی آپ نے بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ جیسا کہ حضرت کے بعض مکاتیب ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

بہرحال حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی یہ مخلصانہ اور مجددانہ مساعی بہت جلد بارآور ہوئیں اور پھر کمال یہ کہ یہ سب کچھ اتنی خاموشی سے ہوا کہ آج مبصرین کے لیے سلطنت مغلیہ کا یہ چپ چاپ "انقلاب" ایک ناقابل حل معما بنا ہوا ہے۔

حکومت کے مورچہ کو تو حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس طرح فتح کیا، اب رہ گئے علماء سوء، اور نفس پرست گمراہ کن صوفی ان کی قوت بھی آپ کے اسی ایک وار سے

بہت کچھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ ان کا فتنہ صرف اسی لیے روبہ ترقی تھا کہ حکومت کی رفتار اس کے مناسب مزاج بنی، جب حکومت ہی کا رخ بدل گیا تو باطل کی یہ دونوں قوتیں بھی کمزور پڑ گئیں۔

بایں ہمہ ان کی گمراہیوں کے خلاف بھی آپ نے مستقل جنگ کی۔

علماء سوء نے گمراہی کے دو بڑے دروازے کھول رکھے تھے۔

۱۔ ایک باوجود نااہلیت اور ناخداترسی کے ادعاء اجتہاد، اور نصوص کتاب و سنت میں تحریف معنوی کر کے نت نئے عقائد و خیالات کا اختراع، اور پھر خدا و رسول اور قرآن و حدیث کے مقدس ناموں سے ان کی ترویج و اشاعت (ابوالفضل وغیرہ نے اکبر کو سب سے پہلے اسی راہ پر ڈالا تھا اور خود ان کی گمراہی کا پہلا زینہ بھی یہی تھا۔

۲۔ دوسرے "بدعت حسنہ" کے نام سے دین میں نئی نئی ایجادیں ——— اکثر وہ بلائیں جو علماء سوء کی طرف سے دین پر نازل ہوئی تھیں، انہیں دو دروازوں سے آتی تھیں۔ اس لیے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ان دونوں تباہ کن اصولوں کے خلاف بھی بڑی قوت سے جنگ کی۔

مکتوبات شریف میں ان دونوں چیزوں کے خلاف جس قدر مواد موجود ہے اگر اس سب کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے، یہاں صرف بطور نمونہ از خروارے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

سعادت آثارا آنچہ بر ما و شما لازم است تصحیح عقائد است بمقتضائے کتاب و سنت بر نہجیکہ علماء اہل حق شکر اللہ سعیہم از کتاب و سنت آں عقائد را فہمیدہ اند و از آنجا اخذ کردہ چہ فہمیدن ما و شما از حیز اعتبار ساقط است اگر موافق افہام ایں بزرگواراں

اے سعادت مند! ہم پر اور تم پر ضروری ہے کہ اپنے عقائد کو کتاب و سنت کے مطابق اس طرح پر کہ علماء اہل حق نے کتاب و سنت سے سمجھا اور اخذ کیا ہے صحیح کریں، کیونکہ ہمارا تمہارا سمجھنا اگر ان حضرات کی رائے کے مطابق نہ ہو تو قابل اعتبار نہیں اس لیے کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل

نباشد زیراکہ ہر مبتدع وضال احکام باطلہ
خود را از کتاب وسنت مے فہمد و از آنجا
اخذ می نماید والحال انہ لا یغنی من الحق شیئاً۔

(مکتوب ۱۵۸ دفتر اول)

خیالات کی بنیاد قرآن وحدیث ہی رکھتا ہے
اور وہیں سے ان کو اخذ کرتا ہے، حالانکہ ان
سے کوئی یقین حاصل نہیں ہوتا۔

ایک دوسری جگہ ارقام فرماتے ہیں:

نخستین ضروریات برارباب تکلیف تصحیح
عقائد است بروفق آرائے علماء اہل
سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کہ
نجات اخروی وابستہ باتباع آرائے
صواب نمائے ایں بزرگواران است و
فرقہ ناجیہ ہم ایشان واتباع ایشان، و
ایشانند کہ برطریق آں سرور و اصحاب آں
سرور اند (صلوات اللہ وتسلیماتہ علیہم اجمعین)
واز علومیکہ از کتاب وسنت مستفاد اند
ہمان معتبر اند کہ ایں بزرگواران از کتاب
وسنت اخذ کردہ اند وفہمیدہ زیراکہ ہر
مبتدع وضال عقائد فاسدہ خود از
کتاب وسنت اخذ کند پس ہر معنی از
معانی مفہومہ ازیں ہا معتبر نباشد۔

(مکتوب ۱۹۳ ص ۱۹۲ دفتر اول)

مکلفین پر اولین فرض یہ ہے کہ وہ حضرات
اہل سنت وجماعت کی رائے کے مطابق اپنے
عقائد درست کریں کیونکہ نجات اخروی انہی
کے اتباع سے وابستہ ہے اور فرقہ ناجیہ وہی
ہیں اور ان کے پیرو کیونکہ وہی آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کے طریقہ
پر ہیں اور کتاب وسنت سے جو علوم مستفاد
ہیں ان میں سے وہی معتبر ہیں جن کو ان
بزرگوں نے وہاں سے سمجھا اور اخذ کیا
ہے ورنہ ہر بدعتی اور ہر گمراہ اپنے عقائد
فاسدہ کی بنیاد کتاب وسنت ہی پر رکھتا
ہے پس قرآن وحدیث سے جو شخص
جو معنی سمجھے وہ سب معتبر ہی نہیں ہیں۔

ایک اور موقع پر تحریر فرماتے ہیں۔

بدان ارشدک اللہ تعالیٰ والہمک سواد
الصراط کہ از جملہ ضروریات اعتقاد صحیح است

خدا تم کو نیک ہدایت دے اور صراط مستقیم پر
چلائے تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ضروریات

کہ علماء اہلسنت آنرا از کتاب وسنت و
آثار سلف استنباط فرمودہ اند — و
کتاب وسنت را محمول داشتن بر معانی کہ
جمہور علماء اہل حق یعنی علماء اہل سنت وجماعت
آں معنی را از کتاب وسنت فہمیدہ اند نیز
ضروری است واگر بالفرض خلاف آں معانی
مفہومہ بکشف والہام امرے ظاہر شود آنرا
اعتبار نباید کرد وازاں استعاذہ باید نمود
چہ معانی کہ خلاف معانی مفہومہ ایشاں است
از حیز اعتبار ساقط است زیرا کہ ہر مبتدع
وضال معتقدات خود را از کتاب وسنت
میداند وباندازہ افہام رکیکہ خود ازاں
معانی غیر مطابقہ مے فہمد یضل بہ کثیرا و
یہدی بہ کثیرا وآنکہ گفتم کہ معانی مفہومہ
علماء اہل حق معتبر است وخلاف آں معتبر
نیست بنا بر آن است کہ آں معانی را از
تتبع آثار صحابہ وسلف صالحین رضوان اللہ
تعالیٰ علیہم اجمعین اخذ کردہ اند واز انوار
نجوم ہدایت ایشاں اقتباس فرمودہ اند
لہذا نجات ابدی مخصوص بایشاں گشت
وفلاح سرمدی نصیب شاں آمد اولئک
حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون

طریق ہیں سے ایک اعتقاد صحیح بھی ہے جس کو
علماء اہل سنت نے کتاب وسنت اور آثار سلف
سے سمجھا ہو، نیز قرآن وحدیث کو بھی انہی
معانی پر محمول کرنا جو علماء اہلسنت نے سمجھے ہوں
نیز ضروریات ہیں سے ہے اور اگر بالفرض کشف
والہام سے جمہور علماء کے خلاف کسی نص کے معنی
معلوم ہوں تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ اس سے پناہ
مانگنا چاہیئے۔ کیونکہ جمہور علماء کے ارشاد کے
خلاف جو معانی سمجھے جائیں وہ مقام اعتبار سے
قطعاً ساقط ہیں اس لیے کہ ہر مبتدع اور ہر
گمراہ اپنے معتقدات کو بزعم خود قرآن و
حدیث ہی سے نکالتا ہے۔ قرآن کی تو شان
ہے۔ یضل بہ کثیرا ویہدی بہ کثیرا
اور یہ جو ہم نے دعویٰ کیا کہ علماء اہل حق ہی کے سمجھے
ہوئے معانی معتبر ہیں اور ان کے خلاف کسی
اور کے سمجھے ہوئے معتبر نہیں تو یہ اس واسطے
کہ علماء اہل حق نے ان معانی کو صحابہ کرام اور
سلف صالحین کے چشمہ فیوض سے حاصل کیا
ہے اور انہی کے انوار سے اقتباس فرمایا ہے
لہذا نجات ابدی اور فلاح سرمدی انہی سے
وابستہ ہے وہی خدائی گروہ ہے اور خدائی
گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا دفاتر مکتوبات میں اس موضوع پر بہت سے مجمل اور مفصل مکاتیب موجود ہیں جن میں گمراہی کے اس چشمہ پر بند لگانے کی کوشش کی گئی ہے —— ذرا غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ آج بھی جو نئی نئی خطرناک گمراہیاں امت میں پیدا ہو رہی ہیں ان کی اصل و بنیاد یہی ہے کہ ہر "بوالہوس" اپنے کو "ابو حنیفہ کوفی" اور سفیان ثوری، ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی، ابن تیمیہ حرانی اور امام غزالی کے ہمسر سمجھتا ہے اور بلا ادنیٰ تامل و تردد کے کتاب و سنت ہی کا نام لے کر نئے نئے فتنے برپا کرتا ہے۔ نیچریت، مرزائیت، چکڑالویت اور مشرقیت کیا یہ سب اسی گمراہی (تقلید سلف سے آزادی) کے کرشمے نہیں۔

"بدعت حسنہ" کا نظریہ بھی جس کے پردہ میں اس عہد کے علماء سو نے اپنی خواہشات نفس کو جزو دین بنا رکھا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی نظر میں سخت خطرناک تھا اس لیے آپ نے اس نظریے ہی کے خلاف جنگ کی اور بلا خوف لومۃ لائم بالکل مجددانہ انداز میں کسی بدعت کے حسنہ ہونے ہی سے انکار فرمایا،

خواجہ مفتی عبدالرحمٰن کابلی کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

از حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بہ تضرع و زاری مسئلت مے نماید کہ ہر چہ در دین محدث شدہ است و مبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر و خلفاء راشدین او نبودہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اگر چہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمیع کہ با دے ہستند گرفتار آں عمل محدث نہ گرداناد..... گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است حسنہ و سیئہ..... ایں	یہ فقیر حق سبحانہ تعالیٰ سے نہایت عاجزی اور زاری کے ساتھ دعا کرتا ہے کہ دین میں جو نئی باتیں پیدا کی گئی ہیں اور جو بدعتیں ایجاد کی گئی ہیں جو آنحضرت اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں موجود نہ تھیں اگر چہ وہ روشنی میں سفیدی صبح کی طرح ہوں پھر بھی اس ناتواں کو ان سے محفوظ رکھے اور ان میں مبتلا نہ کرے..... کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں - حسنہ و سیئہ..... یہ فقیر

فقیر در ہیچ بدعت از یں بدعتہا حسن و نورا نیست مشاہدہ نمے کند وجز ظلمت و کدورت احساس نمے نماید...... سید البشر مے فرماید علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو ردٌ" چیزے کہ مردود باشد حسن از کجا پیدا کند وقال علیہ الصلوۃ والسلام ایاکم ومحدثات الامور........ فان کان محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة" ہرگاہ ہر محدث بدعت باشد و ہر بدعت ضلالت پس معنی حسن در بدعت چہ بود۔ الخ۔

ان بدعات میں سے کسی بدعت میں بھی حسن و نورانیت نہیں دیکھتا اور بجز ظلمت و کدورت کے ان میں کچھ نہیں محسوس کرتا...... سرکار بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو ہمارے دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ چیز مردود ہے پس جو شے مردود ہو گئی اس میں حسن کیا نیز آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے "تم بچو نو ایجاد باتوں سے کیونکہ ہر نو ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ پس جب ہر نو ایجاد بدعت ہوئی اور ہر بدعت گمراہی پھر بدعت میں حسن کے کیا معنی۔

(مکتوب نمبر ۱۸۶ دفتر اول)

ایک اور مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں:

نور سنت سنیہ را علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ ظلمات بدعتہا مستور ساختہ اند و رونق ملت مصطفویہ را علی مصدرہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کدورات امور محدثہ ضائع گردانیدہ عجب تر آنکہ جمعے آں محدثات را امور مستحسنہ میدانند وآں بدعتہا را حسنات مے انگارند و تکمیل دین و تتمیم ملت از آں حسنات مے جویند و در اتیان آں امور ترغیب مے نمایند ہداہم اللہ سبحانہ سواء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کی اندھیریوں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفوی کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک جماعت ان بدعات کو مستحسن جانتی ہے اور ان کو نیکیاں سمجھتی ہے اور ان کے ذریعہ سے دین و ملت کی تکمیل کرنا چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے یہ لوگ نہیں جانتے کہ دین ان

کہ دین پیش ازیں محدثات کامل شدہ بود
ونعمت تمام گشتہ ورضا حضرت حق سبحانہ
وتعالیٰ بحصول پیوستہ کما قال اللہ تعالیٰ
الیوم اکملت لکم دینکم واتممت
علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا
پس کمال دین ازیں محدثات جستن فی الحقیقت
انکار نمودن است بمقتضائے ایں کریمہ
(مکتوب نمبر ۲۶۰ دفتر اول ص ۳۱۳)

بدعات سے پہلے کامل و مکمل ہو چکا ہے۔ جیسا
کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔
آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر
اپنی یہ نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین
اسلام پسند کیا۔
پس دین کا کمال ان بدعات میں سمجھنا درحقیقت اس
آیت کریمہ کے مضمون سے انکار کرتا ہے۔

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں :-

ہمہ وقت خصوصاً دریں اوان ضعف اسلام
اقامت مراسم اسلام منوط بترویج سنت
است وتخریب بدعت گذشتگان در
بدعت حسنے دیدہ باشند کہ بعض افراد آنرا
مستحسن داشتہ اند اماں ایں فقیر دریں مسئلہ
بایشاں موافقت ندارد وہیچ فرد بدعت
را حسنہ نمیداند وجز ظلمت وکدورت دراں
احساس نمی نماید قال علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ
والسلام کل بدعۃ ضلالۃ ومے یابد
کہ دریں غربت وضعف اسلام سلامتی منوط
باتیان سنت است وخرابی مربوط بہ تحصیل
بدعت ہر بدعت کہ باشد بدعت را در رنگ
کلند مے داند کہ ہدم بنیاد اسلام مے نماید و
سنت را در رنگ کوکب درخشاں مے نماید

ہر زمانے میں عموماً اور غربت اسلام کے اس دور
میں خصوصاً دین کا بقاء و قیام سنتوں کی ترویج اور
بدعتوں کی تخریب سے وابستہ ہے۔ بعض اگلوں نے
بدعات میں کوئی حسن دیکھا ہوگا کہ اس کے بعض
افراد کو انہوں نے مستحسن قرار دیا، اس فقیر کو ان
سے اس مسئلے میں اتفاق نہیں۔ میں کسی فرد
بدعت کو "حسنہ" نہیں سمجھتا اور سوائے ظلمت
وکدورت کے مجھے ان میں کچھ نہیں محسوس ہوتا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کل بدعۃ
ضلالۃ (ہر بدعت گمراہی ہے) فقیر کے نزدیک
اسلام کی اس غربت کے زمانے میں سلامتی سنت
سے اور خرابی و بربادی بدعت سے وابستہ
ہے۔ خواہ کوئی بدعت ہو، بدعت اس فقیر
کو کدال کی صورت میں نظر آتی ہے کہ جو اسلام

کہ در شب دیجور ضلالت ہدایت میفرماید
علماء وقت را حق سبحانہ وتعالیٰ توفیق
دہاد کہ بحسن ہیچ بدعت لب نکشایند و باتیان
ہیچ بدعت فتوی ندہند اگرچہ آن بدعت
در نظر شان در رنگ فلق صبح روشن
در آید چہ تسویلات شیطان را در ماورائے
سنت سلطان عظیم است ...... دریں
وقت عالم بواسطہ کثرت ظہور بدعت در رنگ
دریائے ظلمات بہ نظر مے آید و نور سنت
با غربت وندرت دراں دریائے ظلمانی در
رنگ کرمکہائے شب افروز محسوس میگردد
و عمل بدعت ازدیاد آن ظلمت مے نماید و
تقلیل نور سنت می سازد و عمل سنت باعث
تقلیل آں ظلمت است و اکثرآن فمن
شاء فلیکثر ظلمۃ البدعۃ ومن شاء
فلیکثر نور السنۃ ومن شاء فلیکثر
حزب الشیطان ومن شاء فلیکثر
حزب اللہ الا ان حزب الشیطان
ھم الخاسرون والا ان حزب
اللہ ھم المفلحون۔

(مکتوب ۲۳ ص۳۹ دفتر دوم)

کی بنیاد کو ڈھا رہی ہے اور سنت ایک درخشاں
ستارے کے رنگ میں دکھائی دیتی ہے جو
گمراہی کی شب تاریکی میں رہنمائی کرتا ہے۔ حق
سبحانہ وتعالیٰ علماء وقت کو توفیق دے کہ کسی
بدعت حسنہ کے ہونے کے متعلق زبان نہ کھولیں
اور کسی بدعت کے کرنے کا فتویٰ نہ دیں گرچہ
وہ بدعت ان کی نظر میں "فلق صبح" کی طرح روشن
ہو کیونکہ شیطانی مکر کو دائے سنت میں بڑا تسلط ہے۔

سارا عالم کثرت بدعات کی وجہ سے تاریکیوں کے
ایک سمندر کی طرح نظر آتا ہے اور نور سنت اپنی
غربت اور قلت کے باوجود اس دریائے ظلمت
میں رات میں چمکنے والے جگنو کی طرح محسوس ہوتا
اور پھر بدعات کے عمل کی وجہ سے اس اندھیری میں
اضافہ اور روشنی میں کمی ہوتی ہے اور اس کے برعکس
سنتوں سے اس ظلمت میں کمی اور نور میں اضافہ
ہوتا ہے اب جس کا جی چاہے وہ بدعت کی
تاریکیوں کو بڑھائے اور جس کی سمجھ میں آئے
وہ انوار سنت میں اضافہ کرے، جس کا جی چاہے
شیطان کے لشکر کو بڑھائے اور جو چاہے خدا کی
فوج کو ترقی دے مگر معلوم ہونا چاہیے کہ شیطانی
لشکر والے ٹوٹے میں ہیں اور خدائی جماعت ہی
کامیاب ہونے والی ہے۔

اس موضوع پر بھی دفاتر مکتوبات میں بیسیوں بلکہ پچاسوں مکاتیب ہیں ۔ ہم صرف تین ہی مکتوبوں کے ان اقتباسات پر اکتفا کیا جاتا ہے اس کو ارباب نظر ہی کچھ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی نے "بدعت حسنہ" کا انکار کر کے کتنی گمراہیوں کا دروازہ بند کر دیا جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام وعن المسلمین جزاءً حسناہ

دینی رخنوں اور مذہبی فتنوں کا تیسرا سرچشمہ "بطال صوفیوں" کا گروہ تھا اس نے اسلام کو جس قدر مسخ کیا تھا۔ اس کا اندازہ کچھ وہی حضرات کر سکتے ہیں، جن کے سامنے اس "غیر اسلامی تصوف" کی پوری تاریخ ہو۔ اس طبقہ کی گمراہیوں کی اصلاح کے لیے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے جو کچھ عملی، لسانی، اور قلمی کوششیں فرمائیں اگر ان سب کو لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ یہاں ہم اس باب کی بھی صرف چند ہی جزئیات پیش کر سکتے ہیں۔

ان لوگوں کی سب سے بڑی گمراہی "اتحاد و حلول" کا وہ عقیدہ تھا جس کی بنیاد "وحدۃ الوجود" کے نظریہ پر رکھی گئی تھی۔

اصل واقعہ یہ تھا کہ بعض متقدمین اکابر طریق سے غلبہ حال اور سکر کی حالت میں کچھ ایسے کلمات سرزد ہوئے ہیں جن میں "وحدت" کی جھلک پائی جاتی ہے۔

پھر بعض حضرات (شیخ اکبر ابن عربی وغیرہ) نے اس نظریہ (ہمہ اوست) کو علمی رنگ میں بھی لکھا، اُن حضرات کی جو مراد تھی اس کو تو قاصر بن کیا سمجھتے، بس ہر "مدعی" نے "حلول و اتحاد" کا دعویٰ شروع کر دیا، اور پھر اس ایک اصل سے نہ معلوم گمراہیوں کی کتنی شاخیں نکلیں بہت سے مدعیان بے خبر نے کہا، عالم میں جو کچھ ہے بس خدا ہی ہے، زمین بھی خدا ہے آسمان بھی خدا ہے۔ شجر و حجر نباتات و جمادات عناصر بسیطہ اور ان کے مرکبات غرض سب خدا ہی خدا ہیں (معاذ اللہ) ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

واحسرتا! کس قدر دردناک ہے یہ منظر کہ خدا کے سارے پیغمبر یہی بتلانے آئے کہ عالم میں جو کچھ ہے وہ غیر اللہ ہے اور اللہ ان سب سے وراء الوراء ہے یہ وحدہ

لاشریک ہے، لیکن شیطان نے انہی کے اتباع، نہیں نہیں بلکہ ارشاد و ہدایت اور تکمیل نفوس میں ان کی نیابت و جانشینی کے مدعیوں سے کہلوایا کہ ـــــ عالم میں جو کچھ ہے سب خدا ہی ہے۔"

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اس گمراہی کے خلاف بھی سخت جنگ کی اور بلاخوف لومۃ لائم اس کو الحاد اور زندقہ قرار دیا۔ دفتر دوم کے پہلے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

ممکن را عین واجب گفتن تعالیٰ شانہ و صفات و افعال او را عین صفات و افعال او تعالیٰ ساختن سوء ادب است و الحاد است در اسماء و صفات او تعالیٰ"	ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کے افعال و صفات کو بعینہا حق تعالیٰ کے افعال و صفات قرار دینا سخت بے ادبی بلکہ اللہ عزوجل کے اسماء و صفات میں الحاد ہے۔

پھر اصل مسئلہ (وحدت الوجود) کی تنقیح اور اس میں شیخ اکبر وغیرہ کے اور اپنے نظریہ کے اختلاف کی توضیح فرمانے کے بعد مکتوب گرامی کو ان الفاظ پر ختم فرماتے ہیں۔

پس با عالم او را ہیچ وجہ مناسبت نہ باشد "ان اللہ لغنی عن العالمین۔ او را سبحانہ با عالم عین و متحد ساختن بلکہ نسبت دادن برین فقیر بسیار گران است ع آں ایشانند و من چنیم یا رب سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون ط	پس حق تعالیٰ کو اس دنیا سے کوئی مناسبت نہیں (چہ جائیکہ اتحاد و عینیت) اللہ پاک تو تمام عالم سے بے نیاز اور بوراء الوراء ہے اس کو عالم کے عین اور متحد کہنا بلکہ کوئی نسبت بھی اس سے دینا اس فقیر پر سخت گراں ہے۔ مگر کیا کیا جائے؟ خداوندا! وہ اسی خیال کے ہیں اور میں اس نقطہ پر ہوں۔" بے شک اللہ رب العزت پاک اور بری ہے اس سے جو وہ لگاتے ہیں۔"

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں:-

زنہار ترہات صوفیہ مفتوں نگردی و غیر	خبردار ہر گز "صوفیوں" کی ان بیہودہ باتوں

حق را جدا ہے سا بلا نہ حق ندانی | پر از اینکہ نہ ہو او یعنی غیر او کو خدا نہ سمجھو

(مکتوب نمبر ۲۰۲ صفحہ ۲۴ ج ١)

ایک طرف تو حضرت نے اس گمراہی کی قباحت کو ظاہر فرمایا اور اس کو الحاد و زندقہ قرار دیا، اور دوسری طرف اُن اکابر کی مراد ظاہر کی جو وحدت الوجود اور "ہمہ اوست" کے قائل ہوئے ہیں، اور بتلایا کہ ان کا مقصد اس قسم کے کلمات سے یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ ہے۔ سب اس کی قدرت کا ظہور ہے۔ یا یوں کہیے کہ بس اس کا وجود حقیقی اور اصلی ہے اور باقی تمام موجودات کا وجود محض ظلی ہے جو قابل اعتبار و لائق شمار نہیں چنانچہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

از صوفیہ علیہم کہ بوحدت وجود قائل است و اشیاء را عین حق مے بیند تعالیٰ و حکم ہمہ اوست میکند مرادش این نیست کہ اشیاء حق جل و علا متحدہ اند و تنزیہ تنزل نمودہ تشبیہ گشتہ است و واجب ممکن شدہ بیچون بچوں آمدہ کہ این ہمہ کفر و الحاد است و ضلالت و زندقہ...... بلکہ معنی ہمہ اوست آنست کہ ایشان نیستند و موجود اوست تعالیٰ و تقدس۔

محترم صوفیائے کرام میں سے جو لوگ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اور ہمہ اوست کہنے والے ہیں اس سے ان کی مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اشیاء حق تعالیٰ جل و علا کے ساتھ بالکل متحد ہیں اور معاذ اللہ وہ مرتبہ تنزیہ سے اتر کر دائرہ تشبیہ میں آگیا ہے اور جو واجب تھا وہ ممکن بن گیا ہے کہ یہ سب کچھ کفر و الحاد ہے اور گمراہی و زندقہ ہے۔ بلکہ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اور سب نیست ہیں۔ اور صرف وہی موجود ہے تعالیٰ و تقدس)

(مکتوب ۴۴ دفتر دوم صفحہ ۸)

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

صوفیہ کہ قائل اند بکلام ہمہ اوست عالم را باحق جل و علا متحد نمیدانند و حلول و سریان اثبات نمیکنند و حملے کہ مے نمایند باعتبار ظہور ظلیت است نہ باعتبار وجود

جو صوفیائے کرام ہمہ اوست کے قائل ہیں وہ عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور حلول و سریان ثابت نہیں کرتے ہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں ظلیت کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ کہ وجود

وتحقیق وہر چند از ظاہر عبارات شاں اتحاد وجودی متوہم شود اما حاشا کہ مراد شاں آں بود کہ کفر و الحاد است و چوں حمل یکے بر دیگرے باعتبار ظہور گشت نہ باعتبار وجود معنی "ہمہ اوست" ہمہ از وست و ہر چند در غلبۂ حال ہمہ اوست گویند اما فی الحقیقت مراد شاں ازاں عبارت ہمہ از دست باشد۔

تحقق کے لحاظ سے اگرچہ ان کی عبارت کے ظاہر سے اتحاد وجودی کا شبہ ہوتا ہے مگر حاشا کہ ان کی وہ مراد ہو کہ وہ تو کفر و الحاد ہے اور چونکہ ان کا یہ کہنا ظہور کے لحاظ سے تھا، نہ کہ نفس وجود کے لحاظ سے اس لیے ہمہ اوست کے معنی از وست ہی ہیں اگرچہ غلبۂ حال میں وہ ہمہ اوست کہہ جاتے ہیں لیکن ان کلمات سے ان کی مراد غالباً ہمہ از دست ہوتا۔

(مکتوب ع۸۹ دفتر سوم ص۱۵۶)

ارباب وحدۃ الوجود کے اس قسم کے کلمات کی آپ نے اور بھی لطیف توجیہات کی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

بعضے دیگر را منشائے ایں احکام غلبۂ محبت است کہ بواسطہ استیلائے حب محبوب غیر محبوب از نظر محب می خیزد و بجز محبوب ہیچ نے بیند نہ آنکہ در نفس الامر غیر محبوب ہیچ نیست کہ آں مخالف حس عقل و شرح است"

بعض دوسروں سے یہ باتیں غلبۂ محبت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہیں کیونکہ محبت کا استیلاء محب کی نظر سے ماسوائے محبوب کے سوا کچھ نظر نہیں آتا نہ یہ کہ فی الواقع سوائے محبوب کے اور کچھ ہوتا ہی نہیں کیونکہ یہ تو عقل و شرع دونوں کے خلاف ہے۔

(مکتوب ع۳۱ دفتر اول)

الغرض ایک طرف تو آپ نے ان اکابر کے کلمات کا مقصد اور منشا بیان کیا "وحدۃ الوجود" اور "ہمہ اوست" کے قائل ہوئے ہیں اور دوسری طرف "وحدۃ الموجود" کے اس گمراہانہ بلکہ زندیقانہ نظریہ کو صریح الفاظ میں الحاد اور کفر بتلایا جس کو زمانہ مابعد کے "مدعیان بے خبر" حضرات اکابر کے کلمات سے سند پکڑ کر عوام تک میں پھیلا رہے تھے اور کائنات کی ہر چیز کو بے دھڑک خدا بنا رہے تھے۔

اسی ٹائپ کے بعض "صوفی" ہر چیز کو تو خدا نہیں کہتے تھے لیکن ان کا خیال تھا کہ "فقیر" جب "کامل" ہو جاتا ہے تو بس وہ خدا سے متحد ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی گویا خدا کی ہستی میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ اور اس کی سند بھی بعض عرفاء کے کلمات سے پکڑی جاتی تھی، حضرت مجدد علیہ الرحمۃ نے اس کا بھی رد فرمایا اور اس کو بھی کفر و زندقہ قرار دیا، ارشاد فرماتے ہیں:

او تعالیٰ با ہیچ چیز متحد نشود و ہمچنیں ہیچ چیز با و سبحانہ متحد نمے گردد آنچہ از بعضے عبارات صوفیہ اتحاد مفہوم میشود خلاف مراد ایشان است زیرا کہ مراد ایشان ازیں کلام کہ موہوم اتحاد است (اذا تم الفقر فھو اللہ) آن است کہ چوں فقر تمام شود و نیستی محض حاصل ابد باقی نمے ماند مگر اللہ تعالیٰ نہ کہ آن فقیر بخدا متحد شود کہ آن کفر و زندقہ است تعالیٰ سبحانہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً۔ (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول ص۳۱۴)	حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہے اور بعض صوفیہ کی بعض عبارات سے بظاہر جو اتحاد سا مفہوم ہوتا ہے وہ ان کی مراد اور منشا کے خلاف ہے اور ان کا مطلب اس کلام (اذا تم الفقر فھو اللہ) سے یہ ہے کہ جب فقر کامل ہو جاتا ہے اور فنائے محض حاصل ہو جاتا ہے تو بس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے (اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سالک کی نظر میں گم ہو جاتا ہے) ان حضرات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پھر وہ فقیر خدا سے متحد ہو جاتا ہے کہ وہ تو خالص کفر اور ملحد زندیقیت ہے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک اس سے بہت بالا اور برتر ہے جو یہ ظالم گمان کرتے ہیں۔

بعض عرفاء کے کلام میں "محو" و "اضمحلال" کے الفاظ آئے ہیں، ان گمراہوں نے اس کو بھی اپنی سند بنایا اور سمجھے کہ اس سے "محو و اضمحلال" علیٰ مراد ہے یعنی عارف کا خدا کی ہستی میں تحلیل ہو کر "من تو شدم تو من شدی" کا مصداق ہو جانا ـــــــ اس کے متعلق حضرت مجدد قدس سرہٗ ارقام فرماتے ہیں:

در عبارت بعضے از مشائخ قدس اللہ ارواحہم	بعض مشائخ کرام کی عبارات میں جو "محو اضمحلال"

که لفظ محو واضمحلال واقع بشود، مراد ازاں
محو نظری است نہ محو عینی یعنی تعین سالک
از نظر او مرتفع میگردد نہ آنکه در نفس الامر
محو میشود که آں الحاد و زندقہ است جمعے
از ناقصان ایں راہ ازیں الفاظ موہمہ محو و
اضمحلال عینی دانستہ اند و بر زندقہ رسیدہ
اند که از عذاب و ثواب اخروی انکار نمودہ
اند و خیال کردہ اند که ہمچناں کہ از وحدت
بکثرت آمدہ اند مرتبہ دیگر ہمیں طور از کثرت
بوحدت خواہند رفت و ایں کثرت دراں
وحدت مضمحل خواہد شد، و جمعے ازیں زنادقہ
آں محو شدن را قیامت کبریٰ خیال کردہ
اند و از حشر و نشر و حساب و صراط و میزان
انکار نمودہ ضلّوا و اضلّوا کثیراً من الناس
مگر کورند نمے بیند که از ہیچ کاملے عجز و نقص
و احتیاج زائل نشدہ است پس رجوع
وجودی بوحدت چہ باشد و اگر رجوع
بوحدت بعد از موت خیال کردہ اند کافر
زندیق اند که از عذاب اخروی انکار دارند
و ابطال دعوت انبیاء مے نمایند علیہم
الصلوات والتسلیمات اتمہا و اکملہا

(مکتوب ۲۹۴ دفتر اول ص ۴۲۳)

کے لفظ آئے ہیں تو اس سے ان کی مراد صرف
محو نظری ہے نہ کہ محو حقیقی اور ذاتی، اور اس سے
ان کا مطلب یہ ہے کہ سالک کی نظر سے اپنا وجود
مشخص اوجھل ہو جاتا ہے نہ یہ کہ فی الواقع وہ
باقی نہیں رہتا کہ ایسا خیال کرنا تو الحاد و زندقہ
ہے ۔ اس راہ کے بعض ناقصین اس قسم کے شبہ
میں ڈالنے والے کلمات سے محو و اضمحلال ذاتی
سمجھ بیٹھے ہیں اور اس کی بنا پر عذاب و ثواب اخروی
سے منکر ہو گئے ہیں، ان کا خیال ہو گیا ہے کہ جس
طرح آغاز میں "وحدت" سے "کثرت" میں آئے
ہیں اسی طرح انجام کار کثرت سے وحدت میں
چلے جائیں گے۔ اور پھر یہ کثرت اس وحدت
میں گم ہو جائے گی ـــــ اور ان زندیقوں میں
سے ایک جماعت اس گم ہو جانے ہی کو قیامت
کبریٰ خیال کر بیٹھی ہے اور اس طرح حشر و نشر
حساب کتاب، پل صراط اور میزان اعمال وغیرہ سے
منکر ہو گئی ہے ۔ آہ کہ یہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور
بہت سوں کو گمراہ کر دیا...... کیسے اندھے ہیں۔
نہیں دیکھتے کہ کسی کامل سے عاجزی و بیچارگی نقص
و حاجتمندی کبھی زائل نہیں ہوتی۔ پھر خدا کی ہستی
میں گھل مل جانے اور اس کے ساتھ متحد ہو جانے
کے کیا معنی؟ ـــــ اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس
دنیا میں نہیں بلکہ مرنے کے بعد وہ خدا سے متحد ہو جاتے

ہیں تو پھر لاریب وہ کافر زندیق ہیں کہ عذاب اخروی سے منکر ہیں اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو تعلیم دی اس کو غلط سمجھتے اور ان کی دعوت کو باطل جانتے ہیں۔

یہ تو ان زندیقوں کا رد ہوا جو ساری کائنات یا کم از کم عرفائے کاملین کے خدا یا خدا سے متحد ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن قبیل کی ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام یا خاص کر حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ متحد سمجھا جائے جیسا کہ آج بھی ہمارے کان کبھی کبھی اس قسم کی صدائیں سن لیتے ہیں ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر ‏ اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

ایک اور صاحب فرماتے ہیں:

شریعت کا ڈر ہے نہیں صاف کہہ دوں ‏ خدا خود رسول خدا بن کے آیا

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس گمراہانہ اور مشرکانہ عقیدہ کو بھی بیخ و بن سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

محمد بندہ الیست محدود و متناہی وا و تعالیٰ تقدس غیر محدود است و نا متناہی۔	حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بندے ہیں محدود و متناہی اور حق تعالیٰ و تقدس لامحدود ہے اور لامتناہی (پھر ان میں کیسی عینیت اور کیا نسبت؟)
(مکتوب ۹۵ دفتر اول ص۱۱۴)	

ایک اور موقع پر ارقام فرماتے ہیں:

اے برادر! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم باآں علو شان بشر بود و بداغ حدوث و امکان متسم۔	اے برادر! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس قدر بلندی مرتبہ کے بشر تھے اور حدوث و امکان کے داغ سے داغدار۔
(مکتوب نمبر ۲۱۷ دفتر اول ص۱۶۷)	

ان گمراہ متصوفین کا ایک باطل عقیدہ یہ بھی تھا کہ خدا کی عبادت بس اس وقت تک

ضروری ہے۔ جب تک کہ معرفت حاصل نہ ہو حصول معرفت کے بعد عبادت کی حاجت نہیں، اس کے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمۃ بڑے غضبناک ہو کر لکھتے ہیں:

متصوفان خام و ملحدان بے سرانجام خیال مے کنند کہ خواص مکلف بمعرفت اند و بس...... ومیگویند کہ مقصود از اتیان و شریعت حصول معرفت است وچون معرفت شریعت حصول معرفت است وچون معرفت میسر شد تکلیفات شرعیہ ساقط گشت و این کریمہ "واعبد ربک حتی[1] یاتیک الیقین" بستشہد مے آرند یعنی انتہائے عبادت تا حصول معرفت حق تعالیٰ است...... خذلہم اللہ سبحانہ ما اجہلہم۔ آن قدر احتیاج کہ عارفان را بعبادت است عشر آن مر مبتدیان را ازان احتیاج حاصل نیست۔ (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول ص۳۵۱)

بہت سے کچے متصوفہ اور بے سروسامان ملحدوں کا خیال ہے کہ خواص صرف معرفت الٰہی کے مکلف ہیں اور کہتے ہیں کہ شریعت پر عمل کرنے سے مقصود تو حصول معرفت ہے۔ پس جب معرفت حاصل ہو گئی تو احکام شرعیہ ساقط ہو گئے اور آیت کریمہ واعبد ربک حتی[1] یاتیک الیقین کو شہادت میں پیش کرتے ہیں اور نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ عبادت کی انتہا حصول معرفت پر ہے۔ اللہ ان کو رسوا کرے کس قدر جاہل ہیں، عبادت کی جس قدر ضرورت عارفوں کو ہے۔ مبتدیوں کو اس کا دسواں حصہ بھی حاجت نہیں۔

اسی طرح ان بطالوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ صرف "باطن" درست ہونا چاہیے اعمال ظاہر (نماز اور روزہ وغیرہ) کی اللہ والوں کو کوئی ضرورت نہیں حضرت مجدد علیہ

---

[1] اس آیت میں یقین کے معنی موت کے ہیں اور بعض اور آیات میں بھی یقین موت کے معنی میں مستعمل ہوا ہے مثلاً (حتی اتانا الیقین) بہر حال عربی زبان میں یقین کے ایک مشہور معنی موت کے بھی ہیں۔ لیکن جو لوگ اس سے ناواقف ہیں اور یقین کے معنی "علم یقین" ہی جانتے ہیں انہوں نے اس آیت میں بھی وہی معنی سمجھے اور نتیجہ یہ نکالا کہ عبادت بس اس وقت تک ضروری ہے کہ معرفت کاملہ حاصل ہو جائے۔ حالانکہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ عبادت مرتے دم تک کرنی چاہیے۔ م۔

الرحمہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

سلامتی قلب از التفات بماسوائے او تعالیٰ و اعمال صالحہ کہ بہ بدن تعلق دارند و شریعت بابیان آن امر فرمودہ ہر دو در کار است، دعوائے سلامت قلب بے اتیان اعمال صالحہ بدنیہ باطل است ہمچنان کہ روح در ین نشاء بے بدن غیر متصور است بسیارے از ملحدان این وقت این قسم دعوائے می نمایند نجانا اللہ سبحانہ عن معتقداتہم السوء بصدقہ حبیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

(مکتوب ۳۹ دفتر اول ص ۵۳)

دل کا ماسوائے حق سے خالی ہونا اور وہ اعمال صالحہ بدنیہ کہ شریعت نے جن کا حکم دیا ہے ان کا کرنا یہ دونوں ہی چیزیں ضروری ہیں بغیر ان اعمال صالحہ کے سلامتی قلب کا دعوائے محض باطل ہے جس طرح کہ اس دنیا میں روح کا بلا بدن کے ہونا ناممکن اور غیر متصور ہے ...... آج کل کے بہت سے ملحد اس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں خدا ہم کو بطفیل اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے برے عقیدوں سے محفوظ رکھے۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

ہر کہ بہ باطن پرواز د از ظاہر در ماند ملحد است و احوال باطن استدراج او یند علامت صحت حال باطن اہتمام تحلی ظاہر است باحکام شرعیہ"

(مکتوب ۸۶ دفتر دوم ص ۱۵۶)

جو شخص صرف باطن کو درست کرنا چاہتا ہے اور ظاہر کو یونہی چھوڑے ہوئے ہے وہ ملحد ہے اور اگر اس کو کچھ باطنی احوال حاصل ہوں تو وہ اس کے حق میں استدراج (مہربانی نما قہر) ہے احوال باطنی کی صحت و مقبولیت کی علامت ظاہر کا احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا ہے۔

ارباب تصوف کی ایک عام غلط فہمی یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مشائخ طریق کے مکاشفات اور معارف کو اصل سمجھتے تھے، اور اپنے اعمال کی بنیاد انہی پہ رکھتے تھے خواہ وہ ظاہر شریعت سے متصادم ہی کیوں نہ ہو حضرت مجدد قدس سرہ نے اس کے خلاف بھی مجددانہ جرأت و عزیمت سے لکھا۔

معتبر اثبات احکام شرعیہ کتاب وسنت است
وقیاس اجماع امت نیز بحقیقت مثبت
احکام است بعد ازیں چہار ادلہ شرعیہ
ہیچ دلیلے مثبت احکام شرعیہ نمے تواند شد
الہام مثبت حل وحرمت نبود وکشف ارباب
باطن اثبات فرض وسنت نمایند ارباب
ولایت خاصہ با عامۂ مومنان در تقلید مجتہدان
برابر اند...... وذوالنون، وبسطامی وجنید
وشبلی با زید وعمر وبکر وخالد کہ از عوام مومنان
اند در تقلید مجتہدان در احکام اجتہادیہ مساوی
اند آرے مزیت ایں بزرگواراں در امور
دیگر است۔

(مکتوب عدد ۵۵ دفتر دوم ص۱۰۵)

احکام شرعیہ کے اثبات میں بس کتاب وسنت کا
اعتبار ہے اور قیاس واجماع امت بھی مثبت
احکام ہیں۔ان چار ادلہ شرعیہ کے بعد کوئی ایسی
دلیل نہیں ہے جس سے احکام ثابت ہو سکیں
اولیائے کرام کے الہام سے کسی چیز کی حلت یا
حرمت ثابت نہیں ہو سکتی اور ارباب باطن کا
کشف کسی چیز کو فرض یا سنت ثابت نہیں کر سکتا
مجتہدین عظام کی تقلید کے بارہ میں ارباب ولایت
خاصہ عام مومنین کے برابر ہیں اور ذوالنون مصری
وبایزید بسطامی وجنید وشبلی اس باب میں عوام
مسلمین زید وعمرو وبکر وخالد کے ہم مرتبہ ہیں
ہاں ان بزرگوں کو دوسری حیثیت سے بڑی
فضیلت حاصل ہے۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں:

علامت درستی علوم لدنیہ مطابقت آنست
باصریح علوم شرعیہ اگر سرمو تجاوز است
از سکر است، والحق۔ وما حققہ العلماء
من اھل السنۃ والجماعۃ وما سوٰی
ذالک اما زندقۃ والحاد واما سکر
وقت وغلبۃ حال۔

(مکتوب عدد ۳۰ دفتر اول ص۴۷)

علوم لدنیہ کی صحت ومقبولیت کی علامت،
صریح علوم شرعیہ کے ساتھ ان کی مطابقت ہے
اگر بال برابر بھی تجاوز ہوا تو سمجھ لو کہ اس کا منشا
سکر ہے اور حق وہی ہے جو علماء اہل سنت و
جماعت کی تحقیق ہے اس کے خلاف جو کچھ
ہے یا الحاد وبے دینی ہے یا سکر اور غلبہ حال
سے ناشی ہے۔

بہت سے جاہل صوفی طریقہ سنت وشریعت سے ہٹ کر ریاضتیں اور مجاہدے کرتے
تھے اور اس کو وصول الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے تھے، اور آج کل بھی یہ ہو رہا ہے حضرت

مجدد قدس سرہ اس کے متعلق فرماتے ہیں :

ریاضات و مجاہدات کہ ماورائے تقلید سنت اختیار کنند معتبر نیست کہ جوگیہ و براہمہ ہند و فلاسفہ یونان دریں امر شرکت دارند و آں ریاضات در حق ایشاں جز ضلالت نمے افزاید و بغیر خسارت راہ نمے نماید۔

طریقہ سنت سے ہٹ کر جو ریاضتیں اور مجاہدے لوگ کرتے ہیں ان کا کچھ وزن و اعتبار نہیں ، ایسی ریاضتیں یونان کے فلسفی اور ہندوستان کے برہمن اور جوگی بھی کرتے ہیں ۔ لیکن سوائے گمراہی اور خسارہ کے ان کو ان سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(مکتوب ۲۳۱ دفتر اول ص ۲۳۶)

نیز حضرت قدس سرہ نے متعدد مکاتیب میں یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ ان غیر شرعی ریاضات و مجاہدات یا اسی قسم کے دوسرے نامشروع ذریعوں سے جو مکاشفات و تجلیات اور جو احوال و مواجید حاصل ہوں وہ خدا کا انعام نہیں ہیں بلکہ وہ استدراجات ہیں اور خدا کے دشمنوں (جوگیوں سادھوؤں وغیرہ) کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں ۔

چنانچہ ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں ،

احوال و مواجید کہ بر اسباب نامشروعہ مترتب شوند نیز در فقیر از قبیل استدراجات است چہ اہل استدراج را نیز احوال و اذواق دست میدہد ...... حکمائے یونان و جوگیہ و براہمہ ہند دریں معنی شریک اند علامت صدق احوال موافقت علوم شرعیہ است با اجتناب از ارتکاب امور محرمہ و مشتبہ "۔

نامشروع طریقوں پر جو احوال و کیفیات مترتب ہوں وہ فقیر کے نزدیک استدراج کے قبیل سے ہیں کیونکہ اہل استدراج کو بھی احوال و کیفیات ہاتھ آتے ہیں ..... حکمائے یونان اور ہندوستان کے سادھو اور جوگی اس معاملہ میں شریک ہیں ، احوال و کیفیات کی سچائی اور مقبولیت کی علامت حرام اور مشتبہ امور سے مکمل پرہیز کے ساتھ ساتھ علوم شرعیہ سے ان احوال کی موافقت اور مطابقت ہے ۔

پھر اسی سلسلہ میں سماع و رقص اور نغمہ و سرود کے متعلق (جو اس طبقہ میں بلائے عام کی حیثیت رکھتا ہے) فرماتے ہیں ۔

سماع و رقص فی الحقیقت داخل لہو و لعب
است ..... و آیات و احادیث و روایات
فقہیہ در حرمت غنا بسیار است بحدے
کہ احصائے آں متعذر است ..... ہیچ فقیہے
در ہیچ وقتے و زمانے فتویٰ باباحت سرود
ندادہ است و رقص و پاکوبی را مجوز نداشتہ
و عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس
است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت
نکنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض
داریم۔ ایں جا قول امام ابی حنیفہ و امام
ابی یوسف و امام محمد معتبر است نہ عمل ابوبکر
شبلی و ابی حسن نوری، صوفیان خام
ایں وقت عمل پیران خود را بہانہ ساختہ
سرود و رقص را دین و ملت خود گرفتہ
اند و طاعت و عبادت ساختہ۔
اولٰئک الذین اتخذوا دینھم لھواً
و لعباً» (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول ص ۳۳۵)

سماع و رقص فی الحقیقت لہو و لعب میں داخل
ہے ..... اور اس کی حرمت کے بارے میں آیتیں
حدیثیں اور فقہی روایات اس کثرت سے ہیں کہ
اس کا شمار بھی مشکل ہے ..... کسی زمانہ میں
بھی کسی فقیہ نے سرود و رقص کے جواز کا فتویٰ
نہیں دیا ہے ...... اور صوفیوں کا عمل حلت و
حرمت میں کوئی سند نہیں یہی بہت ہے کہ ہم ان
کو معذور رکھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کے
معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔ یہاں تو
امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد (رحمہم اللہ)
کا قول معتبر ہے نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری
کا عمل۔ ... اس زمانہ کے کچے صوفی اپنے پیروں
کے عمل کا بہانہ کر کے سرود و رقص کو اپنا دین
و مذہب بنائے ہوئے ہیں اور اس کو طاعت و
عبادت سمجھے ہوئے ہیں۔ آہ .....
یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا دین لہو و لعب
بنا لیا ہے۔

انہی صوفیان خام، پرستاران سرود و نغمہ کی کوتاہ نصیبی پر دوسری جگہ اس طرح نوحہ
فرماتے ہیں:-

جمع غفیر ازیں طائفہ تسکین اضطراب خود را
در پردہ ہائے نغمہ و وجد و تواجد بستہ اند و
مطلوب خود را در پردہ ہائے نغمہ مطالعہ
نمودند لاجرم رقص و رقاصی را دین خود

افسوس اس طائفہ صوفیہ میں بہت سے ایسے ہیں جو
اپنی بے چینی کا علاج سماع و نغمہ اور وجد و تواجد
میں ڈھونڈتے ہیں اور اپنے محبوب کو نغموں
کے پردوں میں دیکھنا چاہتے ہیں اور اس لیے

گرفتند باآنکہ شنیدہ باشند ما جعل
اللہ فی الحرام شفاء....... اگر شمہ از
حقیقت صلواتیہ برایشاں منکشف شدے
ہرگز دم از سماع و نغمہ نزدندے...... ع
چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند
اے برادر ہر قدر کہ فرق درمیان نماز و نغمہ
است ہماں قدر فرق درمیان کمالات کہ
منشائے آں نماز است و کمالاتیکہ منشائے
آں نغمہ است بداں العاقل تکفیہ الاشارہ۔
(مکتوب ۲۶۱ دفتر اول ص۳۴۴)

رقص و رقاصی کو انہوں نے اپنا طریقہ بنا لیا ہے
حالانکہ انہوں نے یہ حدیث سنی ہوگی "کہ اللہ تعالیٰ
نے کسی حرام چیز میں شفا نہیں رکھی"......
کاش ان پر نماز کی حقیقت کا ایک شمہ بھی منکشف
ہو جاتا تو ہرگز وہ سماع و نغمہ کا دم نہ بھرتے
(جب حقیقت کا راستہ ان کو نہیں ملا تو غلط راستہ
پر پڑ لیے" اے برادر عزیز! جتنا فرق نماز
اور نغمہ میں ہے اسی قدر فرق نماز سے حاصل
ہونے والے کمالات اور نغمہ سے پیدا ہونے والے
احوال میں سمجھو، بس عاقل کو اشارہ کافی ہے۔

دراصل ان متصوفہ کی ان تمام غلط فہمیوں اور گمراہیوں کی اصل و اساس ایک ہی تھی
کہ یہ شریعت و طریقت کو الگ الگ سمجھتے تھے اور ارباب معرفت و سالکین راہ طریقت
کے لیے ظاہر شریعت کا اتباع ضروری نہیں جانتے تھے۔ اس لیے حضرت مجدد قدس
سرہٗ نے اس بنیادی گمراہی کے خلاف بہت زیادہ زور قلم صرف فرمایا۔ آپ کے مکتوبات
کا اگر تجزیہ کیا جائے تو جتنی بحث اس مسئلہ پر نکلے گی غالباً اتنی کسی موضوع پر نہ ہوگی، یہاں
صرف بطور نمونہ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

وصول باین نعمت عظمیٰ وابستہ باتباع
سید اولین و آخرین است علیہ وعلیٰ آلہ
من الصلوٰۃ افضلہا ومن التحیات اکملہا
تا تمام خود را در شریعت گم نسازد و بامتثال
اوامر و انتہا از نواہی متحلی نگردد بوے ازیں
دولت بمشام جان او نرسد۔"
(مکتوب ۵۷ دفتر اول ص۱۰۱)

اس نعمت عظمیٰ کا حاصل ہونا سردار اولین و آخرین
خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی
سے وابستہ ہے۔ سالک جب تک کہ اپنے
کو شریعت میں بالکل گم نہ کر دے اور اپنی زندگی
کو بالکل شریعت کے مطابق نہ بنالے اس نعمت
کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا۔

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

اے فرزند آنچہ فردا بکار خواہد آمد متابعت صاحب شریعت است علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ احوال ومواجید وعلوم ومعارف و اشارات ورموز اگر بآں متابعت جمع شوند فبہا ونعمت والا جز خرابی واستدراج ہیچ نیست، (مکتوب ۱۹۴ دفتر اول ص۱۸۵)

اے فرزند جو چیز کل کام آنے والی ہے وہ صرف صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے باقی احوال وکیفیات اور علوم ومعارف اور اشارات اگر اس پیروی کے ساتھ ہو تو خیر اور خوب ورنہ سوائے خرابی اور استدراج کے کچھ نہیں۔

ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

فضیلت منوط بمتابعت سنت اوست و مزیت مربوط باتیان شریعت او علیہ الصلوٰۃ والسلام مثلاً خواب نیم روزے کہ از روئے ایں متابعت واقع شود از کرور کرور احیاء لیالی کہ غیر از متابعت است اولیٰ وافضل است مکتوب ۱۱۴ جلد اول ص۱۲۵)

ہر فضیلت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی سے اور ہر کمال آپ کی شریعت کے اتباع سے وابستہ ہے مثلاً سنت نبوی کے اتباع کے طور پر دوپہر کا سونا کروڑوں رات جاگنے سے بہتر اور افضل ہے جبکہ یہ شب بیداری شریعت کی پیروی کے بغیر ہو۔

الغرض حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے تصوف کے متعلق یہ اور ان کے علاوہ اور بہت سی اصلاحیں فرمائیں اور حق یہ ہے کہ سیکڑوں برس سے جو آلائشیں اس میں باہر سے داخل ہو گئی تھیں اُن سب کو چھانٹ کر نہایت صاف اور ستھرا اسلامی تصوف دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

فتنۂ رفض و تفضیلیت

کے خلاف

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا جہاد

اس سے پہلے بعض مضامین کے ضمن میں اُن اسباب کی طرف اشارات گزر چکے ہیں جن کی وجہ سے دور اکبری میں شیعوں کو مغلیہ حکومت کے اندر عمل دخل کا موقعہ ملا، اور عہد جہانگیری میں "نورجہاں" کے طفیل حکومت کی باگ ہی شیعوں کے ہاتھ میں چلی گئی بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ جہانگیر کے نام سے "نورجہاں" کا شیعی گھرانہ ہی اس وقت ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔ خود جہانگیر کا اعتراف ہے۔

در دولت پادشاہی من حالا در دست این سلسلہ است، پدر دیوان کل، پسر وکیل مطلق دختر ہمراز و مصاحب۔ (تزک جہانگیری)

اب میری ساری بادشاہی اسی سلسلہ (نورجہاں اور اس کے گھر والوں) کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا باپ دیوان کل ہے اور بیٹا (نورجہاں کا بھائی آصف خاں) وکیل مطلق اور بیٹی (خود نورجہاں) ہمراز و ہم صحبت۔

جبکہ تاج و تخت پر اس طرح شیعت کا قبضہ تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ الناس علی دین ملوکھم کے فطری اور طبعی اصول پر عوام میں رفض کے جراثیم نہ پھیلتے چنانچہ شیعی خیالات عوام سینوں میں بھی سرایت کرنے لگے۔ حضرت علی مرتضیٰ ؓ کی افضلیت مطلقہ کا عقیدہ، اور جن صحابہ کرام کے آپ سے اختلافات ہوئے ان کی طرف سے بغض و عداوت اور اس قسم کے شیعت کے دوسرے مبادی بھی دبائے عام کی طرح سینوں میں پھیلنے لگے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حضرت ہی اس لیے بھیجے گئے تھے کہ اس قسم کے تمام فتنوں اور بیماری گمراہیوں کا قلع قمع کر کے دین کو پھر سے تر و تازہ اور ملت کو از سر نو زندہ کریں اس لیے اس فتنہ تشیع کے استیصال کی طرف بھی آپ نے خاص توجہ مبذول فرمائی۔ اس سلسلہ میں آپ کی کوششیں تین طرح ظہور پذیر ہوئیں۔

۱۔ شیعی علماء سے آپ نے عام و خاص مجلسوں میں بالمشافہ مناظرے اور مباحثے کیے جن میں ان کو فاش شکستیں دیں، ماوراء النہر یہ ہے کہ آپ کے اسی اقدام نے شیعیت کی ترقی کو بڑی حد تک روک دیا اور اسی ایک ضرب نے کمر توڑ دی۔

۲۔ مشہد کے بعض شیعی علماء نے ماوراء النہر کے سنی علماء کے ایک رسالہ کے جواب میں ایک نہایت پر فریب اور سراپا تبرا یہ رسالہ لکھا جس کا حاصل خود حضرت مجدد رح کے لفظوں میں "حضرات خلفاء ثلثہ رض کی تکفیر اور حضرت عائشہ رض کی مذمت و تشنیع تھی" ــــــ اس رسالہ کو ہندوستان کے شیعوں نے خوب پھیلایا اور خصوصاً امراء و حکام اور ارکان سلطنت کی مجالس میں اس کو خوب شہرت دی گئی۔ یہاں تک کہ ہر طرف اور ہر جگہ اسی کا چرچا ہونے لگا ــــــ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے پہلے تو خاص مجلسوں اور عام مجمعوں میں اس کا رد بیان کرنا شروع کیا اور اس کی مغالطہ آمیزیوں اور دجل و فریبیوں کا پردہ خوب چاک کیا پھر اس کے بعد ایک مستقل رسالہ اس کے جواب میں لکھ کر شائع کیا۔ اس رسالہ کی اہمیت کا اندازہ بس اسی سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ جیسے جلیل القدر امام نے اس کی شرح لکھی ہے۔

۳۔ اپنے مکتوبات میں حضرت مجدد رح نے شیعی اصول و خیالات کی نہایت مدلل اور محققانہ تردید کی اور شیعوں کے بے پناہ پروپیگنڈے کی وجہ سے جو غلط خیالات خود سنیوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ نہایت حکمت کے ساتھ کتاب و سنت اور عقل سلیم کی روشنی میں ان کی اصلاح فرمائی۔

اور معلوم ہے کہ آپ کے مکاتیب اگرچہ کسی خاص ہی شخص کے نام لکھے جاتے تھے اور بظاہر ان کی حیثیت بھی خطوط ہی کی ہوتی تھی۔ لیکن ان کی اشاعت و تداول اور نقل

در نقل کا ایسا اہتمام تھا کہ گویا اُس وقت غیر حضری زمانہ میں آپ کے یہاں سے "مجدد گزٹ" نکلتا تھا۔ آپ کے خلفاء تمام اطراف ملک میں بلکہ ہندوستان سے باہر ماوراء النہر، بدخشاں، خراسان توران اور طالقان وغیرہ وغیرہ میں بھی پھیلے ہوئے تھے، یا یوں کہیے کہ ایک خاص نظام اور نقشہ کے مطابق آپ نے ان کو مختلف مرکزوں میں بٹھا دیا تھا اور یہ سب ہی مختلف ذرائع سے مکتوبات شریف کی نقلیں حاصل کرتے رہتے تھے، اس لیے آپ کے مکاتیب کی حیثیت فی الحقیقت نجی نہ تھی۔ بلکہ درحقیقت وہ تبلیغ و اشاعت کا ایک نہایت منظم اور مؤثر سلسلہ تھا ــــ بہر کیف اس سلسلہ کے ذریعہ سے بھی آپ فتنہ رفض کی بڑی روک تھام کی اور اس وقت کے حالات کو پیش نظر رکھ کر یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ اس طرف متوجہ نہ ہوتے تو اکبر کا الحاد سے جو مسلمان بچے تھے ان میں سے اکثر شیعیت کے جال میں پھنس چکے تھے۔

اس سلسلہ میں حضرت علیہ الرحمہ نے متفرق طور پر جو کچھ ارقام فرمایا ہے، اگر اس سب کو جمع کیا جائے، تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ یہاں چند عنوانات کے ماتحت آپ کے مکتوبات گرامی کے چند ہی اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

فی زماننا ان مجددی ارشادات کی اشاعت اس لیے بھی ضروری ہے کہ آج کل بعض تجارت پیشہ مدعیان فقر و تصوف، اپنی تجارت کی گرم بازاری کے لیے اور بعض مدعیان پیر "اپنی جہالت و بے خبری اور ہوئی پرستی کے باعث ادعاء "سنیت و حنفیت" کے ساتھ ساتھ ان ہی عقائد و خیالات کے حامل بلکہ مبلغ بنے ہوئے ہیں جو دور اکبری اور عہد جہانگیری میں بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے شیعوں نے سنیوں میں پھیلائے تھے۔ بلکہ اب تو پوری بلند آہنگی کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کیے جا رہے ہیں کہ ہمیشہ سے اولیاء کرام اور صوفیاء عظام کا یہی مشرب رہا ہے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات کے مطالعہ سے ناظرین کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ اہل اللہ اور عرفاء امت کے نزدیک اس باب میں مسلک صحیح اور صراط مستقیم کیا ہے۔ اور اس مقدس گروہ کی نظر میں یہ خیالات (جن کو آج بعض حلقوں میں لازمۂ تصوف سمجھا جانے لگا ہے) کس درجہ

گمراہانہ اور صحیح سلامت ہیں۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۵۔

افضلیت شیخین (رضی اللہ عنہما)

شیعیت کی پہلی سیڑھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت مطلقہ کا اعتقاد ہے۔ اور چالاک روافض عوام سنیوں کو سب سے پہلے اسی عقیدے پر جمانے کی کوشش کرتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی مرتضیٰ کی قرابت قریبہ اور بعض دوسری وجوہ سے وہ اس ابلہ فریبی میں کسی قدر آسانی سے کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر جب ایک شخص اتنی بات کو مان لیتا ہے کہ حضرت علیؓ بلا استثنا تمام صحابہ کرام میں افضل تھے تو لازمی طور پر وہ اس نتیجہ پر بھی پہنچ جاتا ہے کہ صحابہ کرام نے خلافت کے انتخاب میں ان کے ساتھ بے انصافی کی یا کم از کم یہ کہ صحیح انتخاب نہیں کیا۔ اور جمہور صحابہ سے بدظنی اور بغض و عداوت ہی شیعی مذہب کا سنگ بنیاد ہے۔ بہرحال شیعیت کا پہلا دروازہ یہی عقیدہ "تفضیل" ہے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے بلا مبالغہ پچاسوں جگہ اپنے مکتوبات میں اس پر روشنی ڈالی ہے جن میں سے صرف چند اقتباسات ملاحظہ ہوں ـــ دفتر دوم کے پندرھویں مکتوب گرامی میں جو حکام بلدۂ سامانہ کے نام لکھا گیا ہے ارقام فرماتے ہیں:

افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ وتابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ آنرا جماعت از اکابر ائمہ کہ یکے از ایشاں امام شافعی است قال الشیخ الامام ابوالحسن الاشعری ان تفضیل ابی بکر ثم عمر علی بقیۃ الامۃ قطعی، وقد تواتر عن علی رضی اللہ عنہ فی خلافتہ وکرسی مملکتہ وبین الجم الغفیر من شیعتہ ان ابا بکرؓ وعمرؓ

حضرات شیخین (سیدنا ابوبکرؓ وسیدنا عمرؓ) کی صحابہ وتابعین کے اجماع سے ثابت ہے جیسا کہ اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی بھی ہیں، اور امام ابوالحسن اشعری نے فرمایا ہے کہ حضرت صدیقؓ وفاروقؓ کی افضلیت باقی تمام امت پر قطعی (غیر مشتبہ اور یقینی) ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے تواتر کے طور پر ثابت ہے کہ آپ نے اپنے خلافت کے زمانہ میں، خاص

افضل الامت

دفتر دوم ص۳۶

اپنے دار الخلافت میں اور اپنے متبعین کی کثیر جماعت کے سامنے اعلان فرمایا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ بزرگترین امت ہیں۔

اسی دفتر میں ایک طویل مکتوب آپ نے رکن سلطنت خاں جہاں کو لکھا ہے جس میں آپ نے تمام ضروری عقائد تحریر فرما دیئے ہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے اگر اس کو "مجددی عقائد نامہ" کہا جائے تو بجا ہوگا۔ اس میں خلافت راشدہ اور خلفاء راشدین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے متعلق فرماتے ہیں:

امام برحق و خلیفہ مطلق بعد از حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات حضرت ابوبکر صدیق است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین است رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں حضرت علی بن ابی طالب است رضوان اللہ تعالیٰ علیہ و افضلیت ایشاں بترتیب خلافت است افضلیت حضرات شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است حضرت امیر کرم اللہ وجہہ میفرمائد:

"کسیکہ مرا بر ابی بکرؓ و عمرؓ فضل بدہد مفتری است و او را تازیانہ زنم چنانکہ مفتری را بزنند"۔

(مکتوب نمبر ۶۷ دفتر دوم ص۱۳۱)

حضرت خاتم الانبیاء (علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات) کے بعد خلیفہ مطلق اور امام برحق حضرت ابوصدیق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ ان کے بعد حضرت عثمان اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان حضرات کی افضلیت بھی اسی ترتیب سے ہے یعنی سب سے بڑا درجہ حضرت صدیق اکبرؓ کا ہے ان کے بعد فاروق اعظم کا ان کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بعد ازاں حضرت علی مرتضیٰ کا (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور شیخین کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجماع و اتفاق سے ثابت ہے۔ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دے گا وہ مفتری ہے اور میں اس کو کوڑوں کی سزا دلاؤں گا جس طرح افترا کرنے والوں کو دی جاتی ہے۔

بعض "الہامی معارف":

افضلیت شیخین اور حضرات خلفاء اربعہ کے باہمی فرق مراتب کے متعلق کہیں کہیں آپ نے "رسمی علوم" اور اصطلاحی دلائل" سے گزر کر "اسرار و لطائف" کے رنگ میں بھی کلام کیا ہے۔ منجملہ ان کے دفتر اول کے ایک مکتوب میں تو اسی رنگ میں اتنا لکھا ہے کہ گویا "الہامی معارف کا چشمہ ہی پھوٹ پڑا ہے، یہ مکتوب حضرت خواجہ محمد اشرف کابلیؒ کے نام ہے۔ اس کے بعض حصے تو عام افہام، بلکہ متوسطین کی عقول سے بھی بالاتر ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جن کو اوساطِ ناس بھی سمجھ سکتے ہیں۔ یہاں اسی حصہ کا اقتباس درج کیا جاتا ہے (ترجمہ بطور حاصل مطلب عرض کیا جائے گا۔)

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات معلوم اخوی ارشدی خواجہ محمد اشرف باد بعضے از علوم غریبہ و اسرار عجیبہ و مواہب لطیفہ و معارف شریفہ کہ اکثر آنہا تعلق بفضائل و کمالات حضرات شیخین و ذی النورین و حیدر کرارؓ داشتہ بحسب فہم قاصر خود می نویسد بگوش ہوش استماع فرمایند ـــــ کہ حضرت صدیق و فاروق باوجود حصول کمالات محمدی و وصول بدرجات ولایت مصطفوی علیہ وعلیٰ آلہ والصلوٰۃ والسلام در میان انبیاء ما تقدم در طرف ولایت مناسبت بحضرت ابراہیم صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیٰ نبینا وعلیہ دارند، و در طرف دعوت کہ مناسب مقام نبوت است مناسبت بحضرت موسیٰ دارند صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد برادر باسعادت خواجہ محمد اشرف کو معلوم ہو کہ حضرات خلفاء اربعہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے فضائل و کمالات کے متعلق بعض خاص علوم و معارف اور حق تعالیٰ کے بخشے ہوئے عجیب و غریب اسرار و لطائف حوالہ قلم کرتا ہوں، توجہ سے سنیں ـــــ حضرت صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) کو اگرچہ کمالات محمدی حاصل ہیں اور یہ حضرات ولایت مصطفوی کے درجات اگرچہ طے کر چکے ہیں تاہم انبیاء سابقین میں ان کو بلحاظ ولایت حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے اور باعتبار دعوت (جو مقام نبوت سے متعلق ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مناسبت اور مشابہت حاصل ہے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو "ولایت" و "دعوت" دونوں میں

علی نبینا وعلیہ وحضرت ذوالنورین در ہر دو طرف مناسبت بحضرت نوح دارند صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا وعلیہ وحضرت امیر در ہر دو طرف مناسبت بحضرت عیسیٰ دارند صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علی نبینا وعلیہ، وچوں حضرت عیسیٰ روح اللہ است وکلمہ او لاجرم طرف ولایت در ایشاں غالب است از جانب نبوت ودر حضرت امیر نیز بواسطہ آں مناسبت طرف ولایت غالب است۔

میں حضرت نوح علیہ السلام سے مناسبت خاصہ ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کو نبوت و دعوت دونوں کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ سے خاص مناسبت ہے ــــ اور چونکہ حضرت عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اس لیے بہ نسبت جہتِ نبوت کے اُن میں ولایت کی جہت غالب ہے اور اسی مناسبت سے حضرت علی مرتضیٰ میں بھی ولایت کی جہت غالب ہے۔

پھر ایک دقیق تحقیق کے بعد فرماتے ہیں:

حضرت صدیق وفاروق حامل بار نبوت محمدی اند علی اختلاف المراتب وحضرت امیر بواسطہ مناسبت حضرت عیسیٰ وغلبہ جانب ولایت حامل بار ولایت محمدی اند وحضرت ذوالنورین باعتبار برزخیت حمل بارگاہ ہر دو طرف فرمودہ اند وتواند بود کہ بایں اعتبار نیز ایشاں را ذوالنورین گویند۔

حضرت صدیق اور حضرت فاروق علیٰ فرق مراتب نبوت محمدی کے بار کے حامل ہیں۔ اور حضرت علی مرتضیٰ مناسبت عیسوی اور غلبہ جانب ولایت کی وجہ سے ولایت محمدی کے بار کے حامل ہیں اور حضرت عثمان ذوالنورین اپنی درمیانی حیثیت کی وجہ سے نبوت محمدی اور ولایت محمدی دونوں نسبتوں کے حامل ہیں۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس لحاظ سے بھی ان کو ذوالنورین کہیں۔

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

وچوں امیر حامل بار ولایت محمدی بودہ اند اکثر سلاسل اولیاء بایشاں منتسب گشتہ وکمالات حضرت امیر بیش از کمالات حضرت

اور چونکہ حضرت علی مرتضیٰ پہ ولایت محمدی کی نسبت کا اثر غالب ہے اس لیے اولیاء اللہ کے اکثر سلسلے انہی سے نسبت رکھتے ہیں اور بہت سے گوشہ گیر

حضرت شیخین بر اکثر اولیاء عزلت کر بکمالات
ولایت مخصوص اند ظاہر شد اگر نہ اجماع
اہلسنت بر افضلیت شیخین بودے کشف
اکثر اولیاء عزلت بافضلیت حضرت امیر
حکم کردے زیرا کہ کمالات حضرات شیخین
شبیہ کمالات انبیاء است علیہم الصلوات
والتسلیمات درست ارباب ولایت ازدامان
آن کمالات کوتاہ است وکشف ارباب
کشوف بواسطہ علو درجات آنہا در راہ کمالات
ولایت در جنب آن کمالات کالمطروح
فی الطریق اند کمالات ولایت زینہا انداز
برائے عروج بر کمالات نبوت۔ پس مقدمات
را از مقاصد چہ خبر بود مبادی را از
مطالب چہ شعور۔ امروز این سخن
بواسطہ بُعد عہد نبوت بر اکثرے گراں
است و از قبول دور لیکن چہ تواں
کرد

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاذ ازل گفت ہمہ میگویم

اما الحمد للہ سبحانہ والمنۃ کہ درین گفتگو
بعلمائے اہلسنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم موافقم
و بر اجماع ایشان متفق استدلالی ایشان
برہانی کشفی ساختہ اند و اجمالی را تفصیلی این فقیر را

اولیاء پر جن کو صرف کمالات ولایت ہی سے حصہ
ملا ہے (اور کمالات نبوت سے ان کو مناسبت نہیں
ہے) حضرت امیرؓ کے کمالات، حضرات شیخین سے
زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر شیخین کی افضلیت
پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو ان اکثر اولیاء کا کشف
حضرت علی مرتضیٰ ہی کی افضلیت کا فیصلہ کرتا
کیونکہ حضرات شیخین کے کمالات انبیاء علیہم السلام
کے کمالات کے مشابہ ہیں اور ان ارباب ولایت
کی دسترس وہاں تک نہیں ہے اور نیز ان کشف
والوں کے کشف کی پرواز بھی اون درجہائے کمالات
کی بلندی سے نیچے ہی نیچے ہے۔ ہاں! ہاں!
کمالات ولایت اُن کمالات نبوت کے مقابلہ
میں بالکل ہیچ اور پیش پا افتادہ ہیں۔ کمالات
ولایت تو کمالات نبوت کی بلندیوں تک پہنچنے
کے لیے زینے ہیں اور ان دونوں میں مقدمات
اور مقاصد یا مبادی اور مطالب کی نسبت ہے
نبوت کی روشنی سے دوری کے باعث بہت
ممکن ہے کہ آج یہ بات بہت سوں پر گراں ہو
اور وہ اس کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوں لیکن
میں کیا کروں اور کیا کرسکتا ہوں۔ میری مثال تو
طوطی کی سی ہے۔ سکھانے والے نے جو اس کو سکھا
دیا ہے وہی اس نے بول دیا۔ بہر حال اللہ کا
شکر اور اس کا احسان ہے کہ میں اس بارہ میں

تا از ما بینکہ بکمالات مقام نبوت بمتابعت پیغمبر
خود رسانیدند و از آں کمالات بہرۂ تام
ندادند بر فضائل شیخین بطریق کشف
اطلاع نہ بخشیدند و غیر از تقلید را ہے
نہ نمودند الحمد للہ الذی ھدانا لھذا
وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ
لقد جاءت رسل ربنا بالحق"

روزے شخصے نقل کرد کہ نوشتہ اند
کہ نام حضرت امیر بر در بہشت نبشتہ کردہ اند بخاطر
رسید کہ حضرات شیخین را خصائص آں
موطن چہ باشد بعد از توجہ تام ظاہر شد کہ
دخول ایں امت در بہشت باستصواب و
تجویز ایں دو اکابر خواہد بود گوئیا حضرت
صدیق بر در بہشت ایستادہ اند تجویز
دخول مردم مے فرمودند و حضرت فاروق
دست گرفتہ بدرون مے برند و مشہور
میگردد کہ گوئیاں تمام بہشت بنور حضرت
صدیق مملو است در نظر ایں حقیر حضرات
شیخین را در میان جمیع صحابہ شان علیحدہ
است و درجہ منفردہ گوئیا ہیچ احدے
مشارکت ندارند۔

حضرات علماء اہلسنت کی رائے کے موافق ہوں اور
ان کے اجماع سے متفق۔ ہاں ان کو جو چیز استدلال
سے معلوم ہوئی تھی مجھ پر اس کو منکشف کر دیا گیا
ہے اور جو بات ان کو بالاجمال دریافت ہوئی
تھی وہ مجھ پر بالتفصیل ظاہر کر دی گئی ہے۔ اس
فقیر کو تو جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
تبعیت اور آپ کے طفیل میں کمالات مقام نبوت
تک پہنچا نہیں دیا گیا اور ان سے کافی حصہ عنایت
نہیں فرما دیا گیا کشفی طور پر فضائل شیخین کی
اطلاع ہی نہیں دی گئی اور اس بارہ میں سوائے
تقلید کے کوئی راہ ہی نہیں دکھائی گئی۔ پس حمد
ہے اس خدا کو جس نے ہم کو ہدایت دی اور
اگر وہ رہنمائی نہ فرماتا تو ہم راہ یاب نہیں ہو سکتے
تھے۔ ایک دن ایک شخص نے نقل کیا کہ لکھنے
والوں نے لکھا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کا نام نامی
جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔ دل میں خیال
آیا کہ پھر اس جگہ حضرات شیخین کو کیا خصوصیت
حاصل ہوگی؟ توجہ سے معلوم ہوا کہ جنت میں
اس امت کا داخلہ انہی ہر دو بزرگوں کی تجویز
اور صوابدید سے ہوگا۔ گویا صدیق اکبر جنت
کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور لوگوں کا داخلہ
تجویز کرتے اور حضرت فاروق گویا ہاتھ پکڑ پکڑ
کر اندر لے جاتے ہیں اور بہ نظر آتا ہے کہ گویا ساری

جنت حضرت صدیق اکبر کے نور سے منور ہے۔ اس حقیر کی نظر میں حضرات شیخین کی شان تمام صحابہ میں سب سے الگ اور بالکل نرالی ہے جس میں کسی کی کوئی شرکت نہیں۔

حضرت صدیق با حضرت پیغمبر علیہ الصلوات والتسلیمات گوئیا ہمخانہ است اگر تفاوت است بعلو و سفل است و حضرت فاروق نیز بطفیل حضرت صدیق بایں دولت مشرف اند و سائر صحابہ کرام باآں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات نسبت ہمسرائے او دارند ہم شہرے یا و لیاد امت خود چہ رسد ع

حضرت صدیق اکبر تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم خانہ ہیں اور فرق ہے تو صرف نیچے اور اوپر کا یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل میں ہیں اور حضرت صدیق اسی محل کی تحتانی منزل میں اور حضرت فاروق بھی بطفیل حضرت صدیق اس دولت سے مشرف ہیں اور باقی تمام صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ہمسرائی یا ہم شہر ہونے کی نسبت حاصل ہے، پھر اولیاء امت کی وہاں کیا رسائی۔ ع۔

"این بسکہ رسد ز دور بانگ جرسم"

پس ایں ہا از کمالات شیخین چہ دریابند

ہے یہی کافی کہ آئے دور سے بانگ جرس

پس یہ ارباب ولایت جبکہ شیخین کی منزل سے اتنے دور ہیں تو ان کے کمالات کا کیا ادراک کر سکتے ہیں۔

پھر چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

و شیخین بعد از موت نیز از حضرت پیغمبر جدا نشدند و حشر نیز درمیان ایشاں خواہد بود چنانچہ فرمودہ پس افضلیت بواسطہ قربیت ایشاں را بود ——— ایں قلیل البضاعت از کمالات ایشاں چہ گوید واز

حضرات شیخین تو وفات کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہیں ہوئے اور حضور قبر مبارک سے اس حال میں اٹھیں گے کہ ایک جانب حضرت صدیق ہوں گے اور دوسری طرف حضرت فاروق جیسا کہ خود آنحضرت نے ایک حدیث میں اس

فضائل ایشاں چہ بیان نماید، ذرہ را چہ یارا
کہ سخن از آفتاب گوید، وقطرہ را چہ مجال کہ تحدیث
بحر عماں بر زبان آرد اولیاء کہ برائے دعوت
خلق مرجوع اند واز ہر دو طرف ولایت
و دعوت بہرہ دارند، وعلماء مجتہدین از تابعین
وتبع تابعین بنور کشف صحیح و فراست صادقہ
واخبار متتابعہ فی الجملہ کمالات شیخین را
دریافتہ اند، وشمہ از فضائل ایشاں شناختہ
ناچار حکم بافضلیت شان نمودہ اند دریں
ایں معنی اجماع فرمودہ اند و کشفے کہ برخلاف
ایں اجماع ظاہر شدہ بر عدم صحت عمل
نمودہ اعتبار نہ کردہ اند کیف وقد صح
فی الصدر الاول افضلیتهما
کما روی البخاری عن ابن عمر قال
کنا فی زمن النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم
لا نعدل بابی بکرؓ احداً ثم عمرؓ
ثم عثمان ثم نترک اصحاب
النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا
نفاضل بینھم ـــــ وفی
روایۃ لابی داؤد قال کنا نقول و
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
حیّ افضل امۃ النبی صلی اللہ علیہ
وسلم بعدہ ابوبکرؓ ثم عمرؓ ثم

جز دی ہے۔ پس اس نزدیکی اور دائمی حضوری
کی وجہ سے افضلیت انہی کو ہے بنا بریں حضرات
شیخین کے فضائل کے متعلق کیا بیان کرے اور
کیونکر لب کشائی کرے، ذرہ کو کہاں طاقت کہ آفتاب
کی باتیں کرے اور قطرہ کی کیا ہستی کہ عمان کے زخار
سمندر کے متعلق زبان کھولے، وہ اولیاء کرام
جن کو دعوت خلق کا کام سپرد ہے اور جنہیں "ولایت
و دعوت" دونوں چیزوں سے حصہ وافر ملا ہے
انہوں نے کشف صحیح کی روشنی میں اور تابعین و
تبع تابعین میں سے ائمہ مجتہدین نے اپنی فراست
صادقہ اور احادیث و آثار متواترہ سے حضرات
شیخین کے کمالات دریافت کیے ہیں اور ان کے
فضائل میں سے بہت تھوڑا سا حصہ ان کے علم
میں آیا ہے ناچار انہوں نے حضرات شیخین کی افضلیت
کا حکم لگایا اور اس پر اجماع کیا اور طے کردیا کہ اگر
کسی کو اپنے کشف سے اس کے خلاف ظاہر ہو تو وہ
غیر صحیح اور نا معتبر ہے ـــ اور بھلا افضلیت
شیخین کے خلاف کسی کا کشف کیونکر معتبر ہوسکتا ہے
حالانکہ صدر اول (عہد نبوی) میں ان کی فضیلت مسلم ہو
چکی تھی۔ جیسا کہ امام بخاری نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت
کیا ہے کہ ہم عہد نبوت میں ابوبکرؓ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے
تھے۔ پھر عمرؓ کو پھر عثمان کو۔ ان کے بعد تمام صحابہ
کو چھوڑ دیتے تھے اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم"

(مکتوب ۲۵۱ ص ۲۶۹-۲۷۱)

فضیلت نہیں دیتے تھے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں اس طرح ہے کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ صلعم ہمارے درمیان اس دنیا میں رونق افروز تھے تو ہم کہا کرتے تھے کہ اس امت میں افضل ترین ابوبکرؓ ہیں۔ پھر عثمان رضؓ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

افضلیت شیخین کے مسئلہ پر بعض اور مکاتیب میں بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس قسم کے معارف ارقام فرمائے ہیں، لیکن ہم بقصد اختصار یہاں انہیں اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں، اس آخری مکتوب کے اقتباسات سے دوسرے نادر فوائد اور عجیب وغریب اسرار ولطائف کے علاوہ ناظرین کرام کو اس سوال کا جواب بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ اکثر سلاسل اولیا اللہ کا انتساب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کیوں ہے؟ اور عام ارباب ولایت کو جناب مرتضوی ہی سے زیادہ مناسبت کی وجہ کیا ہے؟ اور نیز اس مکتوب شریف سے یہ عقیدہ بھی حل ہوگیا کہ بعض ارباب ولایت پر حضرت علیؓ کے فضائل وکمالات بہ نسبت حضرات شیخین کے جو زیادہ منکشف ہوتے ہیں تو اس کا سبب اور منشا کیا ہے۔؟

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تحقیق (صرف غور وذکر والی تحقیق نہیں بلکہ الہامی تحقیق اور ربانی تلقین کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرات شیخین کو چونکہ مقام نبوت سے زیادہ قرب ہے اور نسبتہ کمالات نبوت کا زیادہ غلبہ ہے اس لیے اُن کے کمالات خاصہ تک اُن عام ارباب ولایت کی رسائی ہی نہیں ہوتی جن کی پرواز صرف مقام ولایت تک ہے۔ اور چونکہ حضرت علی مرتضیٰؓ میں ولایت کی جہت ہی غالب ہے اور ان پر کمالات ولایت ہی کا غلبہ ہے اس لیے عام ارباب ولایت اُن کے کمالات وفضائل کا ادراک خوب کرسکتے ہیں۔ اس واسطے حضرت امیر کے فضائل وکمالات بہ نسبت حضرات شیخین کے ان پر زیادہ منکشف ہوتے ہیں اور اسی قرب ومناسبت کا یہ اثر ہے کہ اولیاء اللہ کے اکثر سلاسل حضرت علی مرتضیٰ سے نسبت رکھتے ہیں۔

حق تعالیٰ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مرقد مبارک کو منور فرمائے اس تحقیق انیق نے

کتنی الجھنیں صاف کر دیں اور کتنی تاریکیوں کو روشنی سے بدل دیا۔ روح مجدد شاد باد!

حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے متعدد مکاتیب میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ "افضلیت شیخین کا عقیدہ اہل سنت کے "ضروریات" اور اجماعیات میں سے اور اس سے اختلاف کرنے والا اہلسنت سے خارج ہے۔ چنانچہ دفتر اول کے مکتوب ۲۲۹ میں ارقام فرماتے ہیں۔

کسیکہ حضرت امیر را افضل از حضرت صدیقؓ گوید از جرگہ اہلسنت می بر آید۔

جو کوئی حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت صدیق اکبر سے افضل کہے وہ گروہ اہل سنت سے خارج ہے۔

حضرت عثمان کی افضلیت :

معلوم ہو چکا ہے کہ جمہور اہلسنت کے نزدیک حضرات خلفاء اربعہ کی فضیلت کی ترتیب بھی وہی ہے، جو خلافت کی ترتیب ہے، یعنی جس طرح شیخین کے بعد خلافت کے اعتبار سے حضرت عثمان ذوالنورین کا نمبر ہے اسی طرح فضیلت کے لحاظ سے بھی ان کا تیسرا مرتبہ ہے اور حضرت علی مرتضیٰ چوتھے نمبر پہ ہیں (رضی اللہ عنہم اجمعین)

لیکن بعض حضرات اہل علم سے حضرت عثمانؓ کی افضلیت کے بارہ میں تردد اور توقف بھی ظاہر ہوا ہے بظاہر تو یہ ایک معمولی سی بات ہے لیکن درحقیقت اس کا نتیجہ بھی جلیل القدر صحابہ کرام کا تخطیہ ہے کیونکہ حضرت علی مرتضیٰ کے ہوتے ہوئے خلافت (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت وجانشینی) کے لیے حضرت عثمان کا انتخاب جلیل القدر صحابہ کرام کی ایک مجلس شوریٰ ہی نے کیا تھا، اگرچہ اس مجلس شوریٰ نے (جس میں خود حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ بھی شامل تھے) آخر کار انتخاب کے پورے اختیارات عبدالرحمٰن بن عوف کو دے دیے تھے۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰن نے تنہا اپنی رائے سے فیصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور اس وقت مدینہ طیبہ میں ان کی نظر میں جو صاحب الرائے اور قابل مشورہ حضرات تھے خفیہ طور پر ان سب سے فرداً فرداً انہوں نے رائے حاصل کی اُن کا بیان ہے کہ مجھے دو شخص بھی ایسے نہ ملے جو حضرت علیؓ

کو حضرت عثمان پر ترجیح دیتے ہوں"۔ اور اس لیے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو ہی منصب خلافت تفویض کر دیا۔

بہر حال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور بہ نسبت حضرت علی مرتضیٰؓ کے ان کی فوقیت بھی گویا جمہور صحابہ کرام کی متفقہ رائے ہے، پس اس سے اختلاف کرنا گویا تمام صحابہ کرام کو خاطی قرار دینا ہے اور بلا شبہ تشیعی خیالات کے دل میں گھسنے کے لیے یہ پہلا چور دروازہ ہے۔ اس لیے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس کا انسداد بھی ضروری سمجھا اور صاف ارقام فرمایا،

اکثر علماء اہلسنت بر آنند کہ افضل بعد از شیخین عثمان است، پس علیؓ و مذہب ائمہ اربعہ مجتہدین نیز ہمیں است و توقفے کہ در فضیلت عثمان از امام مالک نقل کردہ اند قاضی عیاض گفتہ کہ او رجوع کردہ است از توقف بسوئے تفضیل عثمان و قرطبی گفتہ است ہو الاصح ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اکثر علماء اہلسنت اس مسلک پر ہیں کہ حضرات شیخین کے بعد افضل ترین امت حضرت عثمان ہیں، اور ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ اور ائمہ اربعہ کا مذہب یہی ہے۔ اور بعض لوگوں نے جو امام مالکؒ سے افضلیت عثمان کے بارہ میں توقف نقل کیا ہے اس کے متعلق امام قاضی عیاض مالکی کا بیان ہے کہ امام مالک نے اس سے رجوع فرما لیا اور آخر الامر افضلیت عثمان کے قائل ہو گئے تھے اور علامہ قرطبی نے بھی اس کی تصدیق اور تصحیح کی ہے۔

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ اس بارہ میں حافظ علامہ ابن تیمیہ نے "منہاج السنہ" میں اس کے متعلق حضرت امام مالکؒ کا جو ایک مقولہ نقل کیا ہے۔ اس کے بعد تو سکوت یا توقف کا احتمال باقی ہی نہیں رہا، منہاج میں امام مالک کا ارشاد حضرت عثمان و حضرت علی کے باہمی تفاضل کے باب میں یہ منقول ہے "لا اجعل من خاض فی دماء المسلمین کمن لم یخض فیھا"

اس کے بعد مجدد علیہ الرحمہ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ایک ارشاد سے پیدا ہونے والے ایک شبہ کا جواب دیا ہے، اس شبہ اور اس کے جواب کا حاصل یہ ہے۔

"کہ حضرت امام اعظم رح نے ارشاد فرمایا ہے کہ اہل سنت وجماعت کی علامات میں سے شیخین کی افضلیت کا اعتقاد اور ختنین (حضرت عثمان وحضرت علیؓ) سے محبت رکھنا بھی ہے۔

بادی النظر میں اس سے شبہ ہوتا ہے کہ (حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) کے مراتب میں شاید کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"کہ جن لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے انہوں نے حضرت امام کے اس ارشاد کی روح اور اس کے محل کو نہیں سمجھا، اصل بات یہ ہے کہ اختلافات اور فتنے سوء اتفاق سے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ہی کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے بعض لوگوں کو ان بزرگوں کی طرف سے بدظنی اور کدورت پیدا ہوسکتی ہے۔ حضرت امام نے اس صورت حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ختنین (حضرت عثمان وحضرت علیؓ) کی صرف محبت ومودت کو شعار اہل سنت میں سے قرار دیا ہے۔ اور اس جگہ ان ہر دو بزرگوں کے باہمی فرق مراتب سے نفیاً یا اثباتاً کوئی بحث بلکہ اس کا کوئی لحاظ بھی نہیں ہے۔"

آخر میں حضرت مجدد فرماتے ہیں:

کیف وکتب الحنفیة مشحونة بانّ افضلیتھم علی ترتیب خلافتھم"

یعنی اور بھلا حضرت امام اعظم کے متعلق توقف یا عدم تفاضل ما بین حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ کا خیال کیونکر قائم کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ کتب حنفیہ اس تصریح سے بھری پڑی ہیں کہ ان کی افضلیت علی ترتیب خلافت ہے۔"

بایں ہمہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ حضرت عثمان کی افضلیت حضرت علی وغیرہ دیگر صحابہ کرام پر اس درجہ یقینی اور قطعی نہیں ہے جس درجہ کہ حضرات شیخین کی افضلیت جمیع صحابہ کرام پر۔ چنانچہ اسی مکتوب میں فرماتے ہیں:

بالجملہ افضلیت شیخین یقینی است و افضلیت حضرت عثمان دون اوست اما احوط آن است کہ منکر افضلیت حضرت عثمان را بلکہ افضلیت شیخین را نیز حکم بکفر نکنیم و مبتدع و ضال دانیم۔

الحاصل حضرات شیخین کی افضلیت یقینی ہے اور حضرت عثمانؓ کی افضلیت اس سے کم درجہ کی تاہم زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ افضلیت حضرت عثمان کے منکر (بلکہ حضرات شیخین کی افضلیت کے بھی منکر) کو کافر نہ کہا جائے ہاں ہم اس کو صاحب بدعت اور گمراہ جانیں گے۔

بعض "صلح کل" اور "رواداری" و "وسیع الخیالی" کے مدعی کہا کرتے ہیں کہ یہ تفضیل کی بحث ہی فضول اور لغو ہے۔ ہم تمام صحابہ کو برابر سمجھتے ہیں آج کل اس قسم کے "وسیع الخیالوں" کی بڑی کثرت ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ ایسوں کے متعلق اسی مکتوب شریف میں فرماتے ہیں:

وآنکہ ہمہ را برابر داند و فضل یکے بر دیگرے فضولی انگارد بوالفضول است عجب بوالفضولی کہ اجماع اہل حق را فضولی داند (مکتوب ۲۶۶ ص ۳۳۱ ج ۱)

اور جو شخص کہ سب کو برابر جانے اور ان کے باہمی تفاضل اور فرق مراتب کو فضول سمجھے وہ خود احمق اور بوالفضول ہے اور عجیب احمق کہ تمام اہل حق کے اجتماعی مسئلہ کو "فضول" کہتا ہے۔

مشاجرات صحابہ اور محاربین علی (رضی اللہ عنہم)

شیعہ صاحبان جن پہلوؤں سے عوام سنیوں کو ورغلایا کرتے ہیں اُن میں سے ایک مسئلہ صحابہ کرام کے اُن نزاعات اور محاربات کا ہے۔ جو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں واقع ہوئے، حضرت علی مرتضیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب اور دوہری قرابت پھر اُن کے فضائل وکمالات اور ان کی اسلامی خدمات، ان چیزوں کی وجہ سے ہر مسلمان کو جناب مرتضوی سے جو عقیدت ومحبت ہوسکتی ہے ظاہر ہے۔ چالاک شیعہ اسی راہ سے ناواقف اور عوام سنیوں کے دلوں میں اترتے ہیں، اور صحابہ کرام کے اجتہادی اختلاف ونزاعات اور مشاجرات ومحاربات کو اپنی حاشیہ آرائی کے ساتھ ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور یہ

ابتداءً ان کے سادہ ذہن میں یہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحابہ میں گویا دو "پارٹیاں" تھیں ایک "پارٹی" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اور دوسری "پارٹی" ان کے مخالفین کی اور یہ دوسری پارٹی حضرت علیؓ سے بس خلافت چھیننا چاہتی تھی اور جمل و صفین کی لڑائیاں اور دوسرے اختلافات سب اسی سلسلہ کے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام جو تفصیل واقعات اور اصل حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں اور اسی کے ساتھ ان کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سچی محبت اور سچی عقیدت ہوتی ہے وہ حضرت علی سے اختلاف کرنے والے صحابہ کرام یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت طلحہؓ۔ حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت معاویہؓ وغیرہ سیکڑوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدظن ہو جاتے ہیں، اور کبھی یہ بدظنی بغض و بدگوئی تک پہنچ جاتی ہے۔"

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس اصولی گمراہی کے انسداد کے لیے بھی پورا زورِ قلم صرف کیا اور بلا مبالغہ بیسیوں پچاسوں مکتوبات میں ان مشاجرات و محاربات کی صحیح نوعیت پر روشنی ڈالی ہے۔ چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

مکتوبات کے دوسرے دفتر میں حضرتؒ کا ایک طویل مکتوب (جو چودہ صفحہ پر ہے اور اس میں خصائص شیعہ اور شبہات شیعہ ہی پر بحث ہے) خواجہ محمد تقی کے نام ہے (یہ حکومت وقت کے اعلیٰ عہدہ دار تھے۔ جیسا کہ خود مکتوب کے ابتدائی حصہ سے معلوم ہوتا ہے) اس مکتوب میں صحابہ کرام کے اُن نزاعات اور مشاجرات کے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

اہلسنت شکر اللہ سعیہم مشاجرات و منازعات اصحاب خیر البشر را بر محامل نیک محمول میدارند وازہوا و تعصب دور میدانند، زیرا کہ نفوس ایشاں در صحبت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتحیات مزکی شدہ بود و سینہائے ایشاں از عداوت و کینہ پاک گشتہ غایت

اہلسنت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزاعات و اختلافات کو اچھے محامل پر محمول کرتے ہیں اور خواہش نفسانی و تعصب وغیرہ سے دور سمجھتے ہیں کیونکہ حضرات خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے اثر سے ان کے نفوس صاف ہو گئے تھے اور سینے عداوتوں اور کینوں سے قطعی پاک۔ بیش ازیں

ما فی الباب چوں ہر کدام را رائے واجتہاد
بودہ وہر مجتہد را عمل بموافق رائے
خود واجب بضرورت در بعض امور
بسبب مخالفت آراء مخالفت ومشاجرت
لازم گشت وہر یکے را تقلید رائے خود
صواب آمد پس مخالفت شان در رنگ
موافقت برائے حق بودہ نہ برائے ہواؤ
ہوس نفس امارہ ــــ

نیست کہ ان میں سے ہر ایک کی ایک رائے
تھی اور اپنا اپنا اجتہاد اور معلوم ہے کہ ہر مجتہد پر اپنے
اجتہاد اور صوابدید کے مطابق عمل کرنا واجب ہے
پس اختلاف آرا کی وجہ سے یہ مخالفت اور منازعت
ناگزیر ہوئی اور ہر ایک نے اپنی رائے کے مطابق
عمل کرنا ضروری سمجھا لہٰذا ان کی یہ مخالفت رائے
حق کی موافقت کے رنگ میں تھی نہ کہ نفس امارہ
کی خواہش سے۔

(مکتوب ۳۶ دفتر دوم ص۵۸)

پھر چند سطر کے بعد ارقام فرماتے ہیں:

محاربان جم غفیر اند از اہل اسلام واز اجلہ
اصحاب اند وبعضے از ایشاں مبشر بہ
جنت تکفیر وتشنیع ایشاں امر آساں
نیست کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم
قریباً نصف دین وشریعت را
نزدیک است کہ ایشاں تبلیغ کردہ
باشند اگر ایشاں مطعون باشند اعتماد
از شطر دین مے خیزد

جن لوگوں کے حضرت علی سے نزاعات ہوئے اور
جنگ وقتال تک نوبت پہنچی وہ اہل اسلام کی بہت
کثیر جماعت ہے اور ان میں سے بہت سے جلیل
القدر صحابی ہیں اور ان میں سے بعض تو وہ ہیں
جن کو دنیا ہی میں زبان نبوت سے جنت کی بشارت
مل چکی ہے ان کی تکفیر اور علیٰ ہذا ان کو برا بھلا کہنا
کوئی معمولی بات نہیں ہے ــ دین وشریعت
کا قریباً نصف حصہ ایسا ہوگا جو انہی کی وساطت
سے امت کو پہنچا ہے اگر وہ بھی مجروح ومطعون
ہو جائیں تو آدھا دین بے اعتبار ہو جائے۔

پھر اسی مکتوب میں چند سطر بعد فرماتے ہیں:

باید دانست لازم نیست کہ امیرؓ در جمیع
امور خلافیہ محق باشند ومخالف ایشاں

معلوم ہونا چاہیئے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام
اختلافی امور میں حضرت علیؓ ہی برسرحق اور ان

بر خطا ہر چند در امر محاربہ حق بجانب امیر بودہ زیرا کہ لیبا است کہ در احکام خلافیہ صدر اول علماء تابعین و ائمہ مجتہدین مذہب غیر امیر را اختیار کردہ اند و حکم بآں مذہب کردہ اگر حق بجانب امیر متعین بودے بخلاف آں حکم نہ کردے پس بر مخالفت امیر گنجائش اعتراض نباشد و مخالفاں مطعون و ملام نباشند؎

سے اختلاف کرنے والے ناحق پر۔ اگرچہ یہ مسلم ہے کہ ان جنگوں میں حق حضرت علی ہی کی طرف تھا لیکن پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر اختلافی معاملہ میں وہی برسر حق تھے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی جگہ قرن اول کے اختلافی مسائل میں علماء تابعین و ائمہ مجتہدین نے حضرت علیؓ کے مسلک کو چھوڑ کر دوسرا مسلک اختیار کیا ہے اور اسی کے مطابق حکم دیا ہے، حالانکہ اگر حق انہی کی جانب متعین ہوتا تو یہ حضرات ایسا نہ کرتے۔ پس صرف حضرت علی سے اختلاف کرنے کی بنا پر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے اور ان اختلاف کرنے والوں پر طعن و ملامت کرنا روا نہیں ہو سکتا۔

اسی دفتر کے مکتوب ۶۷ میں جو حضرتؒ نے خان جہاں کو لکھا ہے اور جو تمام ضروری عقائد اہل سنت پر حاوی ہے فرماتے ہیں،

محاربات و منازعات کہ درمیان اصحاب کرام علیہم الرضوان واقع شدہ اند مثل محاربہ جمل و صفین بر محامل نیک صرف باید نمود و از ہوا و تعصب دور باید داشت چہ نفوس ایں بزرگواراں در صحبت خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات و التسلیمات از ہوا و ہوس مزکی شدہ بودند و از حرص و کینہ پاک گشتند اگر مصالحت داشتند برائے حق داشتند و مشاجرت است برائے

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان جو باہمی جنگیں ہوئیں مثلاً جنگ جمل اور جنگ صفین ان سب کو اچھے محامل پر محمول کرنا اور خود غرضیوں و تعصبات سے دور رکھنا چاہیئے یہ اکابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی تاثیر سے ہوا و ہوس اور کینہ و حرص سے پاک صاف ہو گئے تھے۔ یہ اگر کسی سے مصالحت رکھتے تھے تو صرف حق کے لیے اور اگر کسی سے لڑتے جھگڑتے تھے تو صرف اللہ کے واسطے بلا شبہ ان میں سے ہر گروہ نے اپنے

حق است ہر گروہے بہ مقتضائے اجتہاد
خود عمل نمودہ اند و مخالف رابے شائبہ
تعصب...... از خود دفع کردہ اند ہر کہ
در اجتہاد خود مصیب است دو درجہ
و بہ قولے دہ درجہ ثواب دارد و آن کہ
مخطی یک درجہ ثواب اورا نقد وقت
است پس مخطی در رنگ مصیب از ملامت
دور است بلکہ امید درجہ از درجات ثواب
دارد و علماء فرمودہ اند کہ دراں محاربات
حق بجانب امیر بودہ است کرم اللہ
تعالیٰ وجہہ، و اجتہاد مخالفان از صواب
دور بودہ مع ذالک موارد طعن نیستند
و گنجائش ملامت ندارند چہ جائے آن
کہ نسبت کفر یا فسق کردہ شود، امیر کرم
اللہ وجہہ فرمودہ است برادران ما بما باغی
گشتند۔ ایشاں نہ کافر اند نہ فاسق.
زیرا کہ ایشاں را تاویل است کہ
منع کفر و فسق می نماید۔۔۔۔ حضرت پیغمبر
ما فرمودہ است علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ
والسلام ایاکم و ما شجر بین اصحابی
پس جمیع اصحاب پیغمبر را علیہ و علیہم الصلوات
والتسلیمات بزرگی باید داشت و ہمہ
را بنیکی یاد باید کرد۔ و در حق ہیچ

اجتہاد کے مطابق عمل کیا اور بغیر کسی تعصب اور خود
غرضانہ جذبہ کے دوسروں کو اپنے سے دفع کیا بس
ان کا حال یہ ہے کہ جس کا اجتہاد ان میں سے ٹھیک
تھا اس کو دو درجے اور ایک قول کے مطابق دس درجے
ثواب ملے گا اور جس سے اجتہاد میں غلطی ہوئی ایک
درجہ ثواب سے وہ بھی خالی نہیں رہے گا۔ بغرض جن
لوگوں سے اجتہاد میں غلطی ہوئی وہ اسی طرح طعن و
ملامت سے دور ہیں جس طرح کہ فریق ثانی۔ بلکہ جیسا
بتلایا گیا وہ بھی کم از کم ایک درجہ کے مستحق ہیں۔
۔۔۔ ہاں علماء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ ان جنگوں میں
حق حضرت علیؓ ہی کی طرف تھا۔ اور آپ کے مخالفین
سے اجتہاد میں غلطی ہوئی ۔۔۔ بایں ہمہ ان پر طعن
نہیں کیا جا سکتا اور نہ کسی ملامت ہی کی گنجائش
ہے۔ کجا یہ کہ کفر یا فسق کی ان کی طرف نسبت کی جائے
خود حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان کے حق
میں فرمایا ہے۔ یہ ہمارے بھائی ہیں ہم سے باغی
ہو گئے ہیں نہ وہ کافر ہیں نہ فاسق کیونکہ ان کا
یہ اختلاف تاویل پہ مبنی ہے جو کفر و فسق کے
لیے مانع ہے ۔۔۔ اور ہمارے پیغمبر صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم بچو میرے صحابہ
کے اختلاف میں دخل دینے سے۔ پس ہم کو
تمام اصحاب کرام کی تعظیم کرنا اور سب کو
اچھے لفظوں سے یاد کرنا چاہیئے اور ان میں

یکے ازیں بزرگواراں بد بناید بود و گمان بد بناید کرد........ و منازعت ایشان را بر از مصالحت دیگراں باید داشت طریق فلاح و نجات ایں است چہ دوستی اصحاب کرام بر واسطہ دوستی پیغمبر است علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات بزرگے فرماید:

"ما امن برسول اللہ من لم یوقر اصحابہ"

سے کسی کے حق میں بدگوئی اور بدگمانی نہ کرنی چاہئیے بلکہ اُن کے ان اختلافات کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر سمجھنا چاہئیے۔ نجات اور کامیابی کی یہی راہ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے واسطہ سے ہے۔ ایک بزرگ حضرت شیخ شبلی فرماتے ہیں کہ جس نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم نہیں کی۔ وہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں لایا۔ والعیاذ باللہ"

صحابہ کرام کے مشاجرات کے متعلق اس قسم کے مضامین مکتوبات شریف میں بکثرت ہیں۔ نبلا دینا ضروری ہے کہ حضرت مجدد علیہ رحمہ نے صرف اس اصولی بحث ہی پہ اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ جن صحابہ کرام کے حضرت علی مرتضیٰؓ سے نزاعات اور محاربات ہوئے ہیں ان کے فضائل و مناقب بھی آپ نے مکتوبات شریف میں بڑے اہتمام سے لکھے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی صحیح الایمان ان بزرگوں کی طرف سے کبھی بدگمان نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

حضرت علی مرتضی کے محاربین میں ایک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ ان محاربات ہی پہ کلام کرتے ہوئے ایک موقع پہ ارقام فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حبیبہ حبیب رب العالمین بودہ است و تا آخر عمر مقبولہ و منظورۂ او علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت عائشہ صدیقہؓ جو محبوب رب العالمین حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ اور آخر عمر حیات تک حضور کی منظور نظر رہیں اور جن کے حجرہ

بودہ و حضرت پیغمبر مرض موت را بحجرۂ او
بسر بردہ و در کنار او جان دادہ و در حجرۂ
مطہرہ او مدفون گشتہ مع ذلک الشرف
حضرت صدیقہ عالمہ و مجتہدہ بودہ است
و پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بیان
شطر دین را باو حوالہ داشتند و اصحاب کرام
در مشکلات احکام رجوع بوے می نمودند
و حل مغلقات از وے در می یافتند ایں
چنیں صدیقہ مجتہدہ را بواسطہ مخالفت حضرت
امیر مطعون ساختن و اشیائے ناشائستہ
را بوے منتسب نمودن بسیار نامناسب
است و دور از ایمان بہ پیغمبر است علیہ
وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام امیر اگر داماد حضرت
پیغمبر است و پسر عم است۔ حضرت صدیقہ
زوجہ مطہرہ اوست علیہ و علیٰ جمیع اہل بیتہ
الصلوٰۃ والسلام و حبیبۂ مقبولۂ او علیہ و علیٰ
آلہ الصلوٰۃ والسلام پیشیں ازیں بچند سال
داب فقیر آں بودہ کہ اگر طعامے می پخت مخصوص
بروحانیات مطہرہ اہل عبا می ساخت و بآں
سرور حضرت امیرؓ و حضرت فاطمہ و حضرات
امامینؓ را ضم میکرد علیہم الصلوات والتسلیمات
شبے در خواب می بیند کہ آں سرور حاضر است
علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فقیر بایشاں عرض

مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات
طیبہ کے آخری دن گذارے اور آخر کار جن کے آغوش
میں حضرت نے ملا اعلیٰ کو رحلت فرمائی اور وہ
انہیں کے حجرہ مقدسہ میں آپ آج تک آرام فرما
ہیں اور پھر علاوہ ان تمام چند در چند فضائل و
خصائص کے علم و اجتہاد میں بھی ان کا پایہ
نہایت بلند تھا اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ
علیہ وسلم نے نصف دین کی تبلیغ و اشاعت ان کے
کے سپرد کی تھی اور صحابہ کرام مشکل معاملات اور
اہم مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان
ہی سے ناقابل حل گتھیاں حل کراتے تھے ـــــ
پس ایسی صدیقہ مطہرہ کو صرف حضرت علی مرتضیٰؓ
سے اختلاف کرنے کی وجہ سے مطعون کرنا اور
ناسزا باتیں ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب
اور ایمان سے دور ہے

ہر گزم باور نمی آید ز روئے اعتقاد
ایں ہمہ ہا کردن و دین پیمبرؐ داشتن

حضرت علیؓ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
داماد اور آپ کے چچازاد بھائی ہیں تو حضرت
صدیقہؓ آپ کی زوجہ مطہرہ اور محبوب ترین شریک
زندگی ہیں۔ اب سے چند سال پہلے فقیر کا یہ
طریقہ تھا کہ اگر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے
ایصال ثواب کے لیے کھانا پکاتا تو حضور صلعم

سلام میکنند متوجہ فقیر نمی شوند و رو بجانب دیگر دارند دریں اثناء بفقیر فرمودند کہ من طعام در خانہ عائشہؓ می خورم ہر کہ مرا طعام فرستد بخانہ عائشہؓ فرستد ایں زمان فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشاں آن بودہ کہ فقیر حضرت صدیقہ را دران طعام شریک نمی ساخت بعد ازاں حضرت صدیقہ را بلکہ سائر ازواج مطہرات را کہ ہماں اہل بیت اند شریک می ساخت و بجمیع اہل بیت توسل می نمود پس آزار و ایذا کہ بحضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام از راہ حضرت صدیقہ برسد زیادہ ازاں آزار و ایذا است کہ از راہ حضرت امیرؓ برسد بر عقلائے صاحب انصاف ایں معنی مخفی نیست۔

(مکتوب ۳۶ دفتر دوم ص ۵۹-۶۰)

کے ساتھ آپ کی جگر گوشہ حضرت فاطمہؓ زہرا اور حضرت علی اور حضرت حسنین کو شامل کیا کرتا تھا ایک روز خواب میں دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ میں سلام عرض کرتا ہوں اور آپ فقیر کی طرف توجہ نہیں فرماتے اور رُخ مبارک دوسری طرف کیے ہوئے ہیں۔ پھر اسی اثناء میں فقیر سے فرمایا کہ میں عائشہ کے گھر کھانا کھاتا ہوں۔ جو مجھے کھلانا چاہے وہ عائشہ کے گھر بھیجے (اللہ اکبر) اس وقت فقیر کو معلوم ہوا کہ حضرت کی عدم توجہی کا باعث یہ ہے کہ میں حضرت صدیقہ کو ایصال ثواب میں شریک نہیں کرتا تھا اس کے بعد سے تو میں نہ صرف صدیقہؓ طاہرہ بلکہ باقی تمام ازواج مطہرات کو بھی انہیں سب ہی اہل بیت میں شریک کرنے لگا ہوں اور سب سے توسل کرنے لگا ——— الحاصل حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکلیف حضرت علی مرتضیٰؓ کی شان میں گستاخی سے پہنچتی ہے اس سے کہیں زیادہ اذیت حضرت صدیقہ طاہرہؓ کے متعلق بیہودہ گوئی سے ہوتی ہے اور ہر صاحب عقل و انصاف اس فرق کو سمجھ سکتا ہے۔

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما

جن صحابہ کرام سے حضرت علی مرتضیٰؓ کی محاربات ہوئے ان میں حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بھی ہیں ان دونوں حضرات کے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمہ اسی مکتوب میں

ارقام فرماتے ہیں:

طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما از کبار اصحاب
اند و در عشرہ مبشرہ بحث طعن و تشنیع
الشان نامناسب است و لعن و طرد
الشان عاید بہ لاعن و طارد ہماں طلحہؓ و
زبیرؓ اند کہ حضرت فاروق خلافت را
بعد از خود در میان شش نفر شوریٰ
گذاشت و طلحہؓ و زبیر را داخل آنہا ساخت
و بر ترجیح یکے بر دیگرے دلیل واضح نیافت
و طلحہؓ و زبیر باختیار خود نصیب خلافت
را گذاشتند و ہر یکے ترکت خطی گفتہ و
ہمان طلحہ است کہ پدر خود را بواسطہ سوء
ادب کہ نسبت بآں سرور علیہ و علیٰ آلہ
الصلوٰۃ والسلام از وے بوجود آمدہ بود کشتہ
است و سر او را در ملازمت آں سرور آوردہ
بود و در قرآن مجید۔ ثنائی او بریں فعل
آمدہ و ہماں زبیر کہ مخبر صادق علیہ و علیٰ
آلہ الصلوٰۃ والسلام قاتل او را وعید
بدوزخ فرمودہ حیث قال علیہ و
علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام قاتل زبیر
فی النار۔ طاعن و لاعن زبیر از قاتل او
ہیچ کمی ندارد فالحذر فالحذر ثم الحذر
الحذر ثم الحذر الحذر از عن طعن

حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابہ کرام
میں سے ہیں اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اُن پر
کسی قسم کا طعن روا نہیں اور اگر کوئی بدنصیب ان
بزرگ ہستیوں پر لعنت و ملامت کرے تو اس کی یہ
لعنت و ملامت خود اس پر لوٹے گی یہ وہی طلحہ اور
زبیرؓ ہیں کہ جن کو حضرت فاروق اعظم نے ان چھ آدمیوں
میں داخل کیا تھا جن کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ اپنے میں
سے میرے بعد کسی ایک کو خلیفہ منتخب کریں ان
دونوں حضرات نے باختیار خود اپنے نام واپس لے
لیے اور صاف کہہ دیا "تترکت خطی" یعنی ہم خلافت
نہیں چاہتے اور یہی وہی تو طلحہؓ ہیں جنہوں نے اپنے
سگے باپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں
بے ادبی کی وجہ سے قتل کر دیا تھا اور اس کا سر حضورؐ
کے قدموں میں لا کر ڈال دیا اور قرآن مجید میں اُن
کے اس فعل پر تحسین و آفرین کی آیت نازل ہوئی
—— اور یہ زبیر وہی زبیر ہیں کہ مخبر صادق
علیہ السلام نے اُن کے قاتل ہونے کی وعید کی
تھی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قاتل زبیر
فی النار (یعنی زبیر کا قاتل جہنم میں جائے گا۔ میں کہتا ہوں
کہ حضرت زبیر پر لعن طعن کرنے والے بھی اس کے
قاتل سے کم نہیں ہیں۔ اور ان کے لیے بھی عذاب
نار مقرر ہے) پس خبردار خبردار بچو بچو ان حضرات

اکابر الدین و ذوی کبراء الاقوام الذین
بذلوا جهدهم فی اعلاء کلمة الاسلام
ونصرة سید الانام وانفقوا
اموالهم لتائید الدین باللیل و
النهار وفی السر والجهار وترکوا لحب
الرسول عشائرهم وقبائلهم و
اولادهم وازواجهم واوطانهم
ومساکنهم وعیونهم وزروعهم
واشجارهم وانهارهم واثر
وا نفس الرسول علیه وعلیهم
الصلوٰة والسلام علی انفسهم
واختار ومحبته علی محبتهم و
محبة اموالهم وذریاتهم
وهم الذین نالوا شرف الصحبة
وفازوا فی محبته ببرکات النبوة
وشاهدوا الوحی وشرفوا الحضور
الملك وراوا الخوارق والمعجزات
حتی صار غیبهم شهادة
وعلمهم عینا واعطوا من
الیقین ما لا یعطی لاحد من
بعدهم حتی لا یبلغ انفاق غیرهم
مثل احد ذهبًا مبلغ انفاق
مد شعیرهم ولا نصیفه وهم الذین

اکابر دین اور اسلام کے بیلوثے مایہ ناز فرزندوں کی بدگوئی
سے بچو جنہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اپنی کوششیں
ختم کر دیں اور حضرت سید عالم صلعم کی نصرت و حفاظت
اور دین الہٰی کی تائید و حمایت کے لیے اپنی جان
و مال کی بازی لگا دی اور رات دن خفیہ و علانیہ
اس مقصد کے لیے سرگرم عمل اور ساعی رہے اور
انہوں نے صرف رسول اللہ صلعم کی محبت کی خاطر
اپنے کنبوں قبیلوں اپنے دل کے ٹکڑوں لڑکوں
اور لڑکیوں ۔ بیویوں اور دوسرے رشتہ داروں
کو چھوڑ دیا اور اپنے وطنوں اور گھروں کو اور
اپنے چشموں اور کھیتوں اور نہروں اور باغوں کو
خیر باد کہہ دیا اور سخت اور خطرناک موقعوں پر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو اپنی جانوں سے
زیادہ عزیز سمجھا اور اپنی محبت اپنے مال و
اولاد کی محبت کے مقابلہ میں حضور کی محبت کو ترجیح
دی وہ وہ ہیں کہ ان کو صحبت نبوی کا شرف حاصل
ہوا اور برکات نبوت ان کے حصہ میں آئے انہوں
نے وحی کو آتے دیکھا فرشتوں کی حاضری سے مشرف
ہوئے اپنی آنکھوں سے انہوں نے حضور کے
معجزات اور آپ کی روشن نشانیاں دیکھیں
تا کہ جو غیب تھا وہ ان کے لیے شہادت
ہو گیا ۔ اور جو علم الیقین تھا وہ عین الیقین سے بدل
گیا اور ان کو ایمان و ایقان کا درجہ حاصل ہوا جو

اثنی اللہ تعالیٰ علیھم فی القرآن المجید ورضی عنھم ورضوا عنہ ذالک مثلھم فی التورٰۃ و مثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطأہٗ فاٰزرہٗ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار سمی اللہ تعالیٰ غاسظھم کفارا فلیحذر عن غیظھم کما یحذر عن الکفر واللہ سبحانہ الموفق۔

جماعت کہ ایں چنیں نسبت را بآں سرور علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات درست کردہ باشند و مقبول و منظور او علیہ وعلیہم الصلوٰت والتحیات گشتہ اگر در بعض امور با یکدیگر مخالفت کنند و مشاجرت نمایند و برائے و اجتہاد خود عمل فرمایند مجال طعن و اعتراض نیست بلکہ حق و صواب درآں موطن اختلاف است و عدم تقلید رائے غیر خود است

ان کے بعد کسی کو نہیں حاصل ہو سکتا حتیٰ کہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر آئندہ آنے والا کوئی مسلمان اور پہاڑ کی برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ میرے صحابہ کے ایک مُد بلکہ آدھے سیر جو کی برابر بھی نہیں اور رہاں یہ قدوسیوں کی وہی جماعت ہے جن کی تعریف حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نازل کی اور اعلان کر دیا کہ میں ان سے راضی ہوں اور وہ مجھ سے راضی ہیں اور دوسرے موقعہ پر فرمایا کہ یہ ان کا حال لکھا جا چکا ہے توراۃ میں اور ان کی مثال انجیل میں یہ ہے کہ وہ کھیتی کی طرح ہیں کہ نکالا اس اس کا اکھوا پھر اس میں طاقت آئی پھر موٹی ہو گئی یہاں تک کہ وہ اپنے تنہ پر سیدھی کھڑی ہو گئی جس کو دیکھ کر کاشتکاروں کی خوشی ہوتی ہے یہ اس لیے کہ جلیں اون کی وجہ سے کفار پس اللہ تعالیٰ نے ان سے جلن اور عداوت رکھنے والوں کو کافر قرار دیا ہے لہٰذا اون کے بغض و عداوت سے ایسا ہی پرہیز کرنا چاہیئے جیسا کہ کفر سے کیا جاتا ہے جو جماعت اس مرتبہ کی ہو اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نسبت حاصل ہو اگر بعض معاملات میں اس کے افراد میں اجتہادی اختلاف ہو جائے اور نوبت نزاع تک پہنچے اور ہر ایک اپنی رائے اور اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرے تو اس میں کسی کو طعن و اعتراض کی گنجائش نہیں بلکہ حق و صواب اس موقع پر اختلاف ہی ہے کیونکہ صاحب اجتہاد دوسرے کے اجتہاد پر عمل نہیں کر سکتا۔

حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جن صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے حضرت علی مرتضیٰ رضی سے اختلافات ہوئے اور جنگ و قتال کی نوبت آئی ان میں سے ایک حضرت معاویہ بھی ہیں اور چونکہ حضرت علی مرتضےٰ سے ان کی جنگ دیر تک رہی اور خلافت و امارت ان کے خاندان میں بہت دنوں تک رہی اس لیے ان کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ حضرت عائشہ و حضرت طلحہ رض و زبیر رض کی بہ نسبت بہت زیادہ کیا گیا اسی کا اثر ہے کہ بہت سے اپنے کو سنّی کہنے اور سمجھنے والے بھی اگرچہ حضرت صدیقہ رض اور حضرت طلحہ رض و زبیر رض سے کسی قسم کا سوء ظن نہیں رکھتے لیکن حضرت امیر معاویہ کی طرف سے بدگمانی رکھتے ہیں اور ان کی شان میں بے ادبی کی جرأت کر جاتے ہیں حالانکہ یہ بھی رفض کا ایک شعبہ ہے، اس لیے حضرت مجدّد علیہ الرحمہ نے حضرت معاویہ کے فضائل و مناقب کی نشر و اشاعت اور ان کی پوزیشن صاف کرنے کی طرف بھی خاص توجہ مبذول فرمائی ہے۔ چند اقتباس ملاحظہ ہوں، دفتر اوّل کا مکتوب نمبری ۲۵۱ جو خواجہ محمد اشرف کے نام ہے جو اسی قسم کے مباحث سے بھرا ہوا ہے اور جس کے بعض اقتباسات تفضیل شیخین کے عنوان کے ذیل میں گذر بھی چکے ہیں اسی میں حضرت امیر معاویہ کے بارہ میں ارقام فرماتے ہیں:۔

شیخ ابو شکور سلمی در تمہید تصریح کردہ کہ اہل سنت و جماعت بر آنند کہ معاویہ رض با جمعے از اصحاب کہ ہمراہ او بودند بر خطا بودند و خطائے ایشاں اجتہادی بود، و شیخ ابن حجر در صواعق گفتہ کہ منازعت معاویہ رض با امیر رض از روئے اجتہاد بودہ و ایں قول را از معتقدات اہلسنت فرمودہ۔	شیخ ابو شکور سلمی نے اپنی کتاب "تمہید" میں تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہ رض اور صحابہ کرام میں سے ان کے وہ رفقاء جو جنگ میں ان کے ساتھ تھے اگرچہ خطا پر تھے لیکن ان کی یہ خطا اجتہادی تھی اور ابن حجر رض نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ حضرت علی رض سے حضرت معاویہ رض کا نزاع اجتہاد پر مبنی تھا اور اس کو انہوں نے اہلسنت کے عقائد میں شمار کیا ہے۔

اس کے بعد شارح مواقف کی ایک "موہم" عبارت پر تنبیہ اور ان کی غلطی کی اصلاح

فرمانے کے بعد ارقام فرماتے ہیں :۔

قد صح انہ کان اماماً عادلاً فی حقوق اللہ سبحانہ و فی حقوق المسلمین۔

یہ بات صحت کے ساتھ معلوم ہے اور پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت معاویہؓ حقوق اللہ اور حقوق المسلمین دونوں کے پورا کرنے میں خلیفۂ عادل تھے۔

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں :۔

ودر احادیث نبوی باسناد ثقات آمدہ کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام در حق معاویہ دعا کردہ اند اللّٰھم علمہ الکتاب والحساب وقہ العذاب وجائے دیگر در دعا فرمودہ اند اللھم اجعلہ ھادیاً ۔۔ مہدیاً ودعائے آنحضرت صلعم مقبول۔

اور احادیث نبویہ میں ثقہ راویوں کی سند سے وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب معاویہؓ کے حق میں دعا فرمائی کہ "اے اللہ اس کو کتاب و حساب کا علم دے اور عذاب سے بچا اور ایک اور موقع پر حضرت نے انہیں کے لیے دعا فرمائی کہ خداوندا اس کو ہادی مہدی بنا" اور حضورؐ کی دعا بلاریب مقبول ہے۔

پھر چند سطر کے بعد فرماتے ہیں :۔

و امام مالک رح کہ از تابعین است و اعلم علماء مدینہ شاتم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمرو بن العاص را بقتل حکم کردہ است و ایضاً شتم او را در رنگ شتم ابی بکر و عمر و عثمان ساختہ است اے برادر معاویہ تنہا دریں معاملہ نیست نصفے از اصحاب کرام دریں معاملہ با دے شریک اند پس محاربان امیر اگر کفرہ یا فسقہ باشند اعتماد از شطر دین می خیزد کہ از راہ تبلیغ ایشاں بما رسیدہ است و تجویز نکند ایں معنی را مگر زندیقے کہ مقصودش ابطال دین است۔

اور امام مالک جو تابعین میں سے ہیں (؟) اور اپنے زمانہ میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم تھے ان کا فتویٰ ہے کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے رفیق عمرو بن العاص کو گالی دینے والا واجب القتل ہے اور نیز امام مالک نے حضرت معاویہ کی گالی کو حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ و حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی گالی کے حکم میں قرار دیا ہے (یعنی ان کے نزدیک ان دونوں جرموں کی سزا قتل ہے اے بھائی یہ معاملہ تنہا امیر معاویہؓ کا نہیں ہے قریباً نصف صحابہ کرام ان کے ساتھ اس معاملہ میں شریک ہیں پس اگر حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والوں کو کافر یا فاسق کہا جائے تو آدھے دین سے ہاتھ دھونا پڑے گا جو انہی حضرات کی نقل د

پھر چند سطر کے بعد ارقام فرماتے ہیں۔ امام غزالی تصریح کردہ کہ آن منازعت برامر خلافت نبودہ بلکہ در استیفاء قصاص در بدء خلافت حضرت امیرؓ شیخ ابن حجرؒ نیز ایں معنیٰ را از معتقدات اہلسنت گفتہ است۔"

روایت سے ہم تک پہنچا ہے اور اس انجام سے کوئی ایسا زندیق اور ملحد ہی راضی ہو سکتا ہے جس کا مقصد ہی دین کو برباد کرنا ہو۔ امام غزالیؒ نے تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہؓ کی وہ جنگ خلافت کے بارے میں نہیں تھی بلکہ اس کا تعلق بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص ہی سے تھا اور شیخ ابن حجرؒ نے بھی اس کو اہلسنت کے عقائد سے لکھا ہے۔

پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں:۔

اے برادر طریق اسلم دریں موطن سکوت از ذکر مشاجرات اصحاب پیغمبر است علیہ و علیہم الصلوٰت والتسلیمات و اعراض از تذکرہ منازعات ایشاں پیغمبر فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایاکم وماشجر بین اصحابی نیز فرمودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضًا۔ (مکتوب ۲۵۱ ص ۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴ دفتر اول)

اے برادر اس بارہ میں سلامتی کی راہ اور نجات کا راستہ یہی ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات و محاربات کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے اور زبان کھولی ہی نہ جائے رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے میرے صحابہ میں جو نزاعات ہوں ان سے الگ تھلگ رہو نیز حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "میرے اصحاب کے بارے میں خدا کا خوف کرو اس کے مواخذہ سے ڈرو اور ان کو اپنی تیز کلامی اور بدگوئی کا نشانہ نہ بناؤ۔"

شرف صحبت:

شیعہ اور اہلسنت کے نقطہائے نظر میں ایک اصولی اختلاف یہ بھی ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک "صحبت رسول" کی کوئی خاص اہمیت نہیں، جمہور صحابہؓ کو تو معاذ اللہ وہ مومن ہی تسلیم نہیں کرتے اور جن تین چار حضرات (حضرت مقدادؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، زید بن ارقمؓ) کے ایمان کے وہ قائل ہیں اور ان کی جو تعظیم و توقیر وہ کرتے ہیں تو وہ بھی اس لحاظ سے نہیں کہ وہ "اصحاب رسول" ہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ وہ ان کے نزدیک حضرت علی

مرتضیٰ کی "پارٹی" میں شامل اور ان کے ناصر و مددگار تھے بہر حال نفس صحبت رسول کی ان کے نزدیک کوئی خاص وقعت نہیں اور یہ حقیقت ہے کہ صحبت رسالت کی حقیقی عظمت اگر کسی کے دل میں قائم ہو جائے اور اس کے واقعی فضل و شرف کو وہ سمجھ لے تو کبھی تشیع کا شکار نہیں ہو سکتا اس لیے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے مکتوبات میں اس اصول پر بھی بہت زیادہ زور قلم صرف کیا ہے دفتر اول کے مکتوب ع ۲۵۱ میں فرماتے ہیں :-

بدانند کہ اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہمہ بزرگ اند وہمہ را بہ بزرگی یاد باید کرد خطیب از انس روایت کند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ۔ اللہ اختارنی واختار لی اصحابا و اختار لی منھم اصھارا وانصارا فمن حفظنی فیھم حفظہ اللہ ومن اذانی فیہ ماذاہ اللہ۔ وطبرانی از ابن عباس روایت رسول فرمودہ علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام من سب اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین۔

وابن عدی از عائشہ رض روایت کند رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ رسول فرمودہ علی آلہ الصلوٰۃ والسلام ان شرار امتی اجرأھم علی اصحابی

جاننا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام واجب التعظیم ہیں اور ہم کو چاہیئے کہ ان سب کو عزت و عظمت کے ساتھ یاد کریں خطیب حضرت انس رض سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق میں سے مجھے چنا اور پھر میرے لیے اصحاب منتخب کیے اور ان میں سے میرے رشتہ داروں اور مددگاروں کا انتخاب کیا پس جس نے ان کے بارے میں میرے حق کی رعایت کی اس کی اللہ تعالیٰ رعایت کرے گا اور جس نے ان کے بارے میں میرا دل دکھایا اللہ اس کو ایذا پہنچائے گا اور طبرانی ابن عباس سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سارے آدمیوں کی لعنت اور ابن عدی نے حضرت عائشہ رض سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں بدترین وہ ہیں جو میرے اصحاب کے بارے میں زیادہ بے باک ہیں"

نیز اسی دفتر کے مکتوب ۵۹ میں ارقام فرماتے ہیں :۔

وفضیلۃ الصحبۃ فوق جمیع الفضائل والکمالات ولہذا لم یبلغ اویس القرنی الذی ہو خیر التابعین مرتبۃ ادنی من صحبہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام فلا تعدل بفضیلۃ الصحبۃ شیئًا کائنًا ما کان فان ایمانہم ببرکۃ الصحبۃ ونزول الوحی یصیر شہودیا۔

(دفتر اول ص۶۵)

اور صحبت نبوی کی فضیلت تمام دوسرے فضائل کمالات سے اعلیٰ و بالا ہے اور اسی واسطے وہ اویس قرنی جو بلا شبہ تابعین میں افضل ترین ہیں کسی ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکے پس کسی چیز کو بھی صحابیت کی فضیلت کے ہم پلہ نہ ٹھیراؤ کیونکہ ان کا ایمان تو صحبت نبوی کی برکت اور نزول وحی کے مشاہدہ کی وجہ سے شہودی ہو گیا ہے۔

اور اس سے پہلے مکتوب میں فرمایا :۔

سئل عبد اللہ بن المبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایہما افضل معاویۃ ام عمر بن عبد العزیز فقال الغبار الذی دخل انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر من عمر بن عبد العزیز کذا مرۃ ص۶۳

حضرت عبد اللہ بن المبارک رضؓ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ میں سے کون افضل ہے؟ ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں معاویہ جس گھوڑے پر سوار ہوئے اس کی ناک میں جو غبار پہنچا وہ بھی عمر بن عبد العزیز سے بدرجہا بہتر ہے۔

نیز اسی دفتر کے مکتوب ۱۲۰ میں ارقام فرماتے ہیں

لا تعدل الصحبۃ شیئًا ایا ما کان الا تری ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبارک فضلوا بالصحبۃ علی من عداہم سوی الانبیاء علیہم السلام وان کان اویسا قرنیا وعمرا مروانیا مع بلوغہما نہایۃ الدرجات ووصولہما غایۃ الکمالات سوی الصحبۃ ذ جرم صار خطأ معاویۃ خیرا من صوابہما ببرکۃ الصحبۃ

صحبت کی برابری کسی بھی چیز کو نہ ٹھہراؤ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام صحبت ہی کی وجہ سے ماسوا انبیاء کے اور سب پر فوقیت لے گئے اور اویس قرنی اور عمر بن عبد العزیز مروانی جیسے جلیل القدر حضرات سے بھی افضل ٹھہرے حتی کہ صحبت نبوی ہی کی برکت سے امیر معاویہؓ کی غلط رائے اور عمرو بن العاص کی بھول چوک اویس قرنی اور عمر مروانی کی صوابدید

وسهو عمرو بن العاص افضل من صوابهما لما	اور صحیح رائے سے افضل ہوئی کیونکہ ان بزرگوں کا ایمان
ان ایمان هؤلاء الکبراء صار بالصحبة	شرف صحبت، و دیدار حضرت رسالت اور معائنہ وحی و
شهودیا برویة الرسول وحضور الملك وشهود	ملائک اور مشاہدہ معجزات و خوارق کی وجہ سے شہودی
الوحی ومعاینة المعجزات وما اتفق لمن عداهم	ہو گیا اور بعد والوں نے جس کو صرف سنا اس کو انہوں نے
هذه الکمالات التی هی اصول سائر الکمالات	گویا اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بھلا دوسروں کو یہ چیزیں
کلها ولو علم اویس فضیلة الصحبة بهذه	جو تمام فضائل و کمالات کی اصل و بنیاد ہیں کہاں نصیب
الخاصیة لم یمنعه مانع من الصحبة وما	ہوئیں اور اگر حضرت اویس قرنی کو صحبت کی فضیلت
آثر شیئا من الاشیاء علی هذه الفضیلة	ان خواص و برکات کے ساتھ معلوم ہو جاتی تو وہ اس
والله یختص برحمته من یشاء والله	کے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی ترجیح نہ دیتے اور پھر ان کو
ذو الفضل العظیم ؕ	کوئی ضرورت بھی حاضری بارگاہ نبوت سے نہ روک سکتی
سکندر را نمی بخشند آبے	لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے
بزور و زر میسر نیست این کار	اور وہ بڑے فضل و کرم والا ہے ؎
	سکندر کو نہیں دیتے ہیں پانی
	نہیں ملتی بزور و زر یہ دولت
اللهم وان لم تخلفنا فی هذه النشأة	اے اللہ! اگرچہ تو نے ہم کو اس مقدس عہد میں پیدا
فی قرن هؤلاء الاکابر فاجعلنا فی النشأة	نہیں کیا مگر آخرت میں ان کی جماعت اور ان کے
الآخرة محشورین فی زمرتهم بحرمة	گروہ میں ہمارا حشر ضرور فرما بطفیل اپنے حبیب
سید المرسلین علیه وعلیهم	سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے۔
الصلوات والتحیات والتسلیمات''	
(دفتر اول ص۱۳۸)	

• صحبت نبوی کی فضیلت و اہمیت کے متعلق اس قسم کے ایمان افروز مضامین میں مکتوبات شریف میں بکثرت ہیں جن کے مطالعہ کے بعد کوئی شخص رفض کی گمراہی کا شکار ان شاء اللہ کبھی نہیں ہو سکتا یہاں ہم حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی مذکورہ بالا دعاء پر آمین کہتے ہوئے بقصد اختصار انہی چند اقتباسات پر اکتفا کرتے ہیں۔

سارے مطاعن کا ایک اصولی جواب

شیعوں کے پاس گمراہ کرنے کا سب سے بڑا حربہ "مطاعن" ہیں اور مکالمات و مباحثات میں بھی دیکھا گیا کہ وہ جب کسی بحث میں عاجز آتے اور میدان کلام کو اپنے لیے تنگ پاتے ہیں تو فوراً مطاعن صحابہ پر آجاتے ہیں اور اسی بحث کو وہ اپنا سب سے بڑا ہتھیار سمجھتے ہیں صحابہ کرام کی طرف سے بدگمانی اور ان سے بغض و عداوت رفض کی اصل و اساس ہے اور اس گمراہی میں دوسروں کو بھی شریک کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ بھی "مطاعن" کی اشاعت ہے اس لیے "مطاعن" کے جوابات کی طرف بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے خاص توجہ مبذول فرمائی اور شیعوں کے ان مشہور "مطاعن" کے مفصل جوابات جن کو شیعہ بہت زیادہ اچھالتے ہیں آپ نے اپنے رسالہ "رد روافض" کے علاوہ متعدد مکاتیب میں بھی سپرد قلم فرمائے ہیں۔ ان تفصیلی جوابات کے علاوہ آپ نے تمام مطاعن کا ایک اصولی جواب بھی دیا ہے جس کو ملحوظ رکھنے کے بعد اس سلسلہ کی ساری بحثیں کافور ہوجاتی ہیں اور یقین واثق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مصنفین شیعہ نے اس باب میں جو دفتر کے دفتر سیاہ کیے ہیں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا یہی ایک اصولی جواب اون سب کو خاکستر کر دینے کے لیے کافی ہے۔

دفتر دوم کے مکتوب ۹۶ میں واقعہ قرطاس پر کلام کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں :۔

بداں ارشدک اللہ تعالیٰ وہداک سواء الصراط ایں شبہ و امثال ایں شبہ را کہ جمعے بر حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و بر سا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایراد مے نمایند و باین تشکیکات رد ایشاں میخواہند اگر بر سر انصاف بیایند و شرف صحبت خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام قبول نمایند و بدانند کہ نفوس ایشاں در صحبت خیر البشر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام از ہوا و ہوس مزکی شدہ	حق تعالیٰ تم کو ہدایت دے اور سیدھے راستہ پر چلائے تم کو معلوم ہونا چاہئیے کہ یہ شبہ اور اس جیسے اور شبہات جن کو فرقہ شیعہ کے لوگ حضرات خلفاء ثلثہ اور دیگر تمام صحابہ کرامؓ پر وارد کرتے ہیں اور ان شکوک و اعتراضات سے ان کو مجروح و مطعون کرنا چاہتے اگر یہ کچھ انصاف سے کام لیں اور حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی فضیلت و اہمیت کو قبول کرلیں اور جان لیں کہ حضور کی صحبت میں رہ کر ان کے نفوس ہوا و ہوس سے صاف اور ان کے سینے کینوں اور کدورتوں سے پاک ہو

بودند سینہ ہائے ایشاں از عداوت و
کینہ پاک گشتہ و دانند کہ ایشاں اند
اکابر دین و کبرائے اسلام کہ بذل نمودہ اند
طاقتہائے خود را در اعلاء کلمہ اسلام از
برائے تائید دین متین در لیل و نہار و در
سر و جہار و گذاشتہ اند عشائر و قبائل
خود را و اولاد و ازواج خود او اوطان
و مساکن خود را و عیون و زروئے خود را و
اشجار و انہار خود را از جہت محبت رسول
علیہ و علیہم الصلوٰت و التسلیمات ایثار نمودہ
اند نفس رسول را بر نفوس خویش اختیار کردہ
اند محبت رسول را بر محبت خویش و بر محبت ذریات
و اموال خویش، و البتانند مشاہدان وحی و
ملک ببینند ہائے معجزات و خوارق تا آنکہ
غیب ایشاں شہادت گذشتہ است و علم
شان عین شدہ ھم الذین اثنی اللہ علیہم فی
القرآن المجید رضی اللہ عنھم و رضوا
عنہ ذالک مثلھم فی التوراۃ و مثلھم
فی الانجیل۔ ہرگاہ جمیع اصحاب کرام
دریں کرامات شریک باشند از اکابر
صحابہ کہ خلفائے راشدین باشند از
بزرگیہائے ایشاں چہ وانماید۔

گئے تھے اور سمجھ لیں کہ یہ وہ بزرگان دین اور عظمائے اسلام
ہیں جنہوں نے دن اور رات خفیہ اور علانیہ غرض ہر وقت
اور ہر طرح دین متین کی تائید و حمایت اور اعلاء کلمۃ اسلام
کیلیے اپنی تمام کوششیں اور طاقتیں صرف کر دیں اور حضور
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے
کنبے قبیلوں، اپنے بال بچوں، اپنی چہیتی بیویوں کو چھوڑ دیا
اپنے عزیز وطنوں اپنے آباد گھروں کو، اپنے چشموں اور
کھیتوں کو اپنے درختوں اور اپنی نہروں کو ہمیشہ کیلیے خیرباد
کہہ دیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس
مقدس کو اپنے نفوس پر ترجیح دی اور حضور کی محبت کو
اپنی اور اپنے اموال و اولاد کی محبت پر مقدم رکھا انہوں
نے وحی کو اترتے اور فرشتوں کو آتے دیکھا حضور کے
معجزات اور آپ کی روشن نشانیوں کا انہوں نے بچشم خود
مشاہدہ کیا یہاں تک کہ "غیب" ان کے حق "شہادت" بن
گیا اور ان کا علم الیقین عین الیقین سے بدل گیا وہی
وہ خوش نصیب ہیں جن کی مدح و ثنا حق تعالیٰ نے قرآن مجید
میں نازل فرمائی اور اعلان فرمایا کہ "اللہ ان سے راضی
ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں" اور دوسری جگہ فرمایا کہ یہ
حال مسطور ہے ان کا توراۃ میں اور انجیل میں الخ۔ پھر
جبکہ تمام صحابہ کرام ان خصائص و فضائل سے
مشرف ہیں تو پھر خاص اکابر صحابہ یعنی حضرات خلفائے
راشدین کے متعلق کیا کہا جائے اور کیا کہا جا
سکتا ہے۔

پھر چند سطور کے بعد ارقام فرماتے ہیں:۔

بعد از حصول نظر انصاف وبعد از قبول شرف صحبت خیر البشر علیہ وعلی الہ الصلوات والتحیات وبعد از دانستن بزرگیہا وعلو درجات صحابہ کرام علیہم الرضوان آن جماعت اعتراض کنندگان وتشکیک پیدا آرندگان نزدیک است کہ ایں شبہات را در رنگ مغالطہائے وسفسطہائے زراندودہ تصور نمایند واز درجہ اعتبار ساقط کنند اگرچہ مادہ غلط را ور شبہا تشخیص نکنند و محل سفسطہ را التعین نہ نمایند لا اقل مجملاً ایں قدر شاید دانند کہ مودائے ایں تشکیکات وحاصل ایں شبہاب بے ماحصل است بلکہ مصادم بداہت وضرورت اسلامیہ است ومردود ومطرود بکتاب وسنت است ۔"

اگر ان اعتراض کرنے والوں کی نظر میں کچھ انصاف ہو اور یہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی عظمت کو مان لیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بزرگی اور عالی مرتبی کو جان لیں تو زیادہ بعید نہیں کہ یہ خود ہی اپنے ان شبہات کو ملمع شدہ مغالطوں اور سفسطوں کے رنگ میں دیکھنے لگیں اور ان کو درجہ اعتبار و اعتماد سے ساقط کر دیں اگرچہ غلط فہمی کے منشا کی تعیین نہ کر سکیں اور فریب وسفسطہ کے محل کو انگلی رکھ کر نہ بتا سکیں لیکن کم از کم اجمالاً اس قدر ضرور سمجھ لیں گے کہ یہ شکوک وشبہات لاحاصل ہیں بلکہ بہت سی بدیہی اور کھلی ہوئی حقیقتوں کے خلاف اور کتاب و سنت سے مردود ومطرود ہیں۔

دفتر دوم مکتوب ۹۶

اس تمہید کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے واقعہ قرطاس پر چند مقدمات قائم کر کے مفصل کلام فرمایا ہے اور اس سے متعلق شیعوں کے مشہور اعتراض کا تفصیلی جواب دیا ہے اور گویا اس کے مقدمات کی تحلیل کر کے انگلی رکھ رکھ کے بھی بتلا دیا ہے کہ کہاں کہاں اس میں فریب دیا جاتا ہے ۔ اس کے بعد پھر اوہی اصولی رنگ میں فرماتے ہیں :۔

ایں قسم شبہات وتشکیکات نزد فقیر در رنگ آں است کہ شخصے ذی فنون نزد جماعت ابلہاں بیاید وسنگے را کہ محسوس ایشاں

فقیر کے نزدیک ان شکوک وشبہات کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کوئی چالاک اور پرفن شخص بیوقوں کی کسی جماعت کے پاس پہنچے اور ایک پتھر کو جس کو وہ اپنی

است بدلائل و مقدمات زر اندودہ بر
ایشاں اثبات نماید کہ آں ذہب است و
ایں بیچارگان چوں در دفع آں مقدمات
موہومہ عاجز اند و در تعیین مواد آں دلائل
قاصر ناچار در اشتباہ مے افتند بلکہ
یقین بذہبیت آں سنگ می نمایند
وحس خود را فراموش مے سازند بلکہ متہم
میدارند زیرکی باید کہ اعتماد بر ضرورت
حس نماید و مقدمات موہمہ را متہم سازد،
در ما نحن فیہ نیز بزرگی و علو درجات خلفاء
ثلثہ ، بلکہ بزرگی جمیع اصحاب کرام علیہ
وعلیہم الصلوات والتحیات بمقتضائے
کتاب وسنت محسوس و مشاہد است قادح
وطاعن ایں بزرگواراں بدلائل زر اندودہ
قدح وطعن در ایشاں نماید آں طعن در ایشاں
در رنگ قدح آں سنگ است کہ
در وجود آں نمایند و از راہ بہ
برند"

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ہدیتنا و
ہب لنا من لدنک رحمۃ انک
انت الوہاب ۵

آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اپنے پرفریب دلائل اور
ملمع شدہ مقدمات سے سونا ثابت کرے اور یہ بیچارے
اس کے پُر تزویر دلائل کے جواب سے عاجز ہونے اور تعین و
تشخیص کے ساتھ اس کی غلطی نہ پکڑ سکنے کی وجہ سے
خود شبہ میں پڑ جائیں بلکہ اپنے مشاہدہ کے خلاف اس
کو سونا یقین کرنے لگیں اور اپنے احساس و ادراک
کو ناقابل اعتماد سمجھ کر پس پشت ڈال دیں لیکن عقلمند
اور ہوشیار آدمی کا کام یہ ہے کہ ایسے موقع پر اپنی حس
اور اپنے ادراک کی ہدایت پر اعتماد کرے اور ان
ملمع شدہ وہمی مقدمات کو ناقابل اعتماد سمجھے بالکل
یہی حال مسئلہ زیر بحث کا ہے کہ حضرات خلفاء ثلثہ
بلکہ تمام صحابہ کرام رض کی بزرگی اور عالی مرتبی قرآن و
حدیث کی رو سے جانی بوجھی بلکہ گویا آنکھوں دیکھی
حقیقت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں
لیکن یہ ناحق کوش جماعت اپنے ملمع شدہ دلائل سے
ان پر طعن و قدح کرتی ہے پس ان کی وہ جرح و قدح
بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی عیار اپنے ہاتھ کے
پتھر کے ٹکڑے کو سونا ثابت کرنے کی کوشش کرے
اور اپنے "منطقی" دلائل سے سیدھے لوگوں کو بیوقوف بنائے

اے رب ہمارے! ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو
کجی اور گمراہی سے محفوظ رکھ [illegible] اپنی رحمت سے
نواز تو ہی ہر نعمت کا بخشنے والا ہے۔

در حقیقت شیعوں کے تمام مطاعن کی حقیقت یہی اور صرف یہی ہے اور اس کے جان لینے

کے بعد تشیع کا سارا طلسم ٹوٹ جاتا اور ان کی ابلہ فریبیوں کا پردہ تار تار ہو جاتا ہے۔

حضرت مجدد قدس اللہ سرہ العزیز نے فتنہ رفض اور اس کے مختلف شعبوں کے خلاف اپنے مستقل رسالہ "رد روافض" کے علاوہ مکتوبات شریف میں بھی جو کچھ متفرق طور پر لکھا ہے اگر اس سب کو جمع کیا جائے تو بلاشبہ ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے اس مختصر مقالہ میں ہم نے جو اقتباسات پیش کیے ہیں در حقیقت ان کو سمندر سے صرف کوزہ بلکہ قطرہ ہی کی نسبت ہے۔

اس "ایرانی فتنہ" کے خلاف اس قلمی جہاد کے علاوہ آپ نے لسانی جنگ بھی بڑی پامردی سے کی اور اگرچہ یہ فتنہ حکومت وقت کے آغوش میں تربیت پا رہا تھا اور گویا شاہی محل ہی اس کا سرچشمہ بنا ہوا تھا پھر بھی آپ نے بارہا علی رؤس الاشہاد عام معرکوں اور خاص محفلوں میں مناظروں اور تقریروں میں اس کی تار پود بکھیرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہی کی ان مجددانہ مساعی اور مجاہدانہ سرگرمیوں نے عام مسلمانوں کو اس سیلاب میں بہنے سے بچا لیا ورنہ آج ہندوستان کے نو کروڑ "مسلمانوں میں" اعداء ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی تعداد صرف پچاس ساٹھ لاکھ ہی نہ ہوتی۔

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ مَرْقَدَهٗ وَبَرِّدْ مُضْجَعَهٗ وَاحْشُرْنَا مَعَهٗ

امام ربّانی

از :۔

حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب فاروقی مجدّدی
مدظلہ العالی

یہ مقالہ مجدد الف ثانی نمبر ۱۳۵۷ھ میں الخطبۃ الشوذبیہ فی حضرت مجددیہ کے عنوان سے شائع ہوا تھا اب صاحب مقالہ حضرت مولانا محمد عبد الشکور صاحب مدظلہ کی اجازت سے اس کا عنوان "امام ربانی" کر دیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے قدیم وجدید تذکرے کتابی شکل میں موجود ہیں یہ مقالہ حضرت امام ربانیؒ کے تذکرہ میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے جس کو اصحاب علم ونظر ناظرین کرام ان شاء اللہ محسوس فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَامِداً وَّمُصَلِّیاً

محبی المکرم جناب مولوی محمد منظور صاحب مدیر "الفرقان" بریلی سلمہ اللہ تعالیٰ و اکرمہ کے اصرار سے اس اہم اور مقدس کام کا داعیہ دل میں پیدا ہوا۔ گو طبیعت کی نادرستی اور ضعف و افسردگی سے قطع نظر کرکے کسی طرح اس کام کی اہلیت اپنے میں نہیں پاتا۔ کہاں نائب شفیع یوم نشور (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کہاں ایک بندۂ بہزار گناہ شرمندہ سرتاپا خطا و قصور

اَلثُّرَیَّا مِنَ الثَّرٰی وَاَیْنَ الْخَذَفُ مِنَ السُّہٰی اَیْنَ الظُّلْمَۃُ مِنَ النُّوْرِ وَاَیْنَ الظِّلُّ مِنَ الْحَرُوْرِ با این ہمہ نا اہلی محض اسی کی مدد پر بھروسہ کرکے جس نے یہ داعیہ دل میں ڈالا قلم ہاتھ میں لیا ہے۔

از سرِ شوق[1] مے کنم سخنے | ورنہ مدحش چہ حد ہم چو منے
ہمچو او ئے سزد معرّف او | در جہاں لیک ہمچو او ئے کو
قرنہا دور آسماں گردد | تا چو او اختر ے عیاں گردد
عمرہا ابر مکرمت بارد | تا چو او گوہر ے پدید آرد

اللہ تعالیٰ بہ طفیل حضرت ممدوح کے اپنے فضل وکرم سے اس بضاعت مزجاۃ کو قبول فرمائے تو زہے سعادت وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

---

[1] ان اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو اپنے شوق محبت میں کچھ باتیں کر رہا ہوں ورنہ مجھ جیسا شخص اس کی تعریف کیا کر سکتا ہے اس کی تعریف کے لیے بھی اسی جیسا شخص ہونا چاہیے لیکن دنیا میں اس جیسا ہے کون آسمان صدہا سال گردش کرے تو اس جیسا ستارہ عیاں ہو۔ ابر کرم مدتہائے دراز تک عزت و شرف کا پانی برسائے تو اس جیسا موتی پیدا ہو۔

واضح ہو کہ حضرت امام ربانی مجدد و منور الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن اشیاخہ واتباعہ وارضاہم) کے تذکرہ میں بہت سی مفرد اور بے نظیر کتابیں تالیف ہو چکی ہیں جن کے مؤلفین بڑے بڑے علماء ہیں۔ جن میں اکثر خود حضرت امام کے خلفا یا خلفا کے خلفا ہیں۔ مثلاً آپ کے خلیفہ اعظم حضرت آدم بنوری نے ایک کتاب تالیف فرمائی۔ حضرت آدم موصوف خود ایک سلسلہ کے امام ہیں جس کا نام سلسلہ آدمیہ ہے اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جیسا امام منسلک ہے۔ یہ سلسلہ بخارا کی طرف بہت ہے اور ایک خاندان ڈیرہ اسماعیل خاں میں بھی معلوم ہوا ہے اور مثلاً مولانا بدر الدین سرہندی نے کہ وہ بھی حضرت ممدوح کے خلیفہ ہیں ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں تالیف فرمائی جس کا نام حضرات القدس ہے اور مثلاً مولانا محمد ہاشم کشمی نے کہ وہ بھی آپ کے خلیفہ ہیں ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام برکات احمدیہ ہے اور مثلاً مولانا محمد احسان خلیفہ حضرت خواجہ محمد زبیر رحمہ اللہ نے ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام روضۃ القیومیہ ہے وغیر ذالک مما یطول ذکرہا۔

فارسی زبان کے علاوہ عربی اور ترکی زبان میں بھی آپ کے مناقب کی کتابیں ہیں جن میں سے بعض مصر و بیروت وغیرہ کی طرف طبع ہو گئی ہیں ؎

وعلی تفنن واصفیہ بوصفہ ۔۔۔ یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف

اس حقیر نے کتب مذکورہ سے صرف انہیں چند حالات کو لیا ہے جن کا ذکر خود حضرت امام ربانی کے مکتوبات میں ہے اور ان میں بھی اس قدر اختصار کا لحاظ کیا ہے کہ جو نسبت قطرہ کو سمندر سے ہے وہ بھی نہ رہی۔

اس سلسلہ میں حضرت ممدوح کے مکتوبات قدسیہ کی کچھ عبارات بھی مسلمانوں کے کان تک پہنچا دینے کا ایک ذریعہ ہاتھ آگیا کچھ عجب نہیں کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے کسی

لہ (مدح و ستائش کرنے والے طرح طرح سے اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور اس میں وہ باتیں باقی رہ جاتی ہیں جن کی تعریف نہ ہو سکی)

سعادت مند کا کام بن جائے کیونکہ وہ نسبت عالیہ جو کبریت احمر سے بھی زیادہ عزیز الوجود ہے مکتوبات قدسیہ کے ہر کلمہ میں اس طرح جلوہ گر ہے جیسے گلاب کی خوشبو اس کے پھول کی ہر ہر پتی میں ۔

در سخن پنہاں شدم مانند بو در برگ گل[1]
ہر کہ دارد آرزویم در سخن بیند مرا

بس اب اصل مقصد شروع کیا جاتا ہے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔

نام ونسب نام مبارک آپ کا احمد آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبد الاحد نسب شریف آپ کا اٹھائیس واسطہ سے امیر المومنین فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اس نسب اقدس پر خود حضرت کو بھی ناز تھا، مکتوب ۱۰۰ دفتر اول حصہ دوم میں ملا حسن کشمیری کے اس سوال کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب کہنے سے فلاں بزرگ نے منع کیا ہے اس کا کیا مطلب ہے فرماتے ہیں :۔

نوشتہ بودند کہ شیخ عبد الکبیر یمنی گفتہ است کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ عالم الغیب نیست مخدوما فقیر را تاب استماع امثال ایں سخناں نیست بے اختیار رگ فاروقیم درحرکت مے آید و فرصت تاویل و توجیہ نے دہد قائل ایں سخناں شیخ کبیر یمنی باشد یا شیخ اکبر شامی کلام محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار است نہ کلام محی الدین عربی وصدر الدین

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ شیخ عبد الکبیر یمنی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے میرے مخدوم فقیر کو ایسی باتیں سننے کی تاب و طاقت نہیں ہے اس قسم کی باتوں سے میری رگِ فاروقی بے اختیار پھڑک اٹھتی ہے اور ان کی تاویل و توجیہ کی بھی مہلت نہیں دیتی ان باتوں کے کہنے والے شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، کلام محمد عربی درکار ہے نہ کہ کلام محی الدین عربی وصدر الدین

---

[1] (میں اپنے کلام میں اس طرح پوشیدہ ہوں جس طرح پھول کی خوشبو اس کی ہر پتی میں جو شخص مجھ کو دیکھنے کی آرزو رکھتا ہو وہ مجھ کو میرے کلام میں دیکھے)

قونیوی وعبدالرزاق کاشی، ما را بنص کار است نہ بفص فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ است۔

قونیوی وعبدالرزاق کاشی ہم کو نص شرعی سے کام ہے نہ کہ فص[ع] سے فتوحات مدینہ نے ہم کو فتوحات مکیہ سے بے نیاز بنا دیا ہے۔

اور مکتوب ۱۵ حصہ ششم دفتر دوم میں یہ خبر سن کر کہ قصبہ سامانہ ضلع لدھیانہ میں خطیب نے خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کا ذکر عمداً ترک کر دیا فرماتے ہیں:۔

چوں استماع ایں خبر وحشت انگیز در شورش آورد ورگ فاروقیم را حرکت داد بچند کلمہ اقدام نمود۔

چونکہ اس خبر وحشت انگیز نے طبیعت میں ایک شورش پیدا کر دی اور میری رگِ فاروقی بھڑکا دی اس لیے یہ چند کلمے تحریر کر دیئے۔

آپ کے آبائے کرام میں بڑے بڑے علمائے کاملین اور فقرائے واصلین گذرے ہیں خصوصاً آپ کے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد بہت بڑے عالم اور سلسلہ چشتیہ میں بڑے صاحب نسبت بزرگ تھے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے اور طریقہ قادریہ میں بھی صاحب اجازت تھے۔ تمام کتب درسیہ منقولات اور معقولات کا درس دیتے تھے اور مریدوں کو فیوض باطنی سے سیراب فرمایا کرتے تھے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

وطن اور ولادت سراپا بشارت وطن قدیم آپ کے آبائے کرام کا بعد مدینہ طیبہ کے شہر کابل تھا مگر کوئی بزرگ ہندوستان تشریف لائے اور مقام سرہند ان کو پسند آیا وہیں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں آپ کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی اور وہیں آپ کے اولاد واحفاد کا مدت دراز تک قیام رہا۔

سرہند اس وقت ایک بڑا شہر تھا لیکن اب صوبہ پنجاب ریاست پٹیالہ میں ایک قصبہ ہے حضرت نے اپنے مکتوبات میں جا بجا اس شہر مبارک کی عظمت اور برکت کا بیان فرمایا ہے چنانچہ مکتوب ۲۹۵ حصہ سوم دفتر اول میں فرماتے ہیں۔

ع فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ شیخ محی الدین عربی کی دو کتابوں کے نام ہیں اس عبارت میں انہی دونوں کتابوں کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔

"سرہند کہ اعظم بلاد اسلام است چند سال ست کہ قاضی ندارد"

سرہند میں جو ایک بڑا اسلامی شہر ہے کئی سال سے قاضی نہیں ہے۔

اور مکتوب ۲۲ حصہ ششم دفتر دوم میں فرماتے ہیں:۔

بلدۂ سرہند گویا زمین احیائے من است کہ برائے من چاہ عمیق تاریک را پرکردہ صفہ بلند ساختہ اند بر اکثر بلاد و بقاع آن را ارتفاع دادہ و نورے دراں زمین ودیعت گشتہ کہ مقتبس از نور بے صفتی و بے کیفی ست در رنگ نورے کہ از زمین مقدسۂ بیت اللہ ساطع ولامع است (بفاصلہ چند سطور) و بعد از مدتے ظاہر شد کہ آں نور مودع لمعہ الیست از انوار قلبیہ ایں فقیر از یں جا اقتباس نمودہ دراں زمین افروختہ اند در رنگ آنکہ چراغ از مشعلہ برافروزند قل کل من عند اللہ اللہ نور السموات والارض۔ سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین ٥

شہر سرہند کو میرے زندہ ہونے کی جگہ سمجھنا چاہیئے جیسے ایک گہرے اور تاریک کنوئیں کو پاٹ کر ایک ایسا چبوترہ بنایا گیا ہے جس کو اکثر شہروں اور مقاموں پر بلندی بخشی گئی ہے اور اس میں بے صفتی و بے کیفی کا نور ودیعت رکھا گیا ہے جو سرزمین بیت اللہ شریف میں ظاہر ہونے والے نور کی مانند ہے (چند سطروں کے بعد) ایک مدت کے بعد یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ یہ نور اس فقیر کے انوار قلبیہ کا ایک حصہ ہے یہیں سے حاصل کر کے اس سرزمین میں روشن کیا گیا ہے جس طرح مشعلہ سے چراغ روشن کرتے ہیں یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے اللہ ہی کا نور ہے آسمانوں میں اور زمین میں تیرا رب جو عزت والا رب ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور صلوٰۃ والسلام ہے خدا کے رسولوں پر اور تمام تعریفیں ہیں اس اللہ کی جو کل جہانوں کا رب ہے۔

ولادت سراپا بشارت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ نوسو کہتر یوم جمعہ بوقت نصف شب ہوئی۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ تمام جہان میں ظلمت پھیلی ہوئی ہے سور اور بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں یکایک میرے سینہ سے ایک

نور نکلا اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوا اسی تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اس کے سامنے تمام ظالموں اور زندیقوں اور ملحدوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے اور کوئی شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

صبح کو حضرت مخدوم نے اس خواب کی تعبیر حضرت شاہ کمال[1] کیتھلی سے دریافت کی انہوں نے فرمایا کہ تمہارے ایک لڑکا پیدا ہوگا اس سے الحاد و بدعت کی ظلمت دور ہو گی سبحان اللہ کیسا سچا خواب تھا اور کیسی صحیح تعبیر تھی۔

تحصیل علم حفظ قرآن مجید سے فارغ ہونے کے بعد جس میں آپ کا بہت کم وقت صرف ہوا تحصیل علم میں مشغول ہوئے اکثر کتب درسیہ اپنے والد بزرگوار سے اور کچھ سرہند کے دوسرے علماء سے پڑھیں۔ تصوف کی کتابیں بھی مثل تعرّف اور عوارف المعارف اور فصوص الحکم وغیرہ کے اپنے والد ہی سے پڑھیں۔ ان اطراف میں مولانا کمال کشمیری معقولات کے پڑھانے میں مشہور تھے ان سے معقولات کی بعض کتابیں پڑھیں۔

کتب حدیث کی سند حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے حاصل کی اور اس زمانہ میں ایک مقدس عالم حضرت قاضی بہلول بدخشانی تھے ان سے حسب ذیل کتب کا درس لیا اور سند حاصل کی امام واحدی کی تفسیر[1] بسیط اور تفسیر[2] وسیط اور اسباب[3] النزول اور قاضی بیضاوی کی تفسیر اور دوسری تصنیفات مثل منہاج[5] الوصول اور الغایۃ[6] القصویٰ وغیرہ کے اور امام بخاری کی صحیح[7] اور دوسری تالیفات مثل ثلاثیات[8] اور ادب[9] المفرد اور افعال[10] العباد اور تاریخ[11] کے اور مشکوٰۃ[12] المصابیح اور شمائل[13] ترمذی اور جامع[14] صغیر السیوطی اور قصیدہ[15] بردہ غرضیکہ ہر علم و فن کو اس کے مشہور اور مستند اساتذہ سے حاصل کیا اور سند لی۔

تحصیل طریقت ابتداءً آپ نے طریقہ چشتیہ میں اپنے والد بزرگوار سے بیعت کی اور اس کا سلوک تمام کیا پھر طریقہ قادریہ بھی اخذ کیا۔ بیعت اور تعلیم طریقہ قادریہ کی اپنے والد سے پائی

---

[1] حضرت شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے پیرزادہ اور بڑے باکمال بزرگ تھے حضرت امام ربانی سے منقول ہے کہ فرماتے تھے سلسلہ قادریہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے بعد شاہ کمال کیتھلی کا مثل کم نظر آتا ہے ۱۲

اور خرقہ خلافت حضرت شاہ سکندر[1] نبیرۂ حضرت شاہ کمال کیتھلی سے حاصل ہوا۔ المختصر سترہ برس کی عمر میں آپ جامع کمالات ظاہری و باطنی بن کر اپنے والد کے سامنے ہی کتب درسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تلقین فرمانے لگے۔

ان ایام میں سلسلہ کبرویہ کے ایک مشہور ولی اللہ حضرت مولنا یعقوب صرفی تھے ان سے آپ نے طریقہ کبرویہ بھی حاصل کیا۔

بااین ہمہ کمالات طریقہ نقشبندیہ کی طلب آپ کے قلب اطہر میں موجزن ہوئی اور یہ طلب بڑھتے بڑھتے عشق کی حد تک پہنچ گئی اور یہ عشق اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا یہاں تک کہ ۱۰۰۷ھ میں جبکہ آپ کے والد بزرگوار نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور آپ بارادۂ حج بیت اللہ اپنے وطن مبارک سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے تو ملا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی جن سے غالباً پہلے کی شناسائی تھی انہوں نے بر سبیل تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی احراری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا اس ذکر کو سن کر حضرت امام ربانی کا عجیب حال ہوا اسر و دبستاں یاد دہانیدن ایک مشہور مثل ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ آپ خواجہ سے ملنے گئے بیعت کرنا چہ معنی دہلی میں قیام کرنے کا اس وقت خیال بھی نہ تھا۔

---

[1] حضرت شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق امام ربانی سے منقول ہے کہ فرماتے تھے آفتاب کو تو آدمی کسی طرح دیکھ بھی لیتا ہے مگر حضرت شاہ سکندر کے قلب پر بوجہ نورانیت اور چمک کے کسی کی نظر نہیں ٹھہر سکتی ۱۲

[2] ہندوستان کی سرزمین نسبت نقشبندیہ سے بالکل محروم تھی اس سلسلہ عالیہ کے سب سے پہلے بزرگ آپ ہی ہیں جو ہندوستان تشریف لائے چنانچہ خود فرماتے تھے "ایں تخم پاک را از زمین سمرقند و بخارا آوردیم و در زمین برکت آئین ہند کشتیم الحمد للہ کہ بعنایت الٰہی شجرہ طیبہ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء ظاہر شد" ولادت آپ کی بمقام کابل ۹۷۱ھ میں ہوئی یہی سن ولادت حضرت امام ربانیؒ کا ہے اور بعمر اکتالیس سال بروز شنبہ ۲۵ جمادی الاخرہ ۱۰۱۲ھ بمقام دہلی وفات پائی مزار مبارک دہلی میں بیرون اجمیری دروازہ ہے قریب مزار مبارک ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد ہے جس میں سنگ بصری کے ستون ہیں ۱۲

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری پائیں

حضرت خواجہؒ کی طبیعت بہت دیر آشنا تھی مگر خلاف عادت حضرت امام سے پہلی ہی ملاقات میں بہت بشاشت و محبت سے ملے اور حج کا ارادہ سن کر فرمایا کہ حج تو موجب سعادت دارین ہے لیکن کوئی مانع نہ ہو تو کم سے کم ایک مہینہ یا ایک ہفتہ یہاں ہماری صحبت میں قیام کرو حضرت امام نے بلا عذر قبول فرما لیا۔

حضرت خواجہ کی صحبت نے اس قدر تیزی کے ساتھ اثر کیا کہ دو ہی دن کے بعد آپ نے بیعت کی درخواست کی۔ حضرت خواجہ نے خلاف معمول بلا استخارہ فوراً آپ کو داخل سلسلہ کر لیا اور ذکر کی تلقین فرما کر قلب پر توجہ کی۔ قلب اسی وقت ذکر میں مشغول ہو گیا اور یوماً فیوماً نہیں بلکہ لحظہ بلحظہ حالات باطنی میں ترقی شروع ہوئی اور انتہا میں پہنچ کر جو حالات پیش آئے وہ تو مالا عین رأت ولا اذن سمعت کا مصداق ہیں۔

حضرت امام ربّانی نے ڈھائی مہینہ دہلی میں قیام فرمایا۔ اس قلیل مدت میں نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی نسبت نقشبندیہ نام ہے "دوام حضور و آگاہی" کا جس کے ساتھ غیبت بالکل نہ ہو اسی چیز کو حدیث نبوی میں کانک تراہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

اس کے بعد حضرت امام دو مرتبہ اور سرہند سے دہلی اپنے مرشد کامل کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ کل تین صحبتیں اپنے شیخ کی آپ کے لیے کافی ہو گئیں۔

پہلی مرتبہ حضرت خواجہ نے خوشخبری سنائی کہ تم کو نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی اور تقرب الٰہی کے یوماً فیوماً ترقی کرنے کی امید ہے۔ دوسری مرتبہ خلعت خلافت عطا فرمائی اور طالبان خدا کو تعلیم طریقت اور ارشاد و ہدایت کی اجازت دی اور اپنے مخصوص ترین اصحاب کو تعلیم طریقت کے لیے آپ کے سپرد کیا۔ تیسری مرتبہ حضرت خواجہ بقدر دو یا تین تیر کے پیشوائی کے لیے آئے اور بڑی بڑی عظیم الشان بشارتیں عطا فرمائیں اور اپنے حلقہ توجہ میں

آپ کو سر حلقہ بنا کر بٹھایا اور مریدوں سے فرمایا کہ ان کی موجودگی میں کوئی شخص میری طرف متوجہ نہ ہوا کرے۔ رخصت کرتے وقت فرمایا کہ اب ضعف بہت معلوم ہوتا ہے امید حیات بہت کم ہے اور اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت خواجہ عبید اللہ و حضرت خواجہ عبد اللہ کو کہ اس وقت شیر خوار تھے اپنے سامنے حضرت امام ربّانی سے توجہ دلائی اور فرمایا کہ ان کی ماؤں کو بھی غائبانہ توجہ دیجیے چنانچہ آپ نے توجہ دی اور توجہ کا اثر بھی اسی وقت ظاہر ہوا۔

مکتوبات قدسیہ میں یہ واقعات جستہ جستہ مذکور ہیں چنانچہ مکتوب ۲۲۶ دفتر اوّل حصہ چہارم میں اپنے پیر زادوں یعنی خواجہ عبید اللہ و خواجہ عبد اللہ کو لکھتے ہیں:۔

ایں فقیر از سر تا قدم غرق احسانہا والد بزرگوار شما ست دریں طریق سبق الف بے از ایشاں گرفتہ است و تہجی حروف ایں راہ از ایشاں آموختہ و دولت اندراج النہایۃ فی البدایہ ببرکت صحبت ایشاں حاصل و سعادت سفر در وطن را بصدقہ خدمت ایشاں یافتہ توجہ شریف ایشاں در دو نیم ماہ ایں ناقابل را بہ نسبت نقشبندیہ رسانیدہ و حضور خاص

یہ فقیر از سر تا قدم آپ کے والد بزرگوار کے احسانوں میں غرق ہے اس راہ میں الف بے کا سبق انہی سے لیا ہے اور اس راہ کے حروف تہجی انہی سے سیکھے ہیں اور ابتدا میں انتہا کے مدارج حاصل ہونے کی دولت انہی کی صحبت کی برکت سے حاصل کی ہے اور "سفر در وطن" کی سعادت انہی کی خدمت کے صدقہ میں پائی ہے ان کی توجہ شریف نے ڈھائی ماہ میں اس ناقابل کو نسبت نقشبندیہ تک

لہ یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ سر سلسلہ خواجگان حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی نے آٹھ اصطلاحات مقرر فرمائی تھیں۔ طریقہ نقشبندیہ کی بنیاد انہیں آٹھ چیزوں پر ہے وہ آٹھ اصطلاحات یہ ہیں۔ ہوش در دم[1]۔ نظر بر قدم[2]۔ سفر در وطن[3]۔ خلوت در انجمن[4]۔ یاد کرد[5] باز گشت[6]۔ نگہداشت[7]۔ یاد داشت[8] ان سب کی شرح اور طریق عمل مکتوبات قدسیہ میں موجود ہے ۱۲

ایں اکابر را عطا فرمودہ و دریں مدت قلیلہ آنچہ از تجلیات و ظہورات و انوار و الوان و بے رنگیہا و بے کیفہا کہ بہ طفیل ایشاں رو دادہ چہ شرح دہد و چہ بیان تفصیل آں نماید ہمیں توجہ شریف ایشاں کم دقیقہ ماندہ باشد در معارف توحید و اتحاد و قرب و معیت و احاطہ و سریان کہ بریں فقیر نکشادند و از حقیقت آں اطلاع نہ دادند، شہود وحدت در کثرت شاہدہ کثرت در وحدت از مقدمات و مبادی ایں معارف ست بالجملہ آنجا کہ نسبت نقشبندیہ ست و حضور خاص ایں اکابر نام ایں معارف بر زبان آوردن و نشان ایں شہود و مشاہدہ را بیان نمودن از کوتہ نظری ست۔ کارخانہ ایں اکابر بلند ست بہر زراقے و رقاصے نسبت ندارند و ہرگاہ ایں طور دولتے رفیع القدر از حضرت ایشاں بایں فقیر رسیدہ باشد اگر مدت عمر سر خود را پائمال اقدام خدمۂ عتبہ عالیہ شما کردہ باشد ہیچ نکردہ باشد از تقصیرات خود چہ عرض نماید و از شرمندگیہائے خود چہ

پہنچا دیا اور اکابر نقشبندیہ کا حضورِ خاص عطا فرمایا۔ اس قلیل مدت میں جو تجلیات ظہورات، انوار، الوان اور بے رنگیاں اور بے کیفیاں حاصل ہوئیں ان کی شرح و تفصیل کیا بیان کی جائے حضرت کی توجہ شریف کی برکت سے معارف توحید و اتحاد، قرب و معیت اور احاطہ و سریان میں سے شاید ہی کوئی دقیقہ ایسا ہو جو اس فقیر پہ واضح نہ ہوا ہو اور اس کی حقیقت کی اطلاع نہ دی گئی ہو۔ کثرت میں وحدت کا معائنہ اور وحدت میں کثرت کا مشاہدہ تو ان معارف کی ابتدائی باتیں ہیں بہر حال جس جگہ نسبت نقشبندیہ اور اس کے اکابر کا حضورِ خاص موجود ہو ان معارف کا نام زبان پر لانا اور اس شہود مشاہدہ کی نشاندہی کرنا کوتاہ نظری ہے۔ ان اکابر کا کارخانہ بلند ہے جو کسی حیلہ گر رقاص کے کاروبار سے کوئی نسبت نہیں رکھتا جب اس فقیر کو ایسی بلند مرتبہ دولت آپ کے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی تو اگر یہ فقیر عمر بھر آپ کے دربار عالی کے خدام کے قدموں میں عمر پامال کرے تب بھی اس نے کوئی حق ادا نہ کیا یہ فقیر اپنی کوتاہیوں کو

اظہار نماید۔ اما معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد را حضرت سبحانہ از ما جزای خیر دہاد کہ مؤنت ما مقصران را بر خود التزام نمودہ کمر ہمت را در خدمت عتبہ علیہ بستہ اند و ما در افتادگان را فارغ ساختہ

گر بر تن من زبان شود ہر موے
یک شکر وی از ہزار نتوانم کرد

سہ مرتبہ این فقیر بدولت عتبہ بوسی حضرت ایشاں مشرف گشت مرتبہ اخیر فقیر را فرمودند کہ ضعف بدن بر من غالب آمدہ است امید حیات کم ماندہ از احوال طفلان خبردار خواہی ماند و در حضور خود شما را طلبیدند و شما در تجرد مرضعات بودید و بفقیر امر کردند کہ بایشان توجہ بکن بامر ایشاں در حضور ایشاں بشما توجہ کردہ بجد یکہ اثراں توجہ نیز ظاہر شدہ بعد ازاں فرمودند کہ حضرات الوالدات ایشاں را نیز غائبانہ توجہ بکن غائبانہ توجہ نمودہ آمد امید ست کہ ببرکت حضور ایشاں آں توجہ مثمر نتائج باشد۔

کیا بیان کرے اور اپنی شرمندگی کو کیا ظاہر کرے معارف آگاہ خواجہ حسام الدین احمد کو اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے جزائے خیر عطا کرے کہ انہوں نے ہم تقصیر کرنے والوں کا بار خود اٹھایا اور خدام دربار عالی کی خدمت کے لیے کمر ہمت باندھی اور ہم دور افتادہ لوگوں کو اس سے سبکدوش کیا۔ اگر میرے جسم کا ہر رواں زبان بن کر شکر ادا کرے تو ان کے ہزار شکروں میں سے ایک شکر بھی ادا نہ ہو سکے اس فقیر کو تین مرتبہ حضرت کے دردولت کی عتبہ بوسی کا شرف حاصل ہوا جب آخری مرتبہ زیارت ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ضعف بدن غالب آگیا ہے (اب) امید حیات کم رہ گئی ہے تم بچوں کے احوال سے باخبر رہنا۔ (پھر) آپ کو اپنے سامنے طلب فرمایا اس وقت آپ دودھ پیتے بچے تھے اس فقیر کو حکم دیا کہ ان پر توجہ دو حضرت کے حکم سے ان کی موجودگی میں میں نے آپ کو توجہ دی یہاں تک کہ اس کا اثر بھی ظاہر ہوا اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ صاحبزادوں کی والدات کو بھی غائبانہ توجہ دو چنانچہ ان کو بھی غائبانہ توجہ دی گئی امید ہے کہ حضرت کی موجودگی کی برکت سے اس توجہ کے بھی اچھے نتائج ظاہر ہوئے ہوں۔

(یہ مکتوب ابھی بہت باقی ہے آگے چل کر صاحبزادوں کو شریعت وطریقت کے متعلق بہت باتیں تعلیم فرمائی ہیں اور ضمناً علم کلام کے بڑے بڑے اہم مسائل آگئے ہیں)

مکتوب ۸۷ دفتر سوم حصہ نہم میں فرماتے ہیں:۔

ارادت من بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسائط کثیرہ ست در طریقہ نقشبندیہ بیست و یک واسطہ درمیان است و در طریقہ قادریہ بیست و پنج و در طریقہ چشتیہ بیست و ہفت (پھر بہ فاصلہ چند سطور) سلسلۂ من سلسلہ رحمانی است کہ من ارحم الراحمین و طریقہ من طریقہ سبحانی ست کہ از راہ تنزیہ رفتہ ام و از اسم و صفت جز ذات اقدس تعالی نخواستہ۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میری ارادت بہت سے واسطوں سے ہے طریقہ نقشبندیہ میں اکیس ۲۱ واسطے درمیان میں ہیں طریقہ قادریہ میں پچیس ۲۵ واسطے اور طریقہ چشتیہ میں ستائیس واسطے میرا سلسلہ رحمانی ہے کیونکہ میں رحمٰن کا بندہ ہوں، میرا رب رحمٰن ہے، اور میرا رب ارحم الراحمین، میرا طریقہ سبحانی ہے کیونکہ میں تنزیہ کی راہ سے پہنچا ہوں اسم و صفت سے مقصود سوائے ذات حق کے کچھ نہیں ہے۔

مکتوب ۲۱۳ دفتر اول حصہ اول میں فرماتے ہیں:۔

تا آنکہ حق سبحانہ و تعالی بہ محض کرم خویش بخدمت ارشاد پناہی حقائق و معارف آگاہی موید الدین الرضی شیخنا و مولنا و قبلتنا محمد الباقی قدسنا اللہ تعالی بسرہ رسانید و ایشاں بہ فقیر طریقہ علیہ نقشبندیہ تعلیم فرمودند و توجہ بلیغ بحال ایں مسکین مرعی داشتند

یہاں تک کہ حق سبحانہ و تعالی نے محض اپنے کرم سے اس فقیر کو ارشاد پناہ، حقائق و معارف آگاہ موید الدین، الرضی شیخنا و مولنا و قبلتنا محمد الباقی قدس اللہ سرہ کی خدمت اقدس میں پہنچایا اور انہوں نے اس فقیر کو طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم دی اور اس مسکین کے حال پر توجہ بلیغ فرمائی:۔

مکتوب ۲۹۰ دفتر اول حصہ پنجم میں اپنے مرید مولنا محمد ہاشم کو لکھتے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ الطیبین

و آلہ و اصحابہ الطیبین الطاہرین۔ بدانکہ طریقے کہ اقرب است و اسبق و اوفق و اوثق و اسلم و احکم و اصدق و اولٰی و اعلٰی و اجل و ارفع و اکمل طریقہ علیہ نقشبندیہ است قدس اللہ تعالٰی ارواح اہالیہا و اسرار موالیہا این ہمہ بزرگی این طریق و علو شان این بزرگواران بواسطہ التزام متابعت سنت سنیہ است علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ و اجتناب از بدعت نامرضیہ بعد بفاصلہ چند سطور۔ اے برادر لما شد کہ اللہ تعالٰی الی سواء الصراط این درویش را چون ہوس این راہ پیدا شد عنایت خداوندی جل و علا ہادی کار او گشتہ بخدمت ولایت پناہ حقیقت آگاہ ہادی طریق اندراج النہایہ فی البدایہ والی السبیل الموصل الی درجات الولایہ مویدالدین الرضی شیخنا و مولٰنا و امامنا الشیخ محمد الباقی قدس اللہ تعالٰی سرہ کہ یکے از خلفاء کبار خانوادہ حضرات اکابر نقشبندیہ قدس اللہ تعالٰی اسرارہم بودہ اند رسانید و ایشان این درویش را ذکر اسم ذات جل سلطانہ تعلیم فرمودند و طریق معہود توجہ نمودند تا التذاذ تمام دریں پیدا شد و از کمال شوق گریہ دست داد و بعد از یک

الطاہرین خوب جان لو کہ جو طریقہ سب طریقوں میں اقرب اور سب سے زیادہ کتاب و سنت کے موافق، سب سے زیادہ قابل اعتماد، سب سے زیادہ محفوظ، سب سے زیادہ مضبوط، سب سے زیادہ سچا، سب سے زیادہ راہ بتانے والا، سب سے برتر، سب سے بزرگ سب سے بلند اور سب سے کامل ہے وہ طریقۂ نقشبندیہ ہے اللہ تعالٰی اس طریقہ پر چلنے والوں کی ارواح کو مقدس اور اس سے محبت رکھنے والوں کے اسرار کو پاکیزہ بنائے اس طریقہ کی یہ تمام بزرگی اور اس کے بزرگوں کی یہ سب علو شان محض دو وجہوں سے ہے ایک اتباع سنت نبویہ کے التزام علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، او دوسرے بدعت نامرضیہ سے اجتناب چند سطروں کے بعد اے برادر خدا تجھ کو صراط مستقیم پر چلنا نصیب کرے جب اس فقیر کو اس راہ کا شوق پیدا ہوا تو عنایت خداوندی نے اسکی راہنمائی فرمائی، اور اس کو ولایت پناہ، حقیقت آگاہ، ہادی طریق اندراج النہایۃ فی البدایۃ، رہبر درجات ولایت مویدالدین الرضی شیخنا و مولانا و امامنا شیخ محمد الباقی قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں پہنچایا جو اکابر نقشبندیہ کے خاندان کے خلفائے کبار میں سے تھے حضرت والا نے اس درویش کو ذکر اسم ذات کی تعلیم دی اور اس طریقہ کے بزرگوں کے موافق توجہ دی یہاں تک کہ اس ذکر میں مجھکو پوری لذت ملنے لگی۔

روزے کیفیت بیخودی کہ نزد ایں اکابر معتبر ست
و مسمی ست بہ غیبت رو نمود و دوران بیخودی
یک دریائے محیط میدیدم و اشکال عالم را
در رنگ سایہ دراں دریامے یافتم و ایں بیخودی
رفتہ رفتہ استیلائے پیدا کرد و بامتداد کشید
گاہے تا یک پہر روزے مے کشید و گاہے
تا دو پہر و در بعضے اوقات استیعاب
شب مے نمود چوں ایں قضیہ را بحضرت
ایشاں رسانیدم فرمودند نحوے از فنا
حاصل شدہ ست و از ذکر گفتن منع فرمودند
و بہ نگاہ داشت آں آگاہی امر نمودند بعد
از دو روز مرا فنائے مصطلح حاصل شد
بعرض رسانیدم فرمودند کہ بکار خود مشغول
باشی۔

اور کمال شوق میں گریہ و زاری کی کیفیت پیدا ہوئی
پھر ایک روز کے بعد وہ بیخودی کی کیفیت پیدا ہوئی
جو ان بزرگوں کے نزدیک نہیں ہے اور جس کا نام ان کی
اصطلاح میں غیبت ہے اس بیخودی کے عالم میں
مجھ کو ایک دریائے محیط نظر آرہا تھا، اور اس میں دنیا
کی شکلیں اور صورتیں سایہ کی طرح معلوم ہو رہی
تھیں رفتہ رفتہ مجھ پر اس بیخودی کا غلبہ ہوا، اور دیر
تک یہ کیفیت رہنے لگی کبھی ایک پہر دن تک یہ کیفیت
رہتی اور کبھی دو پہر دن تک اور بعض اوقات تمام
رات یہی حالت رہتی جب میں نے حضرت والا سے
اپنا حال عرض کیا تو حضرت نے فرمایا، کہ تم کو ایک
قسم کی فنا حاصل ہوئی ہے اور ذکر سے منع فرمایا، اور
اس آگاہی کی نگاہ داشت کا حکم دیا۔ دو روز کے
بعد فنائے اصطلاحی حاصل ہوئی جب میں
نے حضرت والا سے عرض کیا تو حضرت نے فرمایا، کہ اپنے کام میں لگے رہو۔

یہ خط سولہ صفحہ کا ہے آگے چل کر معارف سلوک بیان فرماتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں

اے برادر چوں حضرت خواجہ مرا کامل
دانستہ اجازت تعلیم طریقہ فرمودند و
جمعے از طالبان را حوالہ من نمودند مرا دراں
وقت در کمال و تکمیل خود تردد بود
فرمودند جائے تردد نیست مشائخ عظام ایں
مقامات را مقام کمال و تکمیل فرمودہ اند اگر
تردد درین مقام پیدا شود تردد سے در

اے برادر جب خواجہ نے مجھ کو کامل و مکمل
سمجھ کر تعلیم طریقہ کی اجازت دی اور طالبان
راہ کی ایک جماعت میرے سپرد فرمائی تو اس
وقت مجھ کو اپنے کمال و تکمیل میں تردد تھا۔
حضرت والا نے فرمایا کہ تردد کی بات نہیں ہے کیونکہ
مشائخ عظام نے ان مقامات کو کمال و تکمیل کا
مقام فرمایا ہے اگر اس مقام کے مقام کمال و تکمیل

کمالیت آں مشائخ لازم آید حسب الامر
شروع در تعلیم طریقت نمودم و توجہات
درکار طالبان مرعی ساختم و در مسترشدان
اثرہائے عظام محسوس شد حتیٰ کہ کار سنین بہ
ساعات قرار یافت (پھر بفاصلہ چند سطور) بداں
کہ حاصل طریقہ حضرات خواجگان قدس اللہ
تعالےٰ اسرارہم عقائد اہل سنت و جماعت
ست واتباع سنت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ
والسلام والتحیۃ واجتناب است از بدعت
و ہوائی نفسانیہ و عمل بہ عزیمت امور
مہما امکن واحتراز از عمل بہ رخصت واستہلاک
و اضمحلال است اولاً در جہت جذبہ و
ایں استہلاک را بہ عدم تعبیر کردہ اند و
بقائے کہ دریں جہت پیدا شود بعد از تحقق
ایں استہلاک معبر بوجود عدم است الخ

ہونے میں تردد کیا جائے۔ تو ان مشائخ کے کمال
میں تردد لازم آتا ہے حضرت کے حکم کے مطابق طریقہ
کی تعلیم شروع کی اور طالبان راہ کو توجہ دینے
لگا۔ پھر ان طالبان راہ میں بڑے اثرات محسوس
ہوئے۔ حتیٰ کہ سالوں کا کام ساعتوں میں پورا ہوا۔
(چند سطروں کے بعد) حضرت خواجگان نقشبندیہ قدس
اللہ اسرارہم کے طریقہ کا حاصل یہ ہے۔ کہ عقائد
اہل سنت وجماعت کا معتقد ہو اور حضرت سرور عالم
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا متبع اور بدعت اور ہوائے
نفسانی سے مجتنب، احد امکان عزیمت پر کاربند
اور رخصت سے محترز، نیستی اور فنا کی کیفیت پیدا
کرے۔ اولاً جذبات کی فنا پھر فنائے کامل اس
اور فنا کو حضرات نقشبندیہ عدم کہتے ہیں۔ اور اس
فنا کے بعد جو بقا حاصل ہوتی ہے۔ اس کو حضرات
وجود عدم کہتے ہیں:

حضرت امام ربانی جب تیسری بار حضرت خواجہ سے رخصت ہونے لگے تو حضرت خواجہ نے
فرمایا، کہ جب میں نے ہندوستان آنیکا ارادہ کیا۔ تو استخارہ کیا۔ استخارہ کے بعد معلوم ہوا کہ ایک
خوبصورت طوطی جو بہت میٹھی باتیں کرتا ہے میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا۔ اور میں اپنا لعاب دہن
اس کے منہ میں ڈال رہا ہوں۔ اور وہ اپنے منقار سے شکر میرے منہ میں دے رہا ہے میں نے اپنے پیر مرشد حضرت

ملہ۔ حضرت خواجہ الکنکی اپنے والد حضرت مولانا درویش محمد کے خلیفہ ہیں اور شاہ امام الائمہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار
کے خلیفہ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت خواجہ الکنکی حضرت شاہ نقشبند کے قدم بقدم چلنے میں ضرب المثل تھے۔ اور اس زمانہ میں
جو بعض بدعات طریقہ میں رائج تھیں۔ مثل ذکر بالجہر اور جماعت تہجد کے ان بدعات سے کامل پرہیز رکھتے تھے۔
ولادت آپ کی ۹۱۸ھ میں اور وفات ۱۰۰۸ھ میں ہوئی۔

خواجہ امکنگی سے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو حضرت پیر مرشد نے فرمایا۔ کہ طوطی ہندوستان کا جانور ہے۔ ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص ظاہر ہوگا جس سے ایک عالم منور ہو جائے گا۔ اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے گا حضرت خواجہ نے اس تعبیر کا مصداق امام ربانی کو فرمایا۔ نیز حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ جب میں ہندوستان آتے ہوئے شہر سرہند پہنچا۔ تو واقعہ میں یہ معلوم ہوا کہ میں ایک قطب کے پڑوس میں اترا ہوں اور اس قطب کا حلیہ بھی مجھے بتایا گیا۔ صبح کو جس قدر درویش اور گوشہ نشین لوگ سرہند میں تھے۔ سب سے ملا۔ لیکن نہ وہ حلیہ کسی کا تھا۔ نہ قطبیت کی کوئی صفت کسی میں پائی خیال ہوا۔ کہ شاید اس شہر کے لوگوں میں آئندہ کوئی ایسا شخص ظاہر ہو۔ جب تم کو دیکھا تو تمہارا حلیہ بھی وہی پایا۔ اور تم میں منصب کی قابلیت بھی محسوس ہوئی۔ نیز حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ میں نے واقعہ میں دیکھا کہ ایک بڑی مشعل آفتاب کی مثل میں نے سرہند میں روشن کی ہے۔ اور یہ محسوس ہوا۔ کہ اس کی روشنی لحظہ بلحظہ ترقی کر رہی ہے۔ اور لوگ اس سے چراغ روشن کر رہے ہیں۔ یہ اشارہ بھی تمہارے ہی معاملہ کی طرف ہے۔

مرید تو اپنے پیر کی تعریف کیا ہی کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بطور ضرب المثل کے یہ مقولہ دنیا میں رائج ہے کہ :۔

پیران نے پرند مریدان مے پرانند

مگر ایسا کم ہوا ہے کہ پیر اپنے مرید کی تعریف کرے۔ اور تعریف بھی ایسی جیسی کہ حضرت امام ربانی کی ان کے پیر نے کی۔ جو آئندہ صفحات میں انشاء اللہ تعالیٰ منقول ہوگی۔ بلاشبہ یہ بھی حضرت امام کے خصائص میں سے ہے۔

حضرت کے بعض ظاہری کمالات

حضرت امام ربانی کو حق تعالے نے ظاہری و باطنی صوری و معنوی ہر قسم کے کمالات کا مجموعہ بنایا تھا۔ چند باتیں بطور مثال کے زیب رقم کی جاتی ہیں۔

(۱) احسن الخالقین نے آپ کی ظاہری شکل و صورت بھی ایسی محبوب بنائی تھی۔ کہ جو دیکھ

ف۔ یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ ۱۲

لیتا بے اختیار اس کا دل کہتا کہ تبارک اللہ احسن الخالقین۔

راقم الحروف نے مقام بہرائچ میں سلسلہ مجددیہ کے ایک بزرگ کے یہاں حضرت امام کی مستعمل جوتیوں کی زیارت کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قد مبارک متوسط تھا چہرہ انور کا رنگ گندم گوں مائل بسفیدی بیان کیا گیا ہے پیشانی کشادہ تھی۔ داڑھی گھنی تھی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ صورتِ اقدس پر انوارِ ولایت نمایاں تھے۔ ملاحت کے ساتھ ساتھ رعب دوبدبہ بہت تھا۔

(۲) طلب معاش کی فکر کبھی آپ کے قریب نہیں آئی۔ باوجودیکہ بادشاہ ہندوستان جو اس وقت دنیا میں عظیم الشان بادشاہ تھا۔ آخر میں آپ کا غلام بن چکا تھا۔ مگر کوئی مستقل ذریعہ آمدنی کا اخیر تک آپ کے یہاں نہیں رہا۔ اپنے مخصوص خدام میں کسی کو فکر معاش میں پریشان دیکھتے تو اس کو نصیحت فرماتے چنانچہ مکتوب ۶۵ دفتر دوم حصہ ہفتم میں مولنا محمد ہاشم کو لکھا کہ :-

امور دنیا امور لاطائل ست دنیا ومافیہا کرامی آن نمے کند کہ تذکر احوال آخرت را گذاشتہ کسے بہ حشویات اشتغال نماید، ہرچند نیت شما بخیر خواہد بود اما حسنات الابرار سیئات المقربین شنیدہ باشند۔ بہر حال متوجہ احوال باطن باشند طفیلی را ضروری دانند والضرورۃ تتقدر بقدرہا اللہ سبحانہ الحمد والمنہ کہ فقرای ایں جائی ہر چند رزق معلوم نہ دارند اما بے سعی و بے کوشش بفراغت ووسعت میگزرانند زیادہ از قدر کفاف میرسد روز نو وروزی نو نقد وقت ماست

امور دنیا، امور بے فائدہ ہیں دنیا ومافیہا اس لائق نہیں ہے کہ انسان احوالِ آخرت کی یاد ترک کر کے ان فضول باتوں میں مشغول ہو اگرچہ تمہاری نیت بخیر ہوگی۔ لیکن تم نے حسنات الابرار سیئات المقربین کا مقولہ سنا ہوگا بہر حال احوال باطن میں متوجہ رہیں طفیلی (امور دنیا) کو بس ایک امر ضروری سمجھیں۔ اور قاعدہ ہے کہ ضرورت بقدر ضرورت ہوتی ہے (اس سے زیادہ نہیں) اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے۔ کہ یہاں کے فقراء باوجودیکہ رزق معین نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی بغیر سعی وکوشش کے فراغت ووسعت سے زندگی گزارتے ہیں کفاف سے زیادہ ان کو روزی پہونچتی ہے نیا روز نئی روزی

کی دولت ہم کو ہر وقت حاصل ہے۔

(۳) آپ کے علم وعمل دونوں کی تعریف آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ نے جن بلند کلمات میں فرمائی ہے وہ انشاءاللہ آئندہ منقول ہوں گے۔ باوجود اس علم کامل کے آپ متقلد تھے۔ حنفی تھے۔ تقلید کو اپنے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم واجتہاد کی رفعت اور ان کے ورع اور عبادت کی عظمت جا بجا اپنے مکتوبات میں زیب رقم فرماتے ہیں۔ مکتوب ۲۷۲ دفتر اول حصہ پنجم میں فرماتے ہیں:۔

قیاس واجتہاد اصلی ست از اصول شرعیہ کہ ما بتقلید آن ماموریم بخلاف کشف والہام کہ مارا بہ تقلید آن امر نہ فرمودند الہام بر غیر حجت نیست واجتہاد بر مقلد حجت ست پس تقلید علمائی مجتہدین باید کرد۔

قیاس شرعی اور اجتہاد اصول شرعیہ میں سے ایک اصل ہے جس کی تقلید کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ بخلاف کشف والہام کہ ان کی تقلید کا ہم کو حکم نہیں دیا گیا۔ ایک کا الہام دوسرے پر حجت نہیں لیکن مجتہد کا اجتہاد مقلد کے لیے حجت ہے لہذا علمائے مجتہدین کی تقلید کرنا چاہیئے نہ کہ کشف والہام کی۔

مکتوب ۲۶۷ دفتر اول حصہ چہارم ۱۶۳ میں ہے۔

عمل صوفیہ در حل وحرمت سند نیست ہمیں بس نیست کہ ما ایشاں را معذور داریم وملامت نکنیم وامر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالی مفوض داریم، اینجا قول امام ابی حنیفہ وامام ابو یوسف وامام محمد معتبر است نہ عمل ابی بکر شبلی وابی حسن نوری۔

کسی شے کی حلت وحرمت میں صوفیہ کا عمل سند نہیں ہے۔ کیا یہی کافی نہیں ہے، کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ اور ان کا معاملہ حق سبحانہ وتعالی کے سپرد کردیں۔ ان باتوں میں (حلت وحرمت میں) امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے۔ نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری۔

مکتوب ۵۵ دفتر دوم حصہ ہفتم ص۱۳۰ میں ہے:۔

مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی ست رحمتہ
اللہ علیہ کہ ببرکت ورع و تقوٰی و بدولت
متابعت سنت درجہ علیا در اجتہاد و استنباط
یافتہ است کہ دیگران در فہم آن عاجز و
قاصر اند (پھر بفاصلہ چند سطور) و فراست
امام شافعی بہ کرشمہ از دقت فقاہت
او علیہ الرضوان دریافت کہ گفت "الفقہاء
کلھم عیال ابی حنیفہ" (پھر بفاصلہ
چند سطور) بے شائبہ تکلف و تعصب گفتہ
مے شود کہ نورانیت ایں مذہب حنفی بنظر
کشفی در رنگ دریائے عظیم مے نماید و سائر
مذاہب در رنگ حیاض و جداول بنظر مے
آیند (پھر بفاصلہ چند سطور) عجب معاملہ
ست امام ابوحنیفہ در تقلید سنت از ہمہ
پیش قدم ست و احادیث مرسل را در
رنگ احادیث مسند شایان متابعت
مے داند و برائے خود مقدم مے دارد و
ہمچنیں قول صحابی را بواسطہ شرف صحبت
خیر البشر علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات
برائے خود مقدم میدارد و دیگران نہ چنیں
اند (پھر بفاصلہ چند سطور) بانی فقہ ابوحنیفہ
ست و سہ حصہ از فقہ او را مسلم داشتہ
اند و در ربع باقی ہمہ شرکت دارند و ے

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مثال حضرت
عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام کی جیسی ہے ۔ کہ ان
کو ورع و تقوٰی کی برکت اور اتباع سنت کی
دولت سے اجتہاد و استنباط میں وہ درجہ علیا
حاصل ہوا کہ دوسرے اس کے سمجھنے سے عاجز
و قاصر ہیں (چند سطروں کے بعد) امام شافعی رحمۃ اللہ
علیہ کی فراست نے ان کی دقتِ فقاہت کو
سمجھا اس لیے فرمایا کہ تمام فقہا ابوحنیفہ کے
عیال ہیں۔ (چند سطروں کے بعد) بغیر کسی تکلف
و تعصب کے عرض کیا جاتا ہے ۔ کہ اس مذہب
حنفی کی نورانیت نظرِ کشف میں دریائے عظیم
کے مانند نظر آتی ہے ۔ اور دوسرے مذاہب
حوضوں اور نقالوں کے مانند نظر آتے ہیں
(چند سطروں کے بعد) عجب معاملہ ہے کہ امام
ابوحنیفہ تقلید سنت میں سب سے آگے ہیں
احادیث مرسل کو احادیث مسند کی طرح
لائق اتباع سمجھتے ہیں۔ اور ان کو اپنے اجتہاد
پر مقدم کرتے ہیں۔ اسی طرح قول صحابی کو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت کی
وجہ سے اپنے اجتہاد پر مقدم رکھتے ہیں۔ دوسرے
مجتہدین کا معاملہ ایسا نہیں ہے ۔ (چند سطروں
کے بعد) فقہ کے بانی ابوحنیفہ ہیں۔ فقہ کے
تین حصے انہی کے لیے تسلیم کیے گئے ہیں باقی

صاحب خانہ اوست و دیگران ہمہ عیال وے اند با وجود التزام ایں مذہب مرا با امام شافعی گویا محبت ذاتی ست و بزرگ میدانم لہذا در بعضے اعمال نافلہ تقلید مذہب او مے نمایم اما چہ کنم کہ دیگراں را با وجود وفور علم و کمال تقوی در جنب امام ابی حنیفہ در رنگ طفلاں مے یابم " والامر الی اللہ سبحانہ

چوتھائی میں سب شریک ہیں وہ صاحب خانہ ہیں دوسرے ان کے عیال ہیں۔ با وجود مذہب حنفی کے التزام کے امام شافعی سے گویا مجھ کو محبت ذاتی ہے میں اُن کو بزرگ جانتا ہوں اس لیئے بعض اعمال نافلہ میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ دوسروں کو با وجود فراوانی علم اور کمال تقوٰی کے امام ابو حنیفہ کے مقابلہ میں بچوں کے مانند پاتا ہوں :۔

۱۳ پابندی شریعت کا بے نہائت اہتمام پیروی سنت کا بے اندازہ حرص بدعات سے بیحد نفرت اور بے انتہا احتراز آپ کے خصائص حمیدہ میں سے تھا ہمیشہ عزیمت پر عمل کرنا، رخصت کے قریب نہ جانا۔ آپ کا نمایاں شعار تھا اور موافق آیہ کریمہ وجعلها کلمة باقية في عقبه۔ یہ چیزیں آپ نے خلفاء و متوسلین کے لیے میراث چھوڑی

عادات میں اور ذرا ذرا سی باتوں میں اتباع سنت کا اس قدر اہتمام فرماتے تھے کہ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے غرض کسی چیز میں کوئی فعل ان کا خلاف سنت کسی منکر اور معاند نے بھی نقل نہیں کیا۔

ایک مرتبہ کسی خادم سے فرمایا کہ فلاں مقام پر لونگیں رکھی ہیں۔ کچھ دانے لے آؤ۔ وہ چھ دانے لے آیا۔ اتنی ذرا سی بات میں ترک سنت آپ کو ناگوار ہوا۔ اور ناخوشی کے لہجہ میں فرمایا کہ ہمارے صوفی کو اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ عدد طاق کی رعایت سنت ہے۔ اللہ الوتر و یحب الوتر فرمایا کہ میں تو وضو میں منہ دھوتے وقت یہ خیال رکھتا ہوں۔ کہ پہلے داہنے رخسارے پر پانی پڑے کیونکہ تیامن بھی سنت ہے۔

مکتوب ۱۳۹ دفتر اول حصہ پنجم صـ۱۷۲ مولانا محمد ہاشم کو اس سوال کے جواب

ہیں کہ کرتے کا چاک گریبان سامنے سینہ پر ہونا مسنون ہے۔ یا شانوں پر رکھتے ہیں۔

بدانند کہ ما ہم دریں باب تردد داریم اہل عرب پیراہن پیش چاک مے پوشند و آنرا سنت مے دانند و از بعضے کتب حنفیہ مفہوم مے شود کہ پیراہن پیش چاک مرداں را نباید پوشیدہ کہ لباس زناں ست ۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم کو بھی اس باب میں تردد ہے اہل عرب سامنے کے چاک گریبان کا کرتا پہنتے ہیں۔ اور اس کو سنت سمجھتے ہیں۔ اور بعض کتب حنفیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سامنے کے چاک گریبان کا کرتا مردوں کو نہ پہننا چاہیے کیوں کہ یہ عورتوں کا لباس ہے

اس کے بعد کتب فقہیہ کی عبارتیں نقل کی ہیں۔ اور اپنی تحقیق یہ بیان فرمائی ہے کہ چاک گریبان کے لیے کوئی خاص ہیات مسنون نہیں ہے اور احادیث صحیحہ میں عورتوں کے مشابہ لباس پہننے سے منع فرمایا گیا ہے۔ لہذا جن مقامات میں عورتوں کے کرتے میں چاک گریبان سامنے رہتا ہو۔ وہاں مردوں کو شانوں پر چاک رکھنا چاہیے جیسا کہ علمائے ماوراءالنہر اور علمائے ہند کی رسم ہے۔ چنانچہ حضرت کے کرتے کا چاک بھی دونوں شانوں پر رہتا تھا۔

عمامہ بھی بطریق مسنون باندھتے تھے۔ اور جمعہ کے دن نیز عیدین میں عمدہ لباس استعمال فرماتے تھے۔

مکتوب ۵۴ دفتر دوم حصہ ہفتم ص۵ میں اتباع سنت کے سات درجے بیان فرمائے ہیں۔ حضرت سے پہلے شاید اس قدر غور وخوض اس مسئلے میں کسی نے نہ کیا ہو۔ اس مکتوب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اتباع سنت کی کیسی عظیم الشان اہمیت آپ کی نظر میں تھی۔ اور نظر آپ کی کس قدر عمیق تھی۔

مکتوب مذکور میں اتباع کے تیسرے درجہ کو بیان کرکے لکھتے ہیں۔ کہ یہ درجہ بغیر اس کے نہیں حاصل ہو سکتا کہ بدعت کے نام سے بھی پرہیز کریں۔ حتیٰ کہ جن چیزوں کو بدعت حسنہ کہا جاتا ہے۔ ان سے بھی دور رہیں۔ پھر ساتوں درجے بیان کرکے

خاتمہ مکتوب میں لکھتے ہیں :-

بالجملہ ہر دولتے کہ آمدہ ست از برائے انبیاء آمدہ ست علیہم الصلوٰۃ والتحیات سعادت امتان ست کہ بہ طفیل انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ازاں دولت بہرہ یابند وازانش ایشاں تناول نمایند ؎

درقافلۂ کہ اوست دانم نرسم
ایں بس کہ رسد ز دور بانگ جرسم

حاصل کلام یہ کہ جو دولت بھی آئی ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے آئی ہے یہ امتوں کی سعادت ہے۔ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں اس دولت سے بہرہ ور ہوں ؎
میں جانتا ہوں کہ جس قافلہ میں وہ ہیں۔ میں اس تک نہیں پہنچ سکتا میرے لیے یہی کافی ہے کہ دور سے ان کے جرس کی آواز مجھ تک پہنچتی رہے۔

تابع کامل کسے ست کہ بایں ہفت درجہ متابعت متحلی شود وآنکہ بعضے از درجات متابعت دارد و بعضے ندارد تابع فی الجملہ ست علی تفاوت الدرجات علمائے ظواہر بدرجہ اولیٰ خرسند ند کاش آں درجہ راہم سرانجام بدہند متابعت را مقصور بر صورت شریعت داشتہ اند درای آن دیگر نہ ایں کاشتۂ طائفۂ صوفیہ را کہ وسیلہ حصول درجات متابعت ست بیکار تصور نمودہ اند واکثر شان پیر و مقتدائے خود را غیر از ہدایہ و بزدوی نہ دانستہ اند ؎

چو آن کرمے کہ در سنگے نہان ست
زمین و آسمان او ہمان ست

تبع کامل وہ ہے جو اتباع سنت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو اور جو شخص ان میں سے بعض میں متابعت رکھتا ہو۔ اور بعض میں متابعت نہ رکھتا ہو۔ وہ فرق مراتب کے ساتھ فی الجملہ تابع ہے علمائے ظواہر پہلے ہی درجہ کی متابعت میں خوش ہیں۔ کاش وہ اسی کو پوری طرح انجام دیتے انہوں نے تو تابعداری پیروی کو صورت شریعت کی پیروی تک محدود کر دیا ہے۔ اس سے آگے ان کے خیال میں کچھ نہیں ہے صوفیہ کے طریقہ کو جو تمام درجات متابعت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہی بیکار سمجھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اپنا پیر مقتدا سوائے ہدایہ اور بزدوی کے کو نہیں جانتے۔

اس کیڑے کی مانند جو کسی پتھر میں پوشیدہ ہو کہ بس وہی اس کا زمین و آسمان ہے۔

(۵) آپ کی کثرت عبادت بھی ایک غیر معمولی شان رکھتی تھی۔ جس کی تعریف آپ کے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ معلوم ہوگا۔

نماز پنجگانہ کے علاوہ تہجد اشراق چاشت فیئ الزوال نوافل بعد مغرب جن کو عام طور پر لوگ اوابین کہتے ہیں۔ ان سب نمازوں کی پابندی فرماتے تھے۔ شروع شروع میں ان نفل نمازوں میں سورہ یٰسین پڑھتے تھے ۔۔۔ تعداد اسی تک پہنچتی تھی مگر آخر میں ختم قرآن کا معمول ہو گیا تھا۔

سنت عصر اور سنت قبل عشاء بہت کم ترک فرماتے تھے جو دعائیں خاص اوقات کے لیے احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً صبح شام کے وقت سونے اور بیدار ہونے کے وقت وغیرہ وغیرہ ان دعاؤں کا ایسا التزام تھا جیسے کسی سے طبعی فعل بے قصد و بے ارادہ صادر ہو جائے۔

تہجد کے لیے نصف شب سے اٹھنے کا معمول تھا۔ اور ہر دو رکعت کے بعد توبہ و استغفار اور درود شریف اور دعا اس کے بعد مراقبہ فرماتے تھے۔ یہ سلسلہ فجر تک قائم رہتا تھا۔ فجر کی نماز جماعت سے پڑھنے کے بعد اشراق تک اپنے اصحاب کے ساتھ مراقبہ میں بیٹھتے تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت خارج نماز میں خود بھی کرتے تھے۔ اور حلقہ کے وقت کسی حافظ سے بھی سننے کا معمول تھا۔ اور یوں جب قاری اچھا پڑھنے والا آجاتا تو اس سے بھی پڑھواتے تھے۔ قرآن مجید کے ساتھ آپ کے شغف کا حال پڑھ کر مولانا جامی رح کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

مصلحت نیست مرا سیری ازاں آب حیات
ضاعف اللہ بہ کل زمان عطشی

نماز چاشت کے بعد جو فقراء حاضر خانقاہ ہوتے ان کو کھانا تقسیم ہوتا۔ اور خود بھی اسی وقت قلیل مقدار میں کچھ کھا کر قیلولہ فرماتے۔

لہ (اس آب حیات سے میرا سیر ہونا مناسب نہیں اللہ تعالیٰ ہر آن میری اس پیاس میں اضافہ کرے۔)

ہر روز تقریباً ایک سو علماء صلحاء و حفاظ کو آپ کے باورچی خانہ سے کھانا ملتا تھا۔

رمضان مبارک کے روزے کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ اور پورے مہینہ میں تراویح پڑھتے تھے اور کم از کم ایک ختم قرآن تراویح میں ضرور ہوتا تھا۔ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے کبھی رمضان کا مہینہ حالت سفر میں آجاتا تو بھی معمولات میں ذرا کمی نہ ہوتی۔ ادائے زکوٰۃ میں سال گزرنے کا انتظار نہ فرماتے۔ جس وقت آپ کے ہاتھ میں کچھ روپیہ آجاتا۔ اس کا چالیسواں حصہ نکال کر رکھ لیتے اور مستحقین زکوٰۃ کو وقتاً فوقتاً دیتے رہتے۔

حج کا ارادہ ہر وقت آپ کے دل میں رہتا تھا۔ مگر کبھی تو روپیہ نہ ہوتا تھا۔ اور کبھی دوسرے موانع و مہمات پیش آجاتے تھے۔

حقوق عباد کے ادا کرنے میں کبھی ذرہ برابر کوتاہی نہ فرماتے۔ بیماروں کی عیادت کو تشریف لے جاتے جنازوں میں شرکت فرماتے۔

اہل و عیال کی خبر گیری، صاحبزادوں اور مریدوں کی تعلیم و تربیت، علوم شرعیہ کا زبانی اور کتابی درس، پھر اپنے نفس مبارک کے حقوق ان سب کاموں کو روزانہ باحسن وجوہ انجام دیتے۔

ف :- اولیاء اللہ کے اوقات میں اللہ تعالےٰ ایسی برکت عطا فرماتا ہے کہ ان کے روزانہ کے مشاغل سن کر عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اور سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ دن رات کے چوبیس گھنٹے ان تمام کاموں کے لیے کس طرح کفایت کر سکتے ہیں۔ خصوصاً وہ لوگ جن کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا "یعلمون ظاہرا من الحیٰوۃ الدنیا ذلک مبلغھم من العلم" ان بیانات کو مبالغہ پر محمول کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

بلا شبہ اوقات کی برکت عظیم الشان خرق عادت اور عظیم الشان کرامت ہے۔ جن لوگوں نے ایسا کوئی مقدس نمونہ دیکھا ہے۔ ان کو تو کوئی تردد نہیں ہو سکتا۔ اور جنہوں نے نہیں دیکھا۔ ان کو چاہیے کہ اللہ تعالےٰ کی ہر مخلوق کو اپنے اوپر قیاس نہ کریں ؎

بارے ازنیت تراوجدا نے معتقد باش وبیار ایما نے

(۶) امر معروف ونہی عن منکر میں آپ ایک مامور من اللہ کی سی شان رکھتے تھے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ڈر، کسی ایذا کا خوف، کوئی بڑے سے بڑا خطرہ آپ کو اس فریضہ کے ادا کرنے سے روک نہیں سکا۔

حضرت امام کے زمانے میں ہندوستان میں مسلمانوں کی سلطنت تھی۔ اور سلطنت اپنے پورے جاہ وجلال پر تھی۔ آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ جلال الدین اکبر کے عہد سلطنت میں گزارا اس کے بعد نورالدین جہانگیر کا زمانہ آپ نے پایا۔ پہلی سلطنت گولا مذہبیت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مگر ہندو مذہب کے ساتھ صلح وآشتی رکھتی تھی۔ جو کچھ عناد یا مخالفت تھی۔ وہ دین اسلام کے ساتھ تھی۔ آج بھی مسلمانوں میں جو لوگ لامذہب ہیں وہ اور مذاہب کے ساتھ تو بڑی رواداری برتتے ہیں۔ مگر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اچھی خاصی دشمنی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ تاکہ لوگ ان کو آزاد خیال اور غیر متعصب سمجھیں۔ دوسری سلطنت کو نفس اسلام کے ساتھ کوئی عناد نہ تھا۔ مگر سلطنت وبادشاہت کا نشہ بہت بڑھ گیا تھا۔ اور نئے بادشاہ پر الشباب شعبۃ من الجنون کا جن بھی سوار تھا۔ حتیٰ کہ شاہی دربار کی تعظیم یہ تھی کہ لوگ بادشاہ کو سجدہ کریں۔ سجدہ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ بھی بزور سلطنت حاصل کر لیا گیا تھا۔

ان سب باتوں پر طرہ یہ تھا۔ کہ بادشاہ کی محبوبہ ملکہ نورجہاں بیگم جس کے ہاتھ میں بادشاہ نے سلطنت کی باگ دے رکھی تھی۔ نہائیت غالی شیعہ تھی۔ جس کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا۔ کہ نوراللہ شوستری جیسا دریدہ دہن سلطنت کا قاضی القضاۃ بنایا گیا تھا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ ان دونوں سلطنتوں کے اثر سے عام مسلمانوں کی کیا حالت ہو گی۔ عوام تو عوام پیشہ ور علماء اور دوکاندار صوفیہ جن کی کثرت خیر القرون کے بعد یوماً فیوماً ترقی پر ہے کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہوں گے۔

حالت یہ تھی کہ ایک طرف شرک اور بت پرستی کی رسمیں مسلمانوں میں رائج ہو رہی تھیں۔ اور دوسری طرف بدعتوں کے بادل سروں پر منڈلا رہے تھے۔ اور تیسری طرف سے یہ آوازیں آ رہی تھیں۔ کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے

مذہب عشق از ہمہ مذہب جداست عاشقاں را مذہب وملت خداست

اور چوتھی طرف رفض کی گرم بازاری ترقی کر رہی تھی۔ تفضیلیت تو برملا شائع تھی اور خفیہ خفیہ صحابہ کرام کی بدگوئی بھی ہوتی تھی۔ خصوصاً ان صحابہ کرام کی جن سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے محاربات ومشاجرات واقع ہوئے تھے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بدگوئی تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ غرضکہ ہندوستان کے مسلمان خصوصاً اور ساری دنیا کے مسلمان عموماً بڑے عظیم الشان مصائب میں مبتلا تھے۔ چاروں طرف سے ابلیس کی فوجوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ دوچار حقانی علماء یا کوئی ربانی درویش اگر تھے بھی تو ان کو ہمت نہ ہوتی تھی۔ کہ ایسے پرفتن وقت میں لب کشائی کریں اور حق بات زبان یا قلم سے نکال کر اپنے کو ظلم اور ملامت کا نشانہ بنائیں۔ دنیا میں جب کبھی اس قدر ظلمت طاری ہوئی۔ تو حق تعالیٰ کی رحمت نے کسی نبی کو بھیجا۔ لہٰذا اس وقت بھی کسی نبی کو مبعوث ہونا چاہیے تھا۔ مگر نبوت حضرت سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ کی امت میں ایک شخص الف ثانی کا مجدد بنایا گیا۔ اور اس نے وہی کام کیا جو ایک مامور من اللہ نبی کرتے اور اسی ہمت واستقلال سے کیا۔ اور حق تعالیٰ نے نتیجہ آپ کی مساعی جمیلہ کا ایسا ظاہر فرمایا۔ کہ بایدوشاید علماء کی بھی اصلاح ہوئی اور صوفیہ کی بھی بادشاہ اراکین سلطنت بھی خواب غفلت سے بیدار ہو گئے۔۔۔

آج ہندوستان میں خدمات دینیہ کی جو صورتیں بھی نظر آ رہی ہیں۔ یہ سب حضرت ہی کی سعی مشکور کا نتیجہ ہیں: نجزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام واھلہٗ خیر الجزآءِ ۵

مکتوبات قدسیہ کے مطالعہ سے اس زمانے کی حالت کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور آپ کی مساعی مشکور کا بھی مکتوب ۲۴ دفتر اول حصہ اول ص۹۳ میں لکھتے ہیں:۔

عزیزے شیطان لعین را دید کہ فارغ نشستہ است واز تضلیل واغوا خاطر جمع ساختہ	ایک عزیز نے شیطان لعین کو دیکھا کہ فارغ بیٹھا ہے۔ اور لوگوں کو بہکانے اور بے راہ بنانے کے کام سے

آں عزیز سرّ آں را پرسید لعین گفت کہ علمائے سوء ایں وقت دریں وقت با من خود مدد عظیم کردند و مرا ازیں مہم فارغ ساختند والحق دریں زمان ہر سستی و مداہنتے کہ در امور شرعیہ واقع شدہ است و ہر فتورے کہ در ترویج ملت و دین ظاہر گشتہ است ہمہ از شومی علمائے سوء و فساد نیات ایشان۔

مطمئن ہے۔ اس عزیز نے شیطان سے پوچھا کہ اس میں کیا راز ہے۔ شیطان نے جواب دیا کہ اس زمانہ کے علماء سوء نے اس وقت میری بڑی مدد کی ہے مجھ کو اس مہم سے سبکدوش کر دیا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں امور شرعیہ میں جو سستی و مداہنت دیکھنے میں آ رہی ہے۔ اور جو فتنہ ان دین و ملت کی اشاعت میں پیدا ہو گیا ہے۔ وہ سب انہی علمائے سوء کی بدبختی اور ان کی فساد نیت کا نتیجہ ہے۔

مکتوب ۴۷ دفتر اول حصہ دوم ص ۱۰۸ میں شیخ فرید کو جو بادشاہ کے بڑے مقرب و مصاحب خاص تھے لکھتے ہیں:۔

صلاح بادشاہ صلاح عالم است و فساد او فساد عالم۔ میدانند کہ در قرن ماضی (یعنی عہد اکبری) بر سر اہل اسلام چہا نگذشتہ است زبونی اہل اسلام باوجود کمال غربت در قرون سابقہ ازیں نگذشتہ بود کہ مسلمانان بر دین خود باشند و کفار بر کیش خود کریمہ لکم دینکم ولی دین۔ بیان ایں معنی است و در قرن ماضی کفار برملا بطریق استیلا اجرائے احکام کفر در دار اسلام می کردند و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند و اگر میکردند بقتل می رسیدند (پھر بفاصلہ چند سطور)

بادشاہ کی درستگی سے عالم کی درستگی ہے اور بادشاہ کے فساد سے عالم کا فساد۔ آپ جانتے ہیں کہ زمانہ ماضی (یعنی اکبر کے عہد) میں اہل اسلام پر کیا کچھ نہیں گزرا زمانہ سابق میں جبکہ اسلام کی غربت حد کو پہنچی ہوئی تھی اہل اسلام کی بدحالی اس سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کافر اپنے طریقہ پر جیسا کہ آیت کریمہ لکم دینکم ولی دین سے ظاہر ہے لیکن زمانہ ماضی (یعنی عہد اکبری) میں تو یہ حال ہوا کہ کفار تو برملا پورے غلبہ کے ساتھ دار الاسلام میں احکام کفر جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام ظاہر کرنے سے بھی عاجز و قاصر تھے اور اگر ظاہر کرتے تھے تو قتل کر دیے جاتے تھے (چند سطروں کے بعد) دنیا دار علماء جن کا مطمح نظر صرف یہ حقیر و ذلیل

علمائی دنیا کہ ہمت ایشاں دنیائی دنیہ ست صحبت ایشاں زہر قاتل ست وفساد ایشاں فساد متعدی سے
عالم کہ کامرانی وتن پروری کند
اوخویشتن گم ست کرا رہبری کند
در قرن ماضی ہر بلائے کہ برسر آمد از شومی ایں جماعہ بود بادشاہاں را ایشاں از راہ مے بردند، ہفتاد و دو ملت کہ راہ ضلالت اختیار کردہ اند مقتدایان اینہا علمائے سوء بودند۔ غیر از علماء ہر کہ بضلالت رفت کم ست کہ ضلالت او بدیگرے تعدی کند و اکثر جہلائی صوفی نمائے ایں زمانہ حکم علمائی سوء دارند فساد اینہا نیز فساد متعدی ست ۔

دنیا ہی ان کی صحبت زہر قاتل اور ان کا فساد، فساد متعدی ہے۔ جو عالم صرف اپنی دنیوی کامیابی و تن پروری میں مشغول رہتا ہو۔ وہ خود گمراہ ہے دوسرے کی رہبری کیا کرے گا۔

اس زمانہ میں (یعنی عہد اکبری میں) جو مصیبت بھی مسلمانوں پر آئی وہ اسی جماعت کی بدبختی کا نتیجہ تھی۔ یہی لوگ بادشاہ کو راہ راست سے ہٹاتے ہیں وہ بہتر فرقے جو گمراہ ہوئے۔ ان کے پیشوا ہی علمائے سوء تھے۔ جب کوئی غیر عالم گمراہ ہوتا ہے تو بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ اس کی گمراہی سے دوسرے بھی گمراہ ہوں۔ لیکن ایک عالم کی گمراہی بہتوں کو گمراہ کرتی ہے، اس زمانہ کے صوفی نما جاہلوں کا معاملہ بھی علمائے سوء جیسا ہے۔ ان کا فساد بھی متعدی ہے

مکتوب ۵۳ دفتر اول حصہ دوم میں انہیں شیخ فرید کو یہ سن کر کہ بادشاہ اس بات پر راضی ہو گئے ہیں۔ کہ علماء ان کی صحبت میں رہیں اور انہیں شیخ فرید کو حکم شاہی ملا ہے کہ چار عالم منتخب کرو، لکھتے ہیں :-

علمائی دین دار خود اقل قلیل اند کہ از حب جاہ وریاست گزشتہ باشند و مطلبے غیر از ترویج شریعت وتائید ملت نداشتہ باشند بر تقدیر حب جاہ ہر کدام ازیں علماء طرفے خواہد گرفت و اظہار فضیلت خود خواہد نمود و سخناں اختلافی درمیان خواہد

ایسے دیندار علماء بہت ہی کم ہیں جو حب جاہ وطلب ریاست سے بالاتر ہوں اور سوائے ترویج شریعت اور تائید ملت کے اور کوئی غرض نہ رکھتے ہوں اگر ان میں حب جاہ ہے تو ان میں سے جس عالم کو بھی اس میں سے کچھ حصہ ملے گا اور وہ دوسروں پر اپنی فضیلت

آوردہ آن را توسل قربت بادشاہ خواہد ساخت ناچار مہم دین ابتر خواہد شد در قرن سابق اختلافات علماء عالم را در بلا انداخت وہمان صحبت در پیش ست ترویج چہ گنجائش دارد کہ باعث تخریب دین خواہد شد، والعیاذ باللہ سبحانہ من ذلک ومن فتنۃ العلماء السوء اگر یک عالم را از برائی این غرض انتخابات نمایند بہتر مے نماید اگر از علمای آخرت پیدا شود چہ سعادت کہ صحبت او کبریت احمر ست واگر پیدا نہ شود بعد از تامل صحیح بہترین این جنس را اختیار کنند۔

ظاہر کرے گا۔ اور اختلافی باتیں زیر بحث لائیگا اور انہی کو بادشاہ سے قربت حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے گا۔ لامحالہ ترویج دین کا کام ابتر ہو گا۔ گزشتہ دور میں بادشاہوں سے تقرب حاصل کرنے کے لیے علماء کے اختلاف نے ایک عالم کو مصیبت میں ڈال دیا تھا وہی بادشاہوں کی صحبت اس وقت، بھی درپیش ہے۔ ایسی حالت میں ترویج دین کی کہاں گنجائش ہو گی بلکہ یہ صحبت تو دین کی بربادی کا باعث ہو گی۔ اللہ تعالی اس سے پناہ میں رکھے اور علمائے سوء کے فتنہ سے بچائے۔ لہٰذا اگر کسی ایک عالم کو اس مقصد کے لیے منتخب کیا جائے۔ تو بہتر ہو گا۔ اگر کوئی عالم طالب آخرت مل جائے تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کیونکہ اس کی صحبت تو کبریت احمر ہے۔ اور اگر ایسا عالم دستیاب نہ ہو تو خوب غور و فکر کے بعد ان میں سے جو بہتر معلوم ہو اس کو منتخب کر لیں۔

مکتوب ۶۵ دفتر اول حصہ دوم ص۴۵ میں خان اعظم کو جو رکن سلطنت تھے، اور بادشاہ ان کی بات بہت مانتے تھے لکھتے ہیں:۔

غربت اسلام تا بحدے رسیدہ ست کہ کفار بر ملا طعن اسلام وذم مسلمانان مے نمایند وبے تحاشی اجرای احکام کفر و مداحی اہل آن در کوچہ و بازار مے کنند و

اب اسلام کی غربت اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ کفار بر ملا اسلام اور اہل اسلام پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور بغیر کسی جھجک کے کوچہ و بازار میں احکام کفر جاری کرتے ہیں۔ اور ان کے ماننے والوں کی

مسلمانان از اجرای احکام اسلام ممنوع
و در اتیان شرائع مذموم و مطعون دیگر بفاصلہ
چند سطور امروز آن روز ست کہ عمل
قلیل را باجر جزیل با عتنائے تمام قبول مے
فرمایند از اصحاب کہف غیر از ہجرت
عملے دیگر نمایاں نیست کہ ایں ہمہ اعتبار
پیدا کردہ ست سپاہیان در وقت غلبہ
اعدا اگر اندک تردد مے کنند اعتبار بسیار
پیدا مے کنند بخلاف در وقت امن و تسکین
اعدا و ایں جہاد قولی کہ امروز شمارا میسر
شدہ ست جہاد اکبر ست مغتنم
دانید و ھل من مزید بگوئید۔ ایں جہاد
گفتن را بہ از جہاد کشتن دانید دیگر بعد
دو سطر حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ
میفرمودند کہ اگر من شیخی کنم ہیچ شیخے
در عالم مرید نیابد اما مرکار دیگر فرمودہ
اند و آں ترویج شریعت و تائید ملت
ست لاجرم بصحبت سلاطین مے رفتند
و بتصرف خود ایشاں را منقاد مے ساختند
و بتوسل ایشاں ترویج شریعت مے
فرمودند۔ ملتمس آن ست کہ چوں حق سبحانہ
ببرکت صحبت شما باکابر ایں خانوادہ بزرگ
قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نحوی شمارا تاثیر مے

ملامت کرتے ہیں۔ اور مسلمانوں کا یہ حال کہ
احکام اسلام جاری کرنے سے روکے جاتے ہیں
اور ان کی بجا آوری پر مطعون و بدنام کیے جاتے
ہیں۔ دو چند سطروں کے بعد آج کا دن وہ دن
ہے کہ اللہ تعالیٰ تھوڑا سا عمل بھی بڑے اجر و
ثواب کے ساتھ پوری عنایت و مہربانی سے
قبول فرماتا ہے۔ دیکھئے اصحاب کہف سے
سوائے ہجرت کے اور کوئی عمل خاص ظاہر
نہیں ہوا۔ لیکن اس نے اللہ تعالیٰ کے دربار
میں اتنا بڑا درجہ حاصل کیا سپاہی دشمنوں
کے غلبہ کے وقت اگر تھوڑی سی کوشش کرتے
ہیں۔ تو ان کا بہت لحاظ کیا جاتا ہے۔ لیکن امن و
سکون کے زمانہ میں یہ بات نہیں ہوتی۔ جہاد قولی
کی دولت جو آج آپ کو حاصل ہے یہ جہاد اکبر
ہے اس کو غنیمت سمجھیں۔ اور ھل من مزید کہیں
اس جہاد زبانی کو سنانی سے بہتر خیال کریں
دو دو سطروں کے بعد حضرت خواجہ احرار قدس
سرہ فرماتے تھے۔ کہ اگر میں شیخ بن کر بیٹھوں تو
دنیا میں کسی شیخ کو مرید نہ ملے لیکن مجھ کو
دوسرا کام سپرد کیا گیا ہے۔ وہ ہے۔ شریعت
کو رائج کرنا اور ملت کو مضبوط کرنا اس ضرورت
سے بادشاہوں کی صحبت میں جاتے تھے
اور اپنے تصرف سے ان کو مطیع بناتے تھے

بخشیدہ ست و عظمت مسلمانی شما در نظر اقران ظاہر گشتہ سعی فرمائید کہ لا اقل احکام کبیرہ اہل کفر کہ در اہل اسلام شیوعے پیدا کردہ اند منہدم و مندرس گردند و اہل اسلام ازاں منکرات محفوظ مانند جزاکم اللہ سبحانہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔ اور سلطنت پیشین عناد بدین مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام مفہوم مے شد و دریں سلطنت ظاہر آں عناد نیست اگر ہست از عدم علم ست ترس آں ست کہ مبادا ایں جا ہم کار بعناد انجامد و بر مسلمانان معاملہ تنگ ترافتد۔

پھر ان کے ذریعہ سے تدریج شریعت کرتے تھے لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس بزرگ خاندان نقشبندیہ کے اکابر کے ساتھ محبت رکھنے کی برکت سے آپ کے کلام میں تاثیر بخشی ہے۔ اور آپ کی دینی عظمت آپ کے ہم جنسوں کی نگاہ میں ظاہر ہو گئی ہے تو آپ کوشش کریں کہ کم سے کم کافروں کے خاص شعائر و مراسم جو مسلمانوں میں شائع ہو گئے ہیں۔ مفقود و معدوم ہو جائیں اور مسلمان ان منکرات سے محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ پہلی سلطنت میں دین مصطفوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک قسم کا عناد معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس سلطنت کو بظاہر وہ عناد نہیں ہے اگر ہے تو عدم علم کی بنا پر ہے۔ خوف اس کا ہے کہ کہیں انجام کار یہاں بھی وہی عناد نہ پیدا ہو جائے اور معاملہ مسلمانوں کے لیے زیادہ تنگ ہو جائے۔

جو بید بر سر ایمان خویش مے لرزم — ع میں اپنے ایمان کے لیے بید کی طرح لرزتا ہوں۔

مکتوب ۵۴ دفتر دوم حصہ ہفتم ص۸ میں لکھتے ہیں۔

تا از بدعت حسنہ در رنگ بدعت سیئہ احتراز نماید بوئے ازیں دولت بمشام جان او نرسد و ایں معنی امروز متعسر ست کہ عالم در دریائے بدعت غرق گشتہ ست۔ و بہ ظلمات بدعت آرام گرفتہ کرا مجال است کہ دم از رفع بدعت زند و احیائے سنت

جب تک انسان بدعت حسنہ سے بدعت سیئہ کی طرح پرہیز نہ کرے گا دولت ایمان کی بو اس کے مشام جان تک نہ پہنچے گی اور یہ بات اس زمانہ میں بہت دشوار ہے کیونکہ دنیا بدعت میں غرق ہے اور بدعات کی تاریکیوں میں آرام کر رہی ہے کس کی مجال ہے جو بدعت

لب کشاید اکثر علمائی ایں وقت رواج دہندہائی بدعت اند و محو کنندہائی سنت بدعت ہائے پہن شدہ را تعامل خلق دانستہ بجواز بلکہ باستحسان آن فتوی مے دہند و مردم را بدعت ولالت مے نمایند چہ میگویند اگر ضلالت شیوع پیدا کند و باطل متعارف شود تعامل گردد. مگر نمے دانند کہ تعامل دلیل استحسان نیست تعاملے کہ معتبرست ہمان ست کہ از صدر اول آمدہ ست یا باجماع جمیع مردم حاصل گشتہ ا۔

کے مٹانے کا دم مارے اور احیائے سنت میں لب کشائی کرے اس زمانہ کے اکثر علماء بدعتوں کو رواج دینے والے اور سنتوں کو مٹانے والے ہیں. جن بدعتوں کا دائرہ وسیع ہے. ان کو لوگوں کا تعامل سمجھ کر ان کے جواز بلکہ استحسان کا فتوی دیتے ہیں. اس طرح بدعت کی رہنمائی کرتے ہیں. یہ وہ کیا کہتے ہیں؟ اگر گمراہی عام ہو جائے اور باطل متعارف ہو جائے تو وہ تعامل ہو جاتا ہے. شاید ان کو یہ نہیں معلوم کہ محض تعامل مستحسن ہونے کی دلیل نہیں ۲
۲ جو تعامل شرعاً معتبر ہے وہی تعامل ہے. جو صدر اول سے ہو یا اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو۔

مکتوب ۲۹ دفتر اول حصہ اول ص۵ میں حضرت شیخ نظام تھانیسری کو جو اس وقت

---

۵ حضرت شیخ نظام تھانیسری طریقہ چشتیہ صابریہ کے ائمہ میں سے ہیں۔ جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کے شجرہ کے دیکھنے سے ظاہر ہے حضرت امام ربانی کے متعدد مکتوبات ان کے نام ہیں. اور لکھنے کا طرز وہی ہے جو شیخ اپنے مریدوں کے لیے اختیار کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی ایک مکتوب منقول ہے اور ان سب سے قطع نظر کر کے جب زمانہ ایک ہے تو ممکن نہیں کہ انھوں نے حضرت امام ربانی رح سے فیض نہ لیا ہو۔ کیونکہ اب اس الف میں حضرت امام ربانی ہی کی ذات اقدس واسطہ فیوض الٰہیہ اور غالباً یہی سبب ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ کے سچے متوسلین کو حضرت امام ربانی رح سے اور ان کے خاندان سے ایک خاص تعلق ہے اور سب پر مجددی رنگ غالب ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ونحن لہ عابدون ۵

اکابر صوفیہ میں سے ہیں لکھتے ہیں:-

مقربات اعمال یا فرائض اند یا نوافل،
نوافل را در جنب فرائض ہیچ اعتبار نیست
ادای فرضے از فرائض در وقتے از
اوقات بہ از ادای نوافل ہزار سالہ
ست اگرچہ بہ نیت خالص ادا شود
ہر نفلے کہ باشد از صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم
و ذکر و فکر و امثال آنہا (الی ان قال)
پس رعایت ادبے و اجتناب از
مکروہے اگرچہ تنزیہی باشد تکیف
کہ تحریمی بمراتب از ذکر و فکر و مراقبہ
و توجہ بہتر باشد (الی ان قال) پس نماز
خفتن را در نصف اخیر از شب گزاردن
و آں تاخیر را وسیلہ تاکید قیام لیل ساختن
بسے مستنکر باشد چہ نزد حنفیہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہم ادای نماز خفتن دراں
وقت مکروہ ست ظاہر آنست کہ ازیں
کراہت کراہت تحریمیہ ارادہ
دارند زیرا کہ ادای نماز خفتن را تا نصف
لیل مباح داشتہ اند و از نصف آن طرف
مکروہ گفتہ اند پس مکروہے کہ مقابل مباح
بود مکروہ تحریمی ست، و نزد شافعیہ
ادای نماز خفتن دراں وقت جائز نیست

خدا سے قریب کرنے والے اعمال یا فرائض ہیں یا
نوافل فرائض کے مقابلہ میں نوافل کا کوئی اعتبار
نہیں ہے اپنے وقت پر کسی فرض کا بجالانا ہزار سالہ
نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے اگرچہ وہ خلوص نیت
سے ادا کیے جائیں خواہ وہ کوئی نفل ہو، نماز و زکوٰۃ
و روزہ ہو یا ذکر و فکر وغیرہ ہوں (آگے فرماتے
ہیں) لہٰذا (فرائض میں) کسی ادب کی رعایت
کرنا اور مکروہ سے اجتناب اگرچہ مکروہ
تنزیہی ہو چہ جائیکہ تحریمی، ذکر و فکر مراقبہ
و توجہ سے بدرجہا بہتر ہوگا (پھر آگے تحریر
فرماتے ہیں) پس نماز عشاء نصف شب کے بعد
ادا کرنا اور اس کو قیام لیل کی تاکید کا وسیلہ بنانا بہت
برا ہوگا اس لیے کہ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم
کے نزدیک نصف شب کے بعد نماز عشاء ادا
کرنا مکروہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس مکروہ سے ان
کی مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ نصف شب تک تو
وہ نماز عشاء ادا کرنے کو مباح کہتے ہیں اور نصف
شب کے بعد مکروہ کہتے ہیں لہٰذا جو مکروہ مباح
کے مقابل ہے وہ مکروہ تحریمی ہے شافعیہ کے
نزدیک تو نصف شب کے بعد نماز عشاء (بطور ادا)
جائز نہیں ہے (پھر آگے چل کر فرماتے ہیں) لہٰذا یہ عمل
کرنا چاہیے اور گذشتہ نمازوں کی قضا پڑھنا

(الیٰ ان قال) پس ایں عمل باید نمود و صلوات
گزشتہ را قضا باید کرد (الیٰ ان قال) و ایضاً
آبِ مستعمل کہ ازالۂ حدث نمودہ باشند یا بہ نیت
قربت استعمالش کردہ باشند در وضو تجویز نکنند
کہ مردم آن آب را نخورند کہ آن آب نزد
امام اعظم نجس مغلظ ست و فقہا منع خوردن
آں آب کردہ اند و خوردن آں را مکروہ داشتہ
اند (پھر بفاصلہ چند سطور ہے) و ایضاً مردم
معتمد نقل کردہ اند کہ بعضے از خلفائے شما را
مریدانِ ایشاں سجدہ مے کنند بہ زمین بوس
ہم کفایت نمے کنند شناعت ایں
فعل اظہر من الشمس ست منع ایشان بکنند
و تاکید در منع نمائید اجتناب ایں
قسم افعال از ہمہ کس مطلوب ست
علی الخصوص شخصے کہ پاقتدائے خلق
خود را برآوردہ باشد اجتناب ایں
قسم افعال او را از اشد ضروریات
ست کہ مقلدان باعمال او اقتدا خواہند
کرد و در بلا خواہند افتاد (پھر بفاصلہ
چند سطور) پس باید ہمچنان کہ در مجلس
شریف از کتب تصوف مذکور مے
شود از کتب فقہیہ نیز مذکور شود و
کتب فقہیہ بہ عبارات فارسی بسیار اند مثل

چاہیے (اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں) اسی طرح
جس پانی سے ازالۂ حدث کیا گیا ہو یا اس کو وضو
میں بنسبت قربت استعمال کیا گیا ہو لوگوں کو اس
کے پینے کی اجازت نہ دیں کیونکہ یہ پانی امام اعظم
کے نزدیک نجس ہے اور فقہا نے اس کے پینے
سے منع کیا ہے اور اس کا پینا مکروہ بتایا
ہے (چند سطروں کے بعد) اور یہ بات
بھی معتمد لوگوں کی زبانی معلوم ہوئی ہے
کہ آپ کے بعض خلفا کو ان کے مریدین
سجدہ کرتے ہیں زمین بوسی پر بھی اکتفا نہیں
کرتے۔ اس فعل کی برائی تو آفتاب سے بھی
زیادہ روشن ہے لہٰذا ان کو منع کیجیے اور
تاکید سے منع کیجیے اس قسم کی باتوں سے
بچنا تو ہر شخص کے لیے ضروری ہے، مگر
اس شخص کے لیے تو خصوصیت سے نہایت
ضروری ہے جو مقتدائے خلق بنے۔ کیونکہ
اس کے مقلد ان اعمال میں اس کی پیروی
کریں گے اور مصیبت میں پڑیں گے۔
(چند سطروں کے بعد) اس لیے چاہیے کہ جس طرح
آپ کی مجلس شریف میں کتب تصوف پڑھی جاتی ہیں
کتب فقہیہ بھی پڑھی جائیں۔ کتب فقہیہ فارسی زبان
میں بھی بہت ہیں مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام،
کنز فارسی، بلکہ اگر کتب تصوف نہ پڑھی

مجموعہ خانی و عمدۃ الاسلام و کتب فارسی بلکہ از کتب تصوّف اگر مذکور نہ شود باک نیست کہ آن باحوال تعلق دارد و در قال درنمے آید و از کتب فقہی زکور ناشدن احتمال ضرر دارد۔ زیادہ چہ اطناب نماید القلیل یدل علی الکثیر ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست۔

جائیں تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ تصوف کا تعلق احوال سے ہے زبان سے بیان کرنے کی چیز نہیں ہے لیکن کتب فقہیہ نہ پڑھے جانے میں نقصان کا احتمال ہے۔ زیادہ کیا طول دیا جائے۔ یہ تھوڑی باتیں بہت سی باتوں کی رہنمائی کرتی ہیں۔ میں نے اپنا تھوڑا سا غم دل آپ کے سامنے بیان کیا اور اس سے ڈرا کہ آپ دل آزردہ ہوں گے ورنہ کہنے کی باتیں بہت ہیں۔)

پھر انہیں حضرت شیخ نظام تھانیسری کو مکتوب ۳۱ دفتر اول حصہ اول میں معارف وحقائق الٰہیہ بیان فرمانے کے بعد ص۸۱ میں لکھتے ہیں:۔

علامت درستی علوم لدنیہ مطابقت ست با صریح علوم شرعیہ۔ اگر سر مو تجاوز ست از سکر ست والحق ما حققہ العلماء من اہل السنۃ والجماعۃ وما سوی ذلک اما زندقۃ والحاد او سکر وقت وغلبہ حال و ایں تمام مطابقت در مقام عبدیت میسر ست در مادری ایں نحوے از سکر متحقق ست ع

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

شخصے از خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالےٰ سرہ الاقدس سوال کرد کہ مقصود از سلوک چیست فرمودند تا معرفت اجمالی تفصیلی گردد۔

علوم لدنیہ کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ صریح علوم شرعیہ کے مطابق ہوں اگر بال برابر بھی اس سے تجاوز ہے تو یہ سکر ہے حق وہ ہے۔ حق وہ ہے جس کو علمائے اہل سنت وجماعت نے حق سمجھا ہے اس کے ماسوا جو باتیں ہیں وہ یا تو زندقہ اور الحاد ہیں یا سکر وقت اور غلبہ حال یہ مطابقت مقام عبدیت میں نصیب ہوتی ہے اس کے ماورا میں کچھ نہ کچھ سکر منرور ہوتا ہے اگر اس کی شرح کروں تو وہ بے حد ہو کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ الاقدس سے سوال کیا کہ سلوک کا مقصد کیا ہے انہوں نے فرمایا تا کہ جو چیزوں کو اجمالاً جانتا ہے ان کو تفصیلاً جانے

واستدلال کشفی شود۔ نہ فرمودند تا معرفت زائد بر معارف شرعیہ حاصل کند اگرچہ در راہ امور زائدہ پیدا مے شوند اما اگر بہ نہایت کار رسانند آن زوائد ہبار منثور گردند وہمان معارف شرعیہ بر وجہ تفصیل معلوم مے گردند واز ضیق استدلال بفضای اطلاق کشف مے آیند۔

اور جن باتوں کو نظر و استدلال سے سمجھتا ہے ان کو کشف سے سمجھ لے حضرت خواجہ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ سلوک کی غرض یہ ہے کہ معارف شرعیہ سے زائد معرفت حاصل ہو اگرچہ اس راہ میں زائد باتیں بھی ظاہر ہوتی ہیں لیکن جب انتہا کو پہنچتا ہے تو یہ زوائد ہباءً منثورا ہو جاتے ہیں اور وہی معارف شرعیہ تفصیلی طریقہ پر معلوم ہوتے ہیں اور سالک استدلال کی تنگی سے نکل کر کشف کی کشادگی میں پہنچ جاتا ہے۔

ابتدا ابتدا میں آپ کو بڑے بڑے مصائب اٹھانا پڑے اور آپ نے آیہ کریمہ ۔ یا بنی اقم الصلوٰۃ وامر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابک پر بڑی اولوالعزمی سے عمل کر کے ایک بہترین نمونہ دنیا کے لیے چھوڑا۔

حالت یہ ہوئی کہ جاہل متصوفین اور دنیادار علماء کو اپنی کساد بازاری کے خطرہ نے مخالفت پر آمادہ کیا اور روافض کو نورجہاں بیگم کی وجہ سے جو امیدیں اپنے مذہب کی اشاعت اور دین اسلام کے فنا کرنے کی قائم ہوگئی تھیں اور یہاں تک وہ کامیاب ہو چکے تھے کہ صوفی اور تفضیلی دو مترادف لفظیں سمجھی جانے لگی تھیں حضرت امام ربانی کی ذات اقدس ان کو سدراہ نظر آئی ۔ ان سب نے مل کر ایک ایسی منظم اور مکمل سازش کی اور حضرت امام ربانی کے خلاف ایسا زبردست پروپیگنڈا کیا جو کامل مصداق وان کان مکرھم لتزدل منہ الجبال کا تھا

اس پروپیگندے کے اثر سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسا متبحر اور دیندار عالم نہ بچ سکا تو پھر بادشاہ اور شاہی دربار کے اراکین کا متاثر ہو جانا کیا بڑی بات تھی۔ بادشاہ کا متاثر ہونا تھا کہ تمام ہندوستان میں آگ لگ گئی۔

بادشاہ (جہانگیر) کو چند مکتوبات قدسیہ کے حوالے قطع و برید کے ساتھ سنائے گئے اور ان کا غلط مطلب سمجھا کر سخت برہم کیا گیا۔ از انجملہ ایک بات یہ سمجھائی گئی۔ کہ شیخ احمد اپنے کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے افضل کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام ربانی کو ان کے متوسلین وقتاً فوقتاً ان ناپاک سازشوں کی اطلاع دیتے تھے تو آپ ان کو لکھ بھیجتے تھے کہ ان باتوں کی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیے تم لوگ اپنے کام میں (یعنی یاد الٰہی میں) مشغول ہو جو جیسا کرے گا اس کا نتیجہ پائے گا کبھی کبھی اپنے مخلصین کو ان بیجا الزامات کا جواب لکھ بھیجتے تھے جو آپ پر لگائے جاتے تھے۔

یہ معاملہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ بادشاہ نے آپ کو طلب کیا آپ تشریف لے گئے اور بادشاہ کو اصل حقیقت سمجھا کر کامل طور پر مطمئن کر دیا مفسدوں نے جب دیکھا کہ ہمارا کیا دھرا سب خاک میں ملا جاتا ہے تو فوراً ایک دوسرا کرتب کیا بادشاہ کو سمجھایا کہ حضور یہ شخص بڑا خطرناک ہے سلطنت کا باغی ہے دیکھیے تمام علمائے کرام سجدہ تعظیمی کے جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں مگر یہ شخص اپنے مکتوبات میں اس شرعی فتوے کی برابر مخالفت کر رہا ہے۔ اس کا بین ثبوت یہ ہے کہ اس شخص کو حکم دیا جائے کہ حضور کو سجدہ کرے یہ کبھی اس حکم پر عمل نہ کرے گا۔ یہ بات بادشاہ کے دل میں اتر گئی اور بادشاہ نے اپنے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا حضرت امام ربانی نے اس حکم پر عمل کرنے سے قطعی انکار کر دیا اور فرمایا کہ سجدہ از روی نص قرآنی خالق کے لیے مخصوص ہے۔ اس سے بڑھ کر حماقت اور بطالت کیا ہوگی کہ ایک مخلوق اپنی ہی جیسی عاجز و محتاج مخلوق کو سجدہ کرے یہ سن کر جہانگیر کی وہی حالت ہوئی جو بہترین انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی شان سن کر خسرو پرویز بادشاہ ایران کی ہوئی تھی ؎

ز تیزی گشت ہر مویش سناتے　　　ز گرمی ہر رگش آتش فشانے

اسی غیظ و غضب کی حالت میں حضرت امام ربانی کے قتل کا حکم صادر ہوا مگر پھر کچھ سوچ سمجھ کر قتل کی بجائے غیر محدود وقت کے لیے قید کا حکم سنایا گیا اور راجن ریاست

گوالیار کا قید خانہ آپ کے قدوم سے رشک جنت بنا ۔

بلے ہر جا رسد حورا سرشتے! اگر دوزخ بود گردد بہشتے!

قید سے رہائی کا واقعہ بھی آپ کی روشن کرامت ہے۔ بادشاہ جہانگیر نے خواب دیکھا خواب کیا قسمت جاگ اٹھی دیکھا کہ سید الخلق اشرف الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم بطور تاسف کے اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جہانگیر! تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا۔"

اس خواب کے بعد فوراً آپ کی رہائی عمل میں آئی۔ مگر دشمنوں نے پھر کچھ کہہ سن کر بادشاہ سے یہ حکم دلوا دیا کہ چند روز آپ ہمارے ساتھ لشکر میں رہیں۔ گو یہ چیز حضرت کے لیے قید سے کم تکلیف وہ نہ تھی لیکن کام جو بنا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت نصیب ہوئی اور اس صحبت نے اس کے باطن کو مزکی کر دیا۔ پھر تو وہ آپ کا غلام تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی۔ شراب وکباب اور دوسرے منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید وشاید۔

وہی بادشاہ جس کے غرور اور بدمستی کی یہ حالت تھی کہ اپنے لیے سجدہ کراتا تھا۔ سجدہ تعظیمی کے جواز کے فتوے علما سے لیے تھے وہی بادشاہ آخر عمر میں کہتا ہے کہ" میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا وہ دستاویز یہ ہے کہ ایک روز مجھ سے شیخ احمد سرہندی نے فرمایا تھا کہ" اگر اللہ تعالےٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے۔"

حضرت امام ربانی ہی کی برکت تھی کہ جہانگیر کے صلب سے شاہجہاں جیسا دین دار بادشاہ اور شاہجہاں کے بعد اورنگ زیب[1] جیسا جامع کمالات صوری و معنوی پیدا ہوا۔

---

[1] اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے علوم شرعیہ کی فراغت کے بعد باقاعدہ سلوک طے کیا تھا۔

جہانگیر کے اقبال نے یہاں تک ترقی کی کہ سرہند میں حضرت امام ربانی کا مہمان بننے اور آپ کے باورچی خانہ کا کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا۔ کھانا اگرچہ بالکل سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی مخالفت ایک لحاظ سے بادشاہ کی مخالفت سے زیادہ اذیت رساں تھی۔ انہوں نے ایک رسالہ بھی حضرت امام ربانی کے خلاف تصنیف فرمایا۔ ناواقفوں اور غیروں کے پتھر کی وہ چوٹ نہیں لگتی جو اپنوں کے پھول کی لگتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حضرت امام ربانی کے خاندان عالی شان سے محبت تو میراث تھی علم شریعت نے اس موروثی محبت کو اور راسخ کر دیا تھی اکہ حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم فرزند و خلیفہ امام ربانی سے درخواست کی کہ میری تعلیم باطنی کے لیے اپنے کسی خلیفہ کو بھیج دیجیے آپ نے اپنے نور نظر حضرت شیخ سیف الدین کو دہلی بھیجا انہیں کی صحبت اور توجہ سے اورنگ زیب کو نسبت باطنی کا لازوال شرف حاصل ہوا جس کی گواہ کتاب رقعات عالمگیری ہے شیخ نے دہلی پہنچ کر امر معروف و نہی منکر کا فریضہ بڑی سختی سے ادا فرمایا بادشاہ نے ایسی سختی قبل از بادشاہی بھی کسی کی برداشت نہ کی ہو گی قلعہ کے دروازہ پر دو ہاتھیوں کی تصویریں مع فیلبان کے تھیں حیات بخش باغ کے حوض میں سونے کی مچھلیاں پڑی ہوئی تھیں جن میں قیمتی جواہر جڑے ہوئے تھے حضرت شیخ نے یہ سب چیزیں تڑوا دیں اورنگ زیب نے حضرت شیخ کی تشریف آوری کا شکریہ حضرت عروۃ الوثقی کو لکھ کر بھیجا جس کا جواب مکتوبات معصومیہ میں یہ ہے۔

"چہ نعمتے ست کہ با ایں ہمہ طمطراق بادشاہی و بدبہ سلطانی کلمہ حق بہ سمع قبول افتد و گفتہ نامردے مؤثر شود"

یہ کیسی بڑی نعمت ہے کہ شاہانہ شان و شوکت اور بادشاہی دبدبہ کے باوجود کلمہ حق قبول کیا جائے اور ایک نامراد کا کہنا موثر ہو۔

حضرت شیخ نے پھر اپنے والد بزرگوار کو بادشاہ کے حالات باطنی کی اطلاع دی جس کا جواب مکتوبات معصومیہ کے دفتر میں یا ایں عبارت ہے،

آنچہ در احوال بادشاہ دین پناہ مرقوم نمودہ بودند از سرایت ذکر در لطائف و حصول سلطان ذکر و رابطہ و قلت خطرات و قبول کلمہ حق و رفع بعضے منکرات و ظہور لوازم طلب ہمہ بوضع پیوست شکر خداوند جل شانہ بجا باید آورد در طبقہ سلاطین ایں

بادشاہ پناہ کے جو احوال تم نے تحریر کیے مثلاً لطائف میں ذکر کا سرایت کرنا اور سلطان ذکر و رابطہ کا حاصل ہونا خطرات کی قلت کلمہ حق قبول کرنا بعض منکرات کا رفع ہونا اور لوازم طلب کا ظاہر ہونا یہ سب بوضاحت معلوم ہوئے اللہ تعالیٰ کا

شیخ ممدوح حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مخصلین و مستفیدین میں سے تھے۔ حضرت امام ربانی نے مکتوبات قدسیہ میں کئی جگہ حضرت شیخ کا تذکرہ فرمایا ہے اور دو ایک مکتوب بھی ان کے نام ہیں حضرت شیخ کی مخالفت چونکہ بدنیتی کے ساتھ نہ تھی لہذا حق تعالےٰ نے ان کو بہت جلد تنبہ عطا فرمایا اور مخالفت سے رجوع کی توفیق دی[۱] بالآخر وہ بھی حضرت امام ربانی کے غایت درجہ معتقد ہو گئے جس کا ذکر انہوں نے اپنے مکاتیب میں کیا ہے۔

---

[۱] حضرت مولانا شاہ غلام علی صاحب کے مکاتیب شریفہ مطبوعہ مدراس کے ص۱۸ میں ہے۔

بدآنکہ جناب شیخ حضرت عبد الحق بعد استفادہ از اکابر قادریہ و چشتیہ از حضرت خواجہ محمد باقی رحمت اللہ علیہ استفاضہ نمودہ اند و بہ یمن صحبت حضرت خواجہ حضور نسبت نقشبندیہ حاصل نمودند و ایں مطلب در رسالہ بیان سلاسل مشائخ خود نوشتہ اند و در رسالہ موصل المرید الی المراد نوشتہ اند کہ نزد انصاف طریقہ نقشبندیہ اقرب طرق ست و برائے حصول فنا و بقا بہتر ازیں طریقہ نیست و در رسالہ انکار حضرت مجدد نوشتہ اند محبتے کہ مرا با شما ست کہ را با شما نخواہد بود شما عزیزید و طریقہ شما عزیز حضرت خواجہ اثبات شما بسیار میکردند و نیز نوشتہ اند کہ یکبار در بارہ شما بجناب الٰہی سبحانہ متوجہ بودم کہ ایں مقامات کہ ایشان میگویند حق ست یا اصلی ندارد آیت شریفہ کہ در رفع اشتباہ حقیقت موسیٰ علیہ السلام نازل شدہ در حق حضرت مجدد بر دل حضرت شیخ عبد الحق نازل شد پس تامل ضرور است و در مکتوبے مرسل بحضرت

جاننا چاہیئے کہ جناب شیخ عبد الحق رح نے اکابر قادریہ و چشتیہ سے مستفید ہونے کے بعد حضرت خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ سے استفاضہ کیا اور حضرت خواجہ کی صحبت کی برکت سے نسبت نقشبندیہ حاصل کی حضرت شیخ نے یہ بات اپنے اس رسالہ میں تحریر کی ہے جو انہوں نے اپنے مشائخ کے سلسلہ کے بیان میں لکھا ہے اور اپنے رسالہ موصل المرید الی المراد میں لکھا ہے کہ "بنظر انصاف دیکھا جائے تو طریقہ نقشبندیہ سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے اور حصول فنا و بقا کے لیے اس طریقہ سے بہتر طریقہ نہیں" ہے نیز حضرت شیخ نے انکار حضرت مجدد والے رسالہ میں لکھا ہے کہ "مجھ کو آپ سے جو محبت ہے وہ کسی دوسرے کو آپ سے نہ ہو گی آپ بھی عزیز ہیں اور آپ کا طریقہ بھی عزیز ہے حضرت خواجہ محمد باقی رح آپ کا اثبات بہت کرتے تھے نیز حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے کہ" ایک مرتبہ آپ کے بارہ میں بارگاہ الٰہی میں متوجہ تھا کہ جو مقامات وہ (حضرت مجدد) بیان

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

المختصر یہ مصائب اس طرح ختم ہو گئے اور آخری نتیجہ یہ رہا کہ حق کی فتح ہوئی اور دشمن ذلیل و

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ)

میرزا حسام الدین خلیفہ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ محمد باقی رحمتہ اللہ علیہما نوشتہ اند کہ غبارے کہ فقیر را بخدمت حضرت شیخ احمد بود رفع شدہ غشاوۂ بشریت نماند بذوق و وجدان در دل چیزے افتادہ کہ با چنیں عزیزان بدنباید بود۔“

کرتے ہیں حق ہیں یا ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ آیت شریف جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کے بارہ میں شبہ دور کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے حضرت شیخ کے دل پر نازل ہوئی لہذا اس پر غور کرنا ضروری ہے اسی طرح حضرت شیخ عبدالحق نے جو خط حضرت مرزا حسام الدین خلیفہ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ محمد باقی رحمتہ اللہ علیہما کو بھیجا ہے اس میں لکھا ہے کہ فقیر کے دل میں حضرت شیخ احمد کی طرف سے جو غبار تھا وہ دور ہو گیا اور بمقتضائے بشریت جو پردہ حائل تھا اب نہیں رہا میرے ذوق و وجدان سے دل میں یہ بات آئی کہ ایسے بزرگوں سے بدگمان نہ ہونا چاہیئے۔

نیز انہیں مکاتیب شریفہ کے صفحہ ۲۹ میں ہے:۔

ایں کمترین درویشاں بلکہ ننگ و عار ایشاں خانہ زاد قادریہ است و بزرگان من قادری بودند پدر م بولایت قادریہ مشرف گشتند مزار ایشاں دلیلے ست بر آن انکار شائع بریں خاندان یعنی خاندان مجددی دریں نافہم اثرے داشت ارادہ الٰہی سبحانہ و تقدیر بایں خاندان مستسعد ساخت لیکن در دل گرفتگی بود پس بمطالعہ کلام و مقامات حضرت مجدد شرفے یافت و مناسبتے بہ فیوض ایشاں رسید

یہ کمترین درویشاں بلکہ ان کیلیے باعث ننگ و عار سلسلہ قادریہ کا خانہ زاد ہے میرے بزرگ قادری تھے اور میرے والد ولایت قادریہ سے مشرف تھے ان کا مزار اس کی دلیل ہے اس خاندان مجددی کا انکار جو مشہور رہے اس نافہم پر بھی اثر انداز تھا۔ ارادہ الٰہی و تقدیر خداوندی سے اس خاندان کی سعادت نصیب ہوئی لیکن دل میں ایک قسم کی کھٹک تھی لہذا حضرت مجدد رح کے کلام و مقامات کا مطالعہ کیا انکے فیوض و برکات سے ایک مناسبت پیدا ہوئی اور وہ سب ادہام

خوار ہوئے اور حضرت امام کے اثرات طیبات روز افزوں ترقی کرتے گئے۔ حضرت ممدوح نے جو خطوط اپنے مخلصین کو ان مصائب میں مبتلا ہونے کی حالت میں لکھے ہیں ان کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوتا ہے۔

مکتوب نمبر ۲۰۴ دفتر اول حصہ سوم صد ۹۶ میں اپنے مرید خاص حضرت میر محمد نعمان بدخشی کو ان کی اس خبر دہی کے جواب میں کہ حضرت والا کے لیے یہ یہ سازشیں ہو رہی ہیں لکھتے ہیں :۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

آں اوہام زائل شد بلکہ رسالہ در جواب حضرت شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کہ بے تحقیق محض باستماع سخنان بے صرفہ گویاں در انکار و اعتراضات بر کلام حضرت مجدد نوشتہ زبان طاعنان دراز ساختند تحریر کردہ ام سبحان اللہ من جاہل کجا و مقابلہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کجا ازیں جا احوال اعتراضات دریافت میشود کہ جاہلے آں اعتراضات بر دارد پس آں اعتراضات قدرے ندارد و حکیم ذکاء اللہ خاں صاحب بعد مطالعہ آں رسالہ فرمودند کہ ایں رسالہ در رد اعتراضات کافی ست ۱۲

زائل ہو گئے بلکہ میں نے حضرت شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کے اس رسالہ کے جواب میں جو انہوں نے بغیر تحقیق محض بے سروپا باتیں کرنے والے لوگوں کی باتیں سن کر حضرت مجدد پر انکار اور ان کے کلام پر اعتراضات کرنے کے لیے تحریر کر کے لوگوں کو زبان طعن دراز کرنے کا موقع دیا ایک رسالہ بھی تحریر کیا ہے سبحان اللہ کہاں میں جاہل اور کہاں حضرت شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ اسی سے ان اعتراضات کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ ایک جاہل ان اعتراضات کو رفع کر دیتا ہے لہذا ان اعتراضات کی کوئی وقعت نہیں ہے حکیم ذکاء اللہ خاں صاحب نے اس رسالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ رسالہ رد اعتراضات میں کافی ہے۔

۲ہ بلکہ حضرت امام ربانی کے دریائے فیض سے مستفیض بھی ہوئے جیسا کہ مکتوبات قدسیہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے ۱۲

خدمت میر محمد نعمان از سخنان پریشان
ارباب خسران محنت نکشند کل یعمل علیٰ
شاکلتہ لائق آنست بمکافات و مجازات
متعرض نشوند و دروغ را فروغ نیست
باعث کسادت بازار آنہا کلمات متناقضہ
آنہا خواہد بود من لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ
من نور، شغلیکہ در پیش دارند در ہماں
کوشند و از غیر آن چشم بپوشند
قل اللہ ثم ذرہم فی خوضہم
یلعبون ؕ

میر محمد نعمان! آپ خسارہ میں رہنے والے لوگوں کی
پریشان باتوں سے رنجیدہ و غمزدہ نہ ہوں ہر شخص
اپنے طریقہ کے موافق عمل کرتا ہے مناسب یہ ہے
کہ انتقام اور بدلہ کے درپے نہ ہوں۔ جھوٹ کو
فروغ نہیں ہے ان کی متضاد باتیں ہی ان کی
کساد بازاری کا باعث ہوں گی جس کے لیے
خدا کی طرف سے روشنی نہیں ہے اس کے
لیے پھر کوئی روشنی نہیں جس کام میں آپ مشغول
ہیں (یعنی یاد الہٰی) اسی میں کوشش کرتے
رہیں۔ دوسری باتوں سے آنکھ بند کرلیں آپ
فرمادیجیے کہ (یہ کتاب) اللہ نے اتاری پھر
ان کو چھوڑ دیجیے کہ وہ اپنی بکواس میں کھیلتے رہیں۔

مکتوب ۱۱۸ دفتر اول حصہ دوم ص ۱۲۱ میں اپنے متعلق معاندین کی ریشہ دوانی سن کر لکھتے ہیں:۔

کتابتے کہ محبت آثاری مولانا قاسم علی
فرستادہ بودند رسید مضمون بوضوح
پیوست قال اللہ تعالیٰ من عمل صالحاً
فلنفسہٖ ومن اساء فعلیہا ط
خواجہ عبد اللہ انصاری مے فرمایند الٰہی
ہر کرا خواہی براندازی باما در اندازی بیت
ترسم آن قوم کہ بردردکشان مے خندند
برسر کار خرابات کنند ایمان را

جو مکتوب محبت آثار مولانا قاسم علی نے بھیجا تھا
پہنچا، مضمون مکتوب واضح ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے کہ جو اچھا کام کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے اور
جو برائی کرے گا اس کا وبال بھی اسی پر ہے، خواجہ
عبد اللہ انصاری فرماتے ہیں کہ خداوندا جس کو تو گرانا
چاہتا ہے اس کو ہم سے بھڑا دے میں ان لوگوں کے
بارے میں جو شراب محبت کا تلچھٹ پینے والوں پر خندہ زنی
کرتے ہیں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ وہ شراب خانہ ہی
میں اپنا ایمان ضائع کردیں گے۔

حق سبحانہ وتعالیٰ کافہ اہل اسلام را از انکار
فقر او طعن در ایشان نگاہ دارد بحرمۃ سید البشر
علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات والسلام

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو فقراء کے انکار اور
ان پر طعنہ زنی کرنے سے محفوظ رکھے بطفیل حضرت
سیّد البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات والسلام۔

مکتوب ۵ دفتر سوم حصہ ہشتم ص۱۲ میں قید خانہ سے حضرت میر محمد نعمان کو لکھتے ہیں :۔

مخفی نماند کہ تا زمانے کہ بعنایت اللہ سبحانہ کہ
آن عنایت بصورت جلال و غضب او تعالیٰ
تجلی فرمودہ بود محبوس قفس زندان نگشتم از
تنگنای ایمان شہودی بالکلیہ نرستم و از پس
کوچہائ ظلال خیال و مثال بتمام نہ برآمدم
و در شاہراہ ایمان بغیب مطلق العنان تبختر
ننمودم و از حضور بہ غیب و از عین بہ علم
و از شہود باستدلال بروجہ کمال نپیوستم
و ہنر دیگراں را عیب و عیب دیگراں را ہنر
بذوق کامل و وجدان بالغ نیافتم و شربہائے
خوشگوار بے ننگی و بے ناموسی و مربا ہائ مزہ دار
خواری و رسوائی را نچشیدم و از جمال طعن و
ملامت خلق حظ نگرفتم و از حسن بلا و جفای
مردم محفوظ نشدم و کالمیت بین یدی الغسال
گشتہ بالکلیہ ترک ارادہ و اختیار نکردم
و رشتہ ہائ تعلق آفاق و انفس را بہ تمام
و کمال نگسستم و حقیقت تضرع و التجا و انابت
و استغفار و ذل و انکسار را بدست نیاوردم
و قسطاس رفیع المنزلت استغنائ حق سبحانہ

مخفی نہ رہے کہ جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت
سے جو اس کے جلال و غضب کے رنگ میں ظاہر
ہوئی ہے قفس زنداں میں محبوس نہیں ہوا تھا ایمان
شہودی کی راہ تنگ سے بالکلیہ آزاد نہیں ہوا تھا
اور سایہ ہائے خیال و مثال کے کوچوں سے پوری
طرح باہر نہیں نکلا تھا اور رفتار مطلق کے غیب
پر ایمان رکھنے کی شاہراہ پر چلنے کی سعادت حاصل
نہیں ہوئی تھی اور حضور سے غیب میں عین سے
علم میں اور شہود سے استدلال میں پوری طرح
داخل نہیں ہوا تھا دوسروں کے ہنر کو عیب اور
ان کے عیب کو ہنر کمال ذوق اور وجدان صحیح کے
ساتھ نہ سمجھ پایا تھا اور بے ننگی و بے ناموسی کا خوشگوار
شربت اور خواری و رسوائی کا خوش ذائقہ مربہ نہ
نہ چکھا تھا اور خلق خدا کی ملامت و طعنہ زنی کے
جمال سے لطف اندوز اور لوگوں کی جفا و بلا کے
حسن سے محفوظ نہ ہوا تھا اور مردہ بدست زندہ
بن کر اپنے ارادہ و اختیار سے بالکلیہ دستبردار نہ
ہوا تھا اور آفاق و انفس سے تعلق کے رشتے بتمام و کمال
نہ ٹوٹے تھے اور تضرع و التجا و انابت و استغفار و ذلت و انکسار کی

راکہ محفوف بہ سرادقات عظمت وکبریائی ست مشاہدہ نمودم وخود را بندہ خوار وزار و ذلیل وبے اعتبار و بے ہنر و وبے اقتدار و باکمال احتیاج وافتقار معلوم نساختم "وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی لغفور رحیم" اگر محض فضل تواتر فیوض وواردات الٰہی جل سلطانہ وتوالی عطیات والعامات نامتناہی او سبحانہ دریں محنت کدہ شامل حال ایں شکستہ بال نمے شد نزدیک بود کہ معاملہ بہ یاس رسد ورشتہ امید گسستہ گردد والحمد للہ الذی عافانی فی عین البلاء واکرمنی فی نفس الجفاء واحسن لی فی حالۃ العناء ووفقنی علی الشکر فی السراء والضراء وجعلنی من متابعی الانبیاء ومن مقتفی آثار الاولیاء ومن محبی العلماء والصلحاء صلوات اللہ سبحانہ وتسلیماتہ علی الانبیاء اولاً وعلی متابعیھم ثانیاً۔

حقیقت معلوم نہ ہوئی تھی استغنائے حق سبحانہ و تعالیٰ کی میزان بلند رتبہ جو عظمت وکبریائی کی قناتوں سے گھری ہوئی ہے مشاہدہ میں نہ آئی تھی اور اپنے کو ایک بندہ خوار وزار، ذلیل و بے اعتبار، بے ہنر و بے اقتدار اور سراپا احتیاج وافتقار معلوم نہ کر سکا تھا "وما ابرئ" میں اپنے نفس کی براءت نہیں کرتا یقیناً نفس برائی پہ بہت آمادہ کرنے والا ہے سوائے اس کے کہ میرا رب مجھ پر رحم کرے اس میں شبہ نہیں کہ میرا رب بہت مغفرت کرنے والا مہربان ہے اگر محض فضل خداوندی سے فیوض وواردات الٰہی کا تسلسل اور اس کے غیر متناہی انعامات وعطیات کا پے درپے ظہور اس محنت کدے میں مجھ جیسے شکستہ پر کے شامل حال نہ ہوتا تو قریب تھا کہ معاملہ یاس ونا امیدی کی حد کو پہنچ جاتا اور رشتہ امید شکستہ ہوجاتا حمد ہے اس خداوند کی جس نے مجھ کو عین بلا میں عافیت عطا فرمائی اور ظلم وجفا میں عزت بخشی اور مشقت وتکلیف میں مجھ پر احسان کیا اور راحت ومصیبت میں شکر کی توفیق دی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والوں اولیاء کرام کے نقش وقدم پر چلنے والوں علماء وصلحاء سے محبت رکھنے والوں میں داخل فرمایا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں انبیاء کرام پر اولاً اور

ان کے متبعین پر ٹا بنیاً۔

مکتوب ۶ دفتر سوم حصہ ہشتم ص ۱۵ اپنے مخلص حق گزیں شیخ بدیع الدین کو قید خانہ سے لکھتے ہیں :۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی صحیفہ شریفہ کہ مصحوب شیخ فتح اللہ ارسال داشتہ بودند رسید از جفا و ملامت خلق نوشتہ بودند آں خود جمال ایں طائفہ است و صیقل زنکار ایشان ست باعث قبض و کدورت چرا باشد ادائل حال کہ فقیر بایں قلعہ رسید محسوس مے شد کہ انوار ملامت خلق از بلاد و قریٰ در رنگ سحابہائے نورانی پے در پے میرسند و کار را از حضیض باوج مے برند۔ سالہا بہ تربیت جمالی قطع مراحل مے نمودند الحال بہ تربیت جلالی قطع مسافت نمایند و در مقام صبر بلکہ در مقام رضا باشند و جمال و جلال را مساوی دانند نوشتہ بودند کہ از وقت ظہور فتنہ نہ ذوق ماہ است و نہ حال باید کہ ذوق حال مضاعف باشد کہ جفای محبوب از وفاعی او بیشتر لذت بخش ست چہ بلا شد کہ در رنگ عوام سخن کردہ اید و دور از محبت ذاتیہ رفتہ وبید برخلاف گذشتہ جلال را بیش ایلام را

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی آپ کا صحیفہ شریفہ جو شیخ فتح اللہ کے ہمراہ بھیجا تھا پہنچا آپ نے جفا و ملامت خلق کے بارے میں تحریر فرمایا تھا یہ تو اس گروہ سالکین کا حسن اور ان کے زنگ کے لیے صیقل ہے لہذا باعثِ دل تنگی و کدورت کیوں ہو جب یہ فقیر اس قلعہ میں پہنچا تو اوائل حال ہی میں محسوس ہوتا تھا کہ ملامت خلق کے انوار شہروں اور دیہاتوں سے نورانی بادلوں کی طرح پے در پے پہنچ رہے ہیں اور میرے معاملہ کو پستی سے بلندی کی طرف لیے جا رہے ہیں، برسوں تربیت جمالی سے میری منزلیں طے کرائی گئیں اب تربیت جلالی سے قطع مسافت کرائی جا رہی ہے لہذا آپ مقام صبر بلکہ مقام رضا میں رہیں اور جمال و جلال کو مساوی جانیں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ جس وقت سے اس فتنہ کا ظہور ہوا ہے نہ ذوق باقی رہا ہے نہ حال حالانکہ ذوق و حال مضاعف ہونا چاہیئے اس لیے کہ محبوب کی جفا اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہے یہ کیا مصیبت آئی کہ آپ نے عوام کے رنگ میں کلام کیا ہے اور محبت ذاتیہ سے دور چلے گئے ہیں لہذا اب گذشتہ بات کے برخلاف جلال و ایلام کو انعام سے زیادہ اور برتر

زیادہ از انعام تصور نمایند زیراکہ در جمال و انعام مراد محبوب مشوب بمراد خود ست و در جلال و ایلام خالص مراد محبوب ست و خلاف مراد خود ست اینجا وقت و حال ورای وقت و حال سابق ست شتان ما بینہما از زیارت حرمین شریفین نوشتہ بودند چہ مانع ست حسبنا اللہ و نعم الوکیل ۔

تصور کریں اس لئے کہ جمال والعام میں مراد محبوب کے ساتھ اپنی مراد کا بھی شائبہ ہوتا ہے اور جلال وایلام (تکلیف) میں اپنی مراد کے برخلاف صرف مراد محبوب ہوتی ہے، اس وقت جو کیف وحال ہے وہ پہلے کیف وحال سے مادرا ہے آپ نے زیارت حرمین شریفین کے بارے میں لکھا تھا تو اس میں کیا مانع ہے

مکتوب ۶۵ دفتر دوم حصہ ہفتم ص۱۷ میں اپنے خادم رفیع المکان میرزا مظفر خاں کو لکھتے ہیں ۔

ورود محن و بلیات و نوبہ بر دوستان را کفارات ست مرزلات ایشان را ۔ بہ تضرع و زاری و بالتجا و انکسار عفو و عافیت از جناب قدس او تعالیٰ باید طلبید تا زمانے اثر اجابت مفہوم شود و تسکین فتن معلوم گردد ہر چند دوستان و خیر اندیشاں در ہمیں کار اند اما صاحب معاملہ احق بایں کار ست دارو خوردن و پرہیز نمودن کار صاحب مرض ست دیگران بیش از اعوان او نیستند در ازالۂ مرض حقیقت معاملہ آں ست کہ ہر چہ از محبوب حقیقی برسد باکشادگی جبین و بافراخی سینہ او را بمنت قبول باید کرد بلکہ آں متلذذ

درود محن اور مصائب وبنوبہ دوستوں کے لیے ان کی لغزشوں کا کفارہ ہیں تضرع وزاری اور التجاؤ انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں عفو و عافیت طلب کرنا چاہیئے یہاں تک کہ قبولیت کے آثار پیدا ہوں اور فتنوں کی تسکین معلوم ہو اگرچہ میرے دوست اور خیر اندیش اسی کام میں مشغول ہیں لیکن صاحب معاملہ پر اس کام کا حق زیادہ ہے۔ دوا پینا اور پرہیز کرنا بیمار کا کام ہے۔ دوسرے لوگ ازالۂ مرض میں اس کے مددگار ہونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے حقیقت معاملہ یہ ہے کہ محبوب حقیقی کی طرف سے جو (تکلیف) بھی پہنچے اس کو کشادہ روئی اور فراخ دلی کے ساتھ احسان مند ہو کر قبول کرنا چاہیئے بلکہ اس سے لطف اندوز

باید گشت رسوائی و بے ناموسی کہ مراد محبوب	ہونا چاہیئے جو رسوائی و بے ناموسی محبوب کو مطلوب
ست نزد محب بہتر از ناموس وننگ و نام	ہو وہ محب کے نزدیک اس ناموس اور ننگ و
ست کہ مراد نفس اوست اگر ایں معنی در	نام سے بہتر ہے جو اس کے نفس کو مطلوب ہو اگر
محب حاصل نگردد در محبت ناقص ست	محب میں یہ بات پیدا نہ ہو تو وہ محبت میں ناقص
بلکہ کاذب ۔	بلکہ کاذب ہے اگر سلطان دین مجھ سے طمع کا
گر طمع خواہد زمن سلطان دیں	طالب ہے تو پھر قناعت کے سر پر خاک ہے۔
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں	

مکتوب ۱۵ دفتر سوم حصہ ہشتم صد ۲۴ حضرت میر محمد نعمان کو قید خانہ سے لکھتے ہیں :۔

سیادت پناہ اخوی میر محمد نعمان را معلوم بودہ	سیادت پناہ اخوی میر محمد نعمان کو معلوم ہوا ہوگا
باشد کہ مفہوم شد کہ ہر چند یاران خیر اندیش	کہ میرے خیر اندیش دوستوں نے ہر چند میری رہائی
در تشبث اسباب خلاصی کوشیدند سود مند	کے اسباب پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ
نیامد الخیر فیما صنع اللہ سبحانہ، پارہ ازیں امر	نتیجہ نہ نکلا جو کچھ خدا نے کیا وہی بہتر ہے بمقتضائے
بمقتضائے بشریت حزنے پیدا شد و در سینہ	بشریت مجھ کو بھی اس سے کچھ رنج ہوا اور دل میں
تنگی ظاہر گشت بعد از زمانے بفضل حق جل	کچھ تنگی ظاہر ہوئی لیکن تھوڑے ہی زمانہ میں
سلطانہ آن ہمہ حزن و تنگی سینہ بہ فرح و شرح	اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ رنج اور دل تنگی
صدر مبدل گشت و بہ یقین خاص دانست کہ	فرحت و شرح صدر سے بدل گئی اور یقین خاص
اگر مراد ایں جماعت کہ در صدد آزار اند موافق	سے معلوم ہوا کہ اگر اس جماعت کی مراد جو میرے
مراد حق ست جل سلطانہ پس کرہ و تنگی	درپے آزار ہیں اللہ جل سلطانہ کی مراد کے موافق
سینہ بےمعنی ست و منافی دعوی محبت ست	ہے تو پھر اس پر ناپسندیدگی اور دل تنگی بے معنی
چہ ایلام محبوب در رنگ انعام او نیز محبوب و	اور دعویٰ محبت کے منافی ہے کیونکہ ایلام محبوب
مرغوب محب ست چنانکہ از انعام محبوب	اس کے انعام ہی کی طرح محب کو محبوب و مرغوب
لذت میگیرد از ایلام او نیز ملتذ مے گردد بلکہ	ہوتا ہے محب جس طرح محبوب کے انعام میں لذت
در ایلام او لذت بیشتر مے یابد کہ از	پاتا ہے اس کے ایلام میں بھی مزہ پاتا ہے بلکہ اس کے

شائبہ حظ نفس و مراد او مبرا است و چون حضرت
حق سبحانہ و تعالیٰ کہ جمیل مطلق ست آزار این
کس خواستہ باشد ہر آئینہ این ارادہ
او تعالیٰ نیز در نظر این کس بعنایت او
سبحانہ و تعالیٰ جمیل ست بلکہ سبب التذاذ
ست و چون مراد این جماعت موافق مراد حق
ست سبحانہ و این مراد دریچہ ظہور آن مراد
ست ہر آئینہ مراد اینہا نیز بنظر مستحسن و موجب
التذاذ ست فعل شخصے کہ مظہر فعل محبوب بود
فعل آن شخص نیز در رنگ فعل محبوب محبوب
ست و آن شخص فاعل بعلاقہ این نظر نیز در
نظر محب محبوب مے در آید عجب معاملہ است
ہر چند جفا ازین شخص بیشتر متصور بود در نظر
محب زیباتر مے آید کہ نمایندگی صورت غضب
محبوب بیشتر دارد کار دیوانگان این راہ دگر
گونہ است۔ پس بدی آن شخص خواستن وازوی
بدل بودن منافی محبت محبوب بود کہ آن شخص
بیش از مرآت فعل محبوب ہیچ نیست۔
جمعے کہ متصدی آزار اند در نظر محبوب مے
در آیند نسبت بسائر خلائق۔ یاران بگویند
کہ تنگیہائے سینہ را در سازند و بہ جماعتے
کہ در صدد آزار اند بد نباشند بلکہ از فعل
آنہا لذت گیرند۔ آرے چون بہ دعا یا

ایلام میں زیادہ لذت پاتا ہے کیونکہ یہ صورت
حظ نفس کے شائبہ سے خالی اور مراد نفس سے
پاک ہوتی ہے اور جب حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ
جو جمیل مطلق ہے اس شخص کو تکلیف ہی میں
رکھنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی بعنایت
الٰہی اس شخص کی نظر میں جمیل ہے بلکہ لطف اندوز
ہونے کا سبب ہے اور چونکہ اس جماعت کی
مراد حق سبحانہ کی مراد کے موافق ہے بلکہ ان کی
مراد اللہ تعالیٰ کی مراد ظاہر ہونے کا دروازہ ہے
اس لیے اس جماعت کی مراد بھی یقیناً اس کی
نظر میں مستحسن اور باعث لذت ہے جس شخص
کا فعل محبوب کے فعل کا مظہر ہو تو اس شخص کا
فعل بھی محبوب ہی کے فعل کی طرح محبوب ہوتا
ہے اور اس فعل کا کرنے والا بھی اس علاقہ کی وجہ
سے محب کی نظر میں محبوب ہوتا ہے اس شخص سے
جس قدر جفا زیادہ ہوتی ہے اسی قدر محب کی نظر
میں حسین معلوم ہوتا ہے کیونکہ غضب محبوب کی
صورت کی نمائندگی اس میں زیادہ ہوتی ہے اس راہ
کے دیوانوں کا معاملہ ہی جداگانہ ہے۔ لہٰذا اس شخص
کی برائی چاہنا اور اس سے بددل ہونا محبت محبوب
کے منافی ہے کیونکہ یہ شخص صرف محبوب کے فعل کا آئینہ
ہے اور بس اس لیے جو لوگ درپے آزار ہیں وہ دوسروں
سے زیادہ محبوب نظر آنا چاہئیں آپ دوستوں سے

موریم و حضرت حق سبحانہ را دعا و التجا و تضرع
و زاری خوش مے آید دعائے دفع بلیہ مے نمایند و
سوال عفو و عافیت کنند و آن کہ مرآت صورت
غضب گفتہ شدہ زیرا کہ حقیقت غضب
نصیب اعدا است با دوستان بصورت
غضب ست و بحقیقت عین رحمت ست
درین صورت غضب چنداں منافع محب
ودیعت نہادہ اند کہ چہ شرح دہد۔ نیز
در صورت غضب کہ بدوستان مے فرماید
خرابی جماعت منکران ست و باعث
ابتلائے ایشان و معنی عبارات شیخ محی الدین
عربی قدس سرہ معلوم نمودہ باشند کہ گفتہ
ست عارف را ہمت نیست یعنی ہمتے
کہ قصد دفع بلیہ شود از عارف مسلوب
ست زیرا کہ چون بلیہ را عارف از محبوب
داند و مراد محبوب تصور نماید بدفع آن چہ
نوع ہمت بندد و در رفع آن چگونہ خواہد اگرچہ
بصورت دعائے دفع بر زبان آرد از جہت
امتثال امر دعا اما فی الحقیقت ہیچ نے خواہد و
بانچہ میرسد ملتذ ست والسلام علیٰ من
اتبع الہدیٰ۔

کہہ دیں کہ وہ دل کی تنگی دور کریں اور جو لوگ درپے
آزار ہیں ان کی طرف سے بددل نہ ہوں بلکہ ان کے فعل سے
لذت حاصل کریں ہاں چونکہ ہم کو دعا کرنے کا حکم ہے
اور حضرت حق سبحانہ کو دعاؤ التجا اور تضرع و زاری
پسند ہے اس لیے دفع مصائب کی دعا کریں اور
عفو و عافیت کی درخواست کریں اور جو میں نے
(جور و جفا کو) صورت غضب کا آئینہ کہا ہے تو اس
کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت غضب دشمنوں کا حصہ ہے
دوستوں کے لیے صورتاً غضب ہے اور حقیقتاً عین
رحمت اس صورت غضب میں محب کے لیے اتنے منافع
ودیعت رکھے گئے ہیں کہ اس کی شرح کیا بیان کی جائے
نیز صورت غضب میں جو دوستوں کو عطا ہوتی ہے منکروں
کی بربادی ہے اور وہ ان کی ابتلاء کا باعث ہے اور شیخ محی الدین
عربی قدس سرہ کی عبارت کا مطلب آپ کو معلوم ہوگا
کہ عارف میں ہمت نہیں ہوتی یعنی وہ ہمت جو مصیبت
دفع کرنے کا قصد کرے عارف سے مسلوب ہے کیونکہ جب
عارف مصیبت کو محبوب کی طرف سے سمجھے گا اور مراد محبوب
تصور کرے گا تو اس کو دفع کرنے کی کس طرح ہمت باندھے
گا اور اس کو دور کرنے کی کس طرح خواہش کرے گا اگرچہ
صورتاً اس کے دور ہونے کی دعا زبان سے کرے گا محض
حکم دعا کی تعمیل کیلیے لیکن حقیقتاً وہ کچھ نہیں چاہتا جو
مصیبت اس کو پہنچتی ہے اس سے لذت حاصل کرتا
ہے والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

ان مکتوبات قدسیہ کو دیکھو حق تعالیٰ کے ساتھ کیسا صحیح تعلق تھا اور کیسی بے مثال محبت تھی کہ ایسی تکالیف میں بھی اس کی طرف سے نظر نہ ہٹی اور چونکہ وہ تکالیف محبوب کی طرف سے تھیں لہذا ان میں کیسی لذت مل رہی ہے کیوں نہ ہو نص قرآنی ہے۔ والذین امنوا اشد حبا للہ ؂

اس آخری خط میں جواب ہے ان جذبات کا جو حضرت میر محمد نعمان اور دوسرے خدام عالی مقام کے دل میں پیدا ہو رہے تھے کہ ہمت باطنی کے ساتھ بددعا کر کے موذیوں کو برباد کر دیا جائے اور یہ چیز ان حضرات کے لیے کچھ مشکل نہ تھی جن کے حق میں ارشاد نبوی ہے ہے کہ لو اقسم علی اللہ لابرہ ۔ وہ چاہتے تو سلطنت تہ و بالا ہو جاتی۔ ولنعم ما قال العارف الشیرازی فی امثالھم ؂

گرد ہے عملدار عزلت نشین	قدمہائے خاکی دم آتشین
بیک نالہ ملکے بہم برکنند	بیک نعرہ کوہے زجا برکنند
قوی بازو وانند کوتاہ دست	خردمند دیوانہ ہشیار مست

حضرت امام ربانی نے ان جذبات کو ٹھنڈا کر دیا اور بجائے ان انتقامی جذبات کے ان موذیوں کے لیے دعائے خیر کے جذبات دلوں میں بھر دیئے۔

آں کشتہ ہیچ حق محبت ادا نکرد	گز بہر دست و بازوئے قاتل دعا نکرد

مکتوب ۲۹ دفتر دوم حصہ ششم ص۶۷ میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح کو قید خانہ سے لکھتے ہیں۔

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ	الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ
مخدوما مکرما درد و مصائب ہر چند تحمل	تمام تعریفیں ہیں اللہ کے لیے اور صلوٰۃ و
اذی است اما امید کرانتہا است بہترین	ہے خدا کے برگزیدہ بندوں پر مخدوما مکرما!
امتعہ این نشأۃ حزن و اندوہ ست وگوارا	تکلیف و مصیبت میں اگرچہ مشقتیں برداشت
ترین نعم این مائدہ الم و مصیبت این شکر	کرنا پڑتی ہیں لیکن خدا کی عنایتوں اور مہربانیوں
یارہا را ابدا ردی تلخ غلاف رقیق فرمودہ اند	کی امید ہوتی ہے اس دنیا کا بہترین سازوسامان

وبایں حیلہ راہ ابتلا دا نمودہ ۔ سعادتمنداں
نظر بر حلاوت آنہا انداختہ آں تلخی را در رنگ
شکر مے خایند و مرارت را بر عکس صفرائی
شیریں مے یابند چرا شیریں نیابند کہ افعال
محبوب ہمہ شیریں اند علتی مگر آں را تلخ یابد کہ
بماسوی گرفتار ست ۔ دولتمنداں در ایلام
محبوب آں قدر حلاوت و لذت مے یابند کہ
در انعام او متصور نباشد ہر چند کہ ہر دو از
محبوب اند لیکن در ایلام نفس محب را مدخلے
نیست و در انعام قیام براد نفس ست ع

ہنیئاً لارباب النعیم نعیمہا

اللہم لا تحرمنا اجرہم ولا تفتنا بعدہم
وجود شریف الیشان دریں غربت اسلام
اہل اسلام را مغتنم ست ۔ سلمکم اللہ سبحانہ
و ابقاکم و السلام ۔

رنج وغم ہے اور اس دستر خوان کی بہترین نعمت
تکلیف و مصیبت ہے ان شکر پاروں پہ تلخ
دوا کا رقیق غلاف لپیٹ دیا گیا ہے اور اس تدبیر
سے امتحان و آزمائش کا راستہ کھولا گیا ہے
جو لوگ سعادت مند ہیں وہ اس کی شیرینی پر
نظر رکھتے ہیں اور اس تلخی کو شیرینی کی طرح
تناول کرتے ہیں اور ان کو صفراوی کے برعکس
یہ تلخ شیریں معلوم ہوتا ہے اور شیریں کیوں
نہ معلوم ہو جبکہ محبوب کا ہر فعل شیریں ہوتا
ہے ہاں بیمار کو وہ تلخ معلوم ہوتا ہے کیونکہ
وہ ماسوا اللہ کی محبت میں گرفتار رہتا ہے
قسمت والوں کو ایلام میں جو حلاوت و لذت
ملتی ہے انعام میں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا
اگرچہ دونوں ہی محبوب کی جانب سے
ہیں لیکن ایلام میں محب کی خواہش نفس کا کچھ
دخل نہیں ہوتا مگر انعام میں خواہش نفس کا بھی
دخل ہے اس لیے نعمتیں اصحاب نعمت
ہی کو مبارک ہوں اے اللہ تو ہم کو اپنے چاہنے
والوں کے اجر سے محروم نہ کرنا اور ان کے بعد
ہم کو آزمائش میں نہ ڈالنا جناب کا وجود مبارک
اس غربت اسلام کے زمانہ میں مسلمانوں کے
لیے مغتنمات میں سے ہے اللہ تعالیٰ آپ کو
سلامت و باقی رکھے والسلام ۔

غالباً شیخ نے اس مصیبت میں ہمدردی کا خط بھیجا ہوگا یہ اسی کا جواب ہے۔

مکتوب ۱۲ دفتر سوم حصہ ہشتم صدٔ صاحبزادگان عالی شان حضرت خواجہ محمد سعید اور حضرت خواجہ محمد معصوم کو قید خانہ سے لکھتے ہیں:۔

الحمد للہ رب العالمین فی السراء والضراء وفی الیسر والعسر وفی النعمۃ والنقمۃ وفی الرحمۃ والزحمۃ وفی الشدۃ والرخاء وفی العطیۃ والبلاء والصلاۃ والسلام علی من ما اوذی نبی مثل ایذائہ وما ابتلی رسول نحو ابتلائہ لطفاً صار رحمۃ للعالمین وسید الاولین ؛

حمد ہے اللہ تعالیٰ کی جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی فراخی میں بھی اور تنگی میں بھی آرام میں بھی اور تکلیف میں بھی رحمت میں بھی اور زحمت میں بھی سختی میں بھی اور نرمی میں بھی عافیت میں بھی اور آزمائش میں بھی اور صلوٰۃ و سلام ہے اس ذات مقدس پر جس کے برابر کسی نبی کو ایذا انہیں پہنچائی گئی اور جس کے مثل کسی رسول کی آزمائش نہیں ہوئی اس لیے وہ ذات مبارک رحمۃ للعالمین اور سید الاولین و الآخرین ہوئی فرزندان گرامی ابتلاو

فرزندان گرامی وقت ابتلاء ہر چند تلخ و بے مزہ ست اما اگر فرصت دہند مغتنم ست دریں وقت چون شمارا فرصت دادہ اند حمد خدا جل شانہ بجا آوردہ متوجہ کار خود باشند و یک لمحہ و لحظہ فراغت بر خود تجویز نکنند و یکے از سہ چیز باید کہ خالی ازاں نباشند تلاوت قرآن مجید و ادائے نماز بطول قراءت و تکرار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ باید کہ بکلمہ لا نفی الہہ ہوائے نفس خود نمایند و دفع مقاصد و مرادات خویش کنند۔ مراد خود طلبیدن دعویٰ الوہیت خود کردن ست باید کہ ہیچ مرادے را در ساحت سینہ گنجائش نبود و

آزمائش اگرچہ تلخ و بے مزہ ہے لیکن اگر خدا کی طرف سے اس کا موقع ملے تو بہت غنیمت ہے اس وقت چونکہ خدا نے تم کو فرصت دی ہے اس لیے اس کا شکر بجا لاؤ اور اپنے کام میں متوجہ رہو اور ایک لمحہ و لحظہ اپنے لیے فراغت جائز نہ سمجھو اور تین باتوں سے خالی نہ رہو قرآن مجید کی تلاوت طول قراءت کے ساتھ نماز اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ۔ کی تکرار حرف لا سے ہوائے نفس کے معبودوں کی نفی کرنا چاہیئے اور اپنے مقاصد و مطالب کو دفع کرنا چاہیئے اپنی مراد کا طلب

ہیچ ہوائے در متخیلہ نماند تا حقیقت بندگی
متحقق شود مراد خود خواستن مستلزم
دفع مراد مولائی خود است و معارضہ کردن
ست بصاحب خود ایں معنی مستلزم
نفی مولائی خدا است و اثبات مولویت
خود۔ قبح ایں امر را نیک دریافتہ نفی
دعوی الوہیت خود نمایند تا زمانے
کہ از ہوا و ہوسہا بتمام پاک نگروند
جز مراد مولی مرادے نداشتہ باشند
ایں معنی بعنایۃ اللہ سبحانہ امید ست
کہ در ایام بلا و در اوقات ابتلا بسہولت
میسر گردد و در غیر ایں ایام ایں ہوا و
ہوسہا سدہای سکندریہ ست در گوشہ
باخزیدہ بایں امر مشتغل باشند کہ فرصت
مغتنم ست و در زمان فتن اندک را بہ
بسیار قبول می نمایند و در غیر زمان فتن
ریاضات و مجاہدات شاقہ درکار ست
خبر شرط ست ملاقات واقع شود یا نہ۔
نصیحت ہمیں ست کہ مرادے و ہوسے
نماند۔ والدہ خود را نیز بایں معنی مطلع
سازند و دلالت نمایند باقی احوال
ایں نشاۃ چوں گذرندہ ست چہ
در معرض بیان آرد ... خورد ... [illegible]

کرنا اپنی الوہیت کا دعوی کرنا ہے، سینے میں اپنی کسی
مراد کی گنجائش نہ رہنا چاہیئے اور قوت خیالیہ میں کوئی
ہوس باقی نہ رہنا چاہیئے تاکہ بندگی کی حقیقت حاصل
ہو اپنی مراد طلب کرنا اپنے مولا کی مراد دفع کرنا ہے
اور اپنے مالک سے معارضہ و مقابلہ کرنا جس کا مطلب
خدا کی آقائی کی نفی اور اپنے آقا و مولا ہونے کا اثبات
ہے اس بات کی قباحت کو اچھی طرح سمجھ کر اپنے
دعوی الوہیت کی نفی کرو اور یہ سلسلہ اس وقت
تک جاری رکھو جب تک ہر قسم کی ہوا و ہوس سے
بالکل پاک نہ ہو جاؤ اور سوائے مراد مولا کے کوئی
مراد باقی نہ رہے اللہ تعالی کی عنایت سے امید
ہے کہ یہ بات ایام مصائب اور اوقات آزمائش
میں بآسانی حاصل ہوگی دوسرے زمانہ میں یہ ہوا
ہوس سد سکندری ہے جس کو عبور کرنا دشوار
ہے لہذا گوشہ نشین ہو کر اس کام میں مشغول
ہو جاؤ کیونکہ یہ فرصت کا موقع غنیمت ہے اللہ تعالی
فتنہ کے وقت زیادہ عمل کی جگہ تھوڑا عمل قبول
فرماتا ہے فتنہ کا زمانہ نہ ہو تو سخت ریاضتوں
اور مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے حقیقت سے
باخبر ہونا ضروری ہے ملاقات ہو یا نہ ہو نصیحت
یہی ہے کہ کوئی مراد اور کوئی خواہش باقی نہ رہے
اپنی والدہ کو بھی اس بات سے آگاہ و باخبر کردیں باقی
اس زندگانی کے احوال چونکہ گذر جانے والے ہیں

شفقت دارید و بخواندن ترغیب نمائید و
این حقوق را تا توانید از ما راضی سازید و
بدعای سلامتی ایمان ممد و معاون باشید
کرر و مؤکد نوشتہ مے شود این وقت
را با مور لا طائل صرف نکنند و بغیر ذکر الٰہی
جل شانہ باید کہ بہ ہیچ چیز نہ پردازند اگرچہ
مطالعہ کتب و تکرار طلبہ بود. وقت ذکر
است. ہوا ہای نفسانی را کہ آلہہ باطلہ اند در
تحت لا آرند تا تمام منتفی شوند و ہیچ مرادے و
مقصودے در سینہ نماند حتی کہ خلاصی من کہ بالفعل
از اہم مقاصد شما است نیز باید کہ مراد شما نباشد و بہ
تقدیر و فعل و ارادہ او تعالیٰ راضی باشند و در
جانب اثبات کلمہ طیبہ غیر از غیب ہویت
کہ ورای وراء معلومات و متخیلات ست
ہیچ نباشد مثلاً غم حویلی و مراد چاہ و باغ
و کتب و اشیای دیگر خوبہن است باید کہ
ہیچ چیز مزاحم وقت شما نشود و غیر از مرضیات
حق جل و علا مراد و مرضی شما نباشد اگر بالفرض
این ہمہ اشیاء میر فت گو در حیات ما رفتہ باشد
ہیچ فکر نکنند. اولیا این امور را باختیار خود
گذاشتہ اند ما باختیار او تعالیٰ این امور را
بگذاریم و شکر بجا آریم و امید ست کہ از
مخلصان باشیم بفتح لام. جائیکہ

ہم نے کیا بیان کئے جائیں. چھوٹوں پر شفقت رکھنا
اور ان کو پڑھنے کی ترغیب دیتے رہنا. جن لوگوں کے
حقوق مجھ پر ہیں جہاں تک ہو سکے ان کو میری جانب
سے راضی رکھنا اور سلامتی ایمان کی دعا میں میرے
مددگار و معاون رہنا. بتاکید مکرر تحریر کیا جاتا ہے
کہ یہ وقت لاحاصل باتوں میں ضائع نہ کرنا اور سوائے
ذکر الٰہی کے اور کسی بات میں مشغول نہ ہونا چاہئے وہ
کتابوں کا مطالعہ اور طلبہ سے مذاکرہ ہی کیوں نہ ہو وہ یہ
وقت ذکر کا ہے خواہشات نفسانی کو جو معبودان باطلہ ہیں
لا کے تحت لاؤ تاکہ سب منتفی ہو جائیں اور دل میں کوئی
مقصود اور مراد باقی نہ رہے حتیٰ کہ میری رہائی جو اس
وقت تمہارا مقصد اہم ہے. وہ بھی تمہاری مراد نہ رہی
اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کے فعل و ارادہ پر راضی رہو
اور کلمہ طیبہ کے جزو اثباتی میں سوائے ذات غیب الغیب
کے جو تمام معلومات و خیالات سے وراء الوراء ہے
تمہارا کچھ مقصود نہ ہو. حویلی اور سرائے چاہ اور باغ
کتابوں اور اشیائے دیگر کی فکر توہم ہے ان میں سے
کوئی چیز تمہارے وقت عزیز میں مزاحم نہ ہو اور بجز
مرضیات حق کے تمہاری کوئی مراد اور خواہش نہ ہو اگر ہم مر جاتے
تو یہ چیزیں بھی نہ رہتیں اس لیے اگر ہماری زندگی ہی
میں نہ رہیں تو تم فکر نہ کرو اولیاء اللہ نے ان چیزوں کو
اپنے اختیار و ارادہ سے ترک کیا ہے ہم اللہ تعالیٰ
کے ارادے اور اختیار سے ترک کر دیں امید ہے کہ

شستہ اند بعض را وطن انگاشتہ حیات
چند روزہ ہر جا کہ گزرد باید کہ بیاد حق جل
شانہ گزرد معاملہ دنیا سہل است متوجہ
آخرت باشند والدہ خود را تسلی بدہند و
ترغیب آخرت نمایند۔ ماند ملاقات یکدیگر
اگر حق سبحانہ و تعالیٰ خواستہ باشد میسر
خواہد شد والا بتقدیر او تعالیٰ راضی باشند و
دعا کنند کہ در دار السلام جمع گردیم و تلافی
ملاقاتِ دنیا را بکرم او تعالیٰ در آخرت
حوالہ نمائیم الحمد للہ علیٰ کل حال:۔

پھر ہم مخلصین میں سے ہو ان لگے ہیں بعض جگہ
بیٹھے ہوئی کو اپنا وطن سمجھ چند روزہ زندگی
جہاں گزرے یاد حق میں گزرے۔ دنیا کا معاملہ
آسان ہے آخرت کی طرف متوجہ رہو۔ اپنی
والدہ کو تسلی دیتے رہو اور ان کو بھی آخرت
کی طرف متوجہ رکھو۔ باقی رہی ملاقات تو اگر خدا
کو منظور ہے تو ایک دوسرے کی ملاقات ہوگی۔
ورنہ تقدیر الٰہی پر راضی رہو اور دعا کرو کہ دار السلام
(جنت) میں اکٹھا ہوں۔ ملاقات دنیا کی تلافی
اللہ تعالیٰ کے کرم سے ملاقات آخرت کے
حوالے کرتے ہیں۔ الحمد للہ علی کل حال:۔

مکتوب ۸۳ دفتر سوم حصہ نہم صـ۲۲ میں صاحبزادگان عالی شان کو لشکر شاہی
سے بحالت نظر بندی لکھتے ہیں:۔

فرزندان گرامی بہ جمعیت باشند مردم ہمہ
وقت محنتہای ما را در نظر مے دارند و مخلصے
ازیں مضیق مے طلبند نمیدانند کہ در نامرادی
و بے اختیاری و ناکامی چہ بلا حسن و جمال
ست و کدام نعمت برابر آن ست کہ وین
کس را بے اختیار از اختیار او بر آرند و بابتغا
خود او را زندگانی دہند و امور اختیاری او
را نیز تابع آن بے اختیاری او ساختہ
او را از دائرہ اختیار او بر آرند کالمیت
بین یدی الغسال سازند در ایام حبس گاہے

فرزندان گرامی! خاطر جمع رہو۔ لوگ ہر وقت ہماری
تکلیفوں پر نظر رکھتے ہیں۔ اور اس تنگی سے خلاصی
چاہتے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ نامرادی و بے اختیاری
اور ناکامی میں کس غضب کا حسن و جمال ہے۔ اس
کے برابر کون سی نعمت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس
شخص کو بے اختیار کر کے خود اس کے ارادے
اور اختیار سے باہر نکال لے اور اپنے ارادے
کے مطابق زندگی بخشے حتیٰ کہ اس کے امور اختیاریہ
کو بھی اس بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کو
اپنے ارادے اور اختیار سے بالکل دستبردار

که مطالعه ناکامی و بے اختیاری خود مے نمودم
عجب حظ میگرفتم و طرفه ذوق مے یافتم
بلے ارباب فراغت ذوق ارباب بلا
راچه دریابند داز جمال بلائے اوچه درک
نمایند۔ طفلان را حظ منحصر در شیرینی
ست و آنکه از تلخی حظ فرا گرفته ست
شیرینی را بجوے نے خرد
مرغ آتش خوارہ کے لذت شناسد دانہ را

کر دیا جائے اور اس کو مردہ بدست زندہ بنا دیا جائے قید کے زمانہ میں جب اپنی ناکامی و بے اختیاری کو دیکھتا تھا تو عجب لطف اٹھاتا تھا اور انوکھا مزہ پاتا تھا۔ لیکن فراغت والے مصیبت والوں کی لذت کیا جانیں اور اس کی مصیبتوں کے حسن کا کیا اندازہ کریں۔ بچوں کو تو صرف شیرینی میں مزہ ملتا ہے لیکن جس کو تلخی میں لذت ملی وہ شیرینی کو ایک جو میں بھی نہیں خریدتا۔ مرغِ آتش خور دانہ کی لذت کیا جانیں

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

یہ تو حضرت امام کے ظاہری حالات و کمالات کا ناتمام بیان تھا۔ اب آپ کے باطنی اور اصلی کمالات کے متعلق چند کلمات عرض کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس چیز کو کما حقہ ارباب بصر بھی بیان نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ایک بے بصر و بے بصیرت سے

سراپا ظاہرش نور است و جان است ۔ مپرس از باطنش کان بے نشان ست[1]

حضرت کے کچھ باطنی کمالات

بہت دیر تک قلم ہاتھ سے رکھ کر سوچتا رہا کہ اس عنوان کے تحت میں کیا لکھوں مگر سمجھ میں نہ آیا۔ اگر حضرت کے مکاشفات دکونیہ نہیں بلکہ مکاشفات الٰہیہ بیان کیے جائیں یا آپ کے خوارق عادات یعنی کرامات[2] کا ذکر کیا جائے تو گوان چیزوں کی کمی نہیں مگر حضرت امام ان چیزوں کو کمالات اصلیہ میں نہیں سمجھتے۔ اگر آپ

---

[1] جس کا سراپا ظاہر نور و جان ہو اس کے باطن کا حال نہ پوچھو کیونکہ وہ بے نشان ہے۔ [2] مجموعہ کنز البرکات احوال امام ربانی ص ۱۷۱ میں ہے ۔

آوازہ ارشاد ایشاں بہ جہان و جہانیاں رسید
و گلبانگ ہدایت بلند بہ عالم و عالمیاں گردید کوس

ان کے ارشاد کا شہرہ سارے جہاں میں پھیلا اور ان کی کی ہدایت کی آواز تمام عالم میں پہنچی۔ تطبیت اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

کے تصرفات اور کثرت ارشاد کو لکھا جائے تو بھی حضرت امام کے نزدیک وہ اصلی کمال سے بہت نیچے کی چیز ہے۔

مکتوب ۱۴۶ دفتر دوم حصہ ششم صـ۲۲ میں اپنے فرزند رشید اور خلیفہ راشد عروۃ الوثقیٰ مجدالدین خواجہ محمد معصوم کو لکھتے ہیں :-

انگارم کہ مقصود از آفرینش من آن ست کہ ولایت محمدی بولایت ابراہیمی علیہما الصلوٰۃ والتحیات منصبغ گردد وحسن ملاحت این ولایت با جمال صباحت آن ولایت ممتزج شود ورد فی الحدیث "اخی یوسف اصبح وانا املح" بایں انصباغ وامتزاج مقام محبوبیت محمدیہ بدرجہ علیا رسد لہٰذا کہ مقصود از امر باتباع ملت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام محصول این دولت عظمیٰ بودہ ست وطلب صلوٰت و برکات مماثل

میں خیال کرتا ہوں کہ میری پیدائش کا مقصد یہ ہے کہ ولایت محمدی ولایت ابراہیمی کے رنگ میں رنگین ہو۔ اور ولایت محمدی کا حسن ملاحت ولایت ابراہیمی کے حسن صباحت سے آمیز ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ میرے بھائی یوسف میں صباحت زیادہ ہے اور مجھ میں ملاحت زیادہ ہے اس رنگینی اور آمیختگی سے محبوبیت محمدیہ کا مقام اپنے درجہ علیا تک پہنچ جائے۔ شاید ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم اسی نعمت عظمیٰ کو حاصل کرنے کے لیئے دیا گیا ہو اور درود شریف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیئے ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ذطیبت بنام ایشاں زنند نقارہ غوثیت بنام آن جناب نواختند انوار ولایت وبرکات ظہور کرامات وخرق عادات از ایشاں آنقدر ظاہر گردید کہ از تحریر وتقریر بیرون ست وکشف مقامات قرب الٰہی بر آنجناب بمرتبہ رسید کہ از بیان وتبیان افزون ست رہبر صـ۱۲۳ میں ہے) خوارق وکرامات ایشاں ہفت صد نوشتہ اند ۱۲

غوثیت کا نقارہ انہی کے اسم مبارک سے بجا ان کی ولایت وبرکات کے انوار وکرامات وخرق عادت کا ظہور اس قدر ہوا کہ احاطہ تحریر وتقریر سے باہر ہے آپ قرب الٰہی کے مقامات اس قدر منکشف ہوئے کہ حد بیان سے زیادہ ہیں۔ (رہبر صفحہ ۱۲۳ میں ہے) لوگوں نے ان کے خوارق عادت وکرامات کی تعداد سات سو لکھی ہے۔

صلوات[1] و برکات حضرت ابراہیم علی نبینا و
علیہ الصلوٰۃ والسلام از برائے ایں غرض
بودہ (پھر بفاصلہ چند سطور) وانچہ مقصود در
آفرینش خود مے دانستم معلوم شد کہ بحصول
پیوست و مسئول ہزار سالہ باجابت قرین
گشت الحمد للہ الذی جعلنی[2] صلۃ
بین البحرین و مصلحا بین الفئتین
اکمل الحمد علی کل حال والصلوٰۃ والسلام
علی خیر الانام و علی اخوانہ الکرام من
الانبیاء والملائکۃ العظام (پھر بفاصلہ چند سطور)
اے فرزند باوجود ایں معاملہ کہ بخلقت
من مربوط بودہ است کارخانہ دیگر عظیم
من فرمودہ اند. برائے پیری و مریدی مرا
نیاوردہ اند و مقصود از خلقت من تکمیل
و ارشاد خلق نیست معاملہ دیگر است
و کارخانہ دیگر دریں ضمن ہر کہ مناسبت دارد فیض

صلوٰت و برکات کی درخواست جو حضرت ابراہیم
علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلوٰت و برکات کے مانند
ہوں اسی غرض سے ہو (پھر چند سطروں کے بعد)
میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھتا تھا، معلوم ہوا
کہ وہ حاصل ہو گیا، اور ہزار سالہ درخواست قبول
ہو گئی۔ کامل ترین تعریفیں ہیں۔ اللہ کے لیے ہر حال
میں جس نے مجھ کو دو سمندروں کو ملانے والا بنایا۔ اور
دو جماعتوں میں صلح کرانے والا، اور صلوٰۃ والسلام
ہو بہترین خلائق پر اور ان کے اخوان کرام یعنی انبیاء
ملائکہ عظام پر (چند سطروں کے بعد) فرزند من باوجود
اس بات کے جو میری پیدائش سے مربوط ہے
ایک دوسرا عظیم الشان کارخانہ میرے حوالے کیا
گیا ہے مجھ کو پیری و مریدی کے لیے نہیں پیدا
کیا گیا ہے میری پیدائش کا مقصد تکمیل و ارشاد خلق
نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا معاملہ اور دوسرا کارخانہ ہے۔
اس ضمن میں جس شخص کو مناسبت ہو گی، فیض حاصل

[1] اشارہ ہے اس درود شریف کی طرف جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اس درود میں دعا ہے کہ یا اللہ حضرت ابراہیم اور ان کی آل پر جیسی صلوٰت و برکات نازل ہوئیں ویسی صلوٰت و برکات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر نازل کر ۱۲

[2] علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں ایک پیشین گوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کی ہے کہ

یکون فی امتی رجل یقال لہ صلۃ یدخل الجنۃ بشفاعتہ کذا و کذا۔

میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو صلہ کہا جائیگا اس کی شفاعت سے اس قدر لوگ جنت میں جائیں گے۔

خدا کی قدرت کہ یہی لفظ صلہ حضرت امام ربانی کے قلم سے اپنے لیے نکل گیا اس امت میں آپ سے پہلے کسی نے یہ لفظ اپنے لیے نہیں استعمال کیا۔ ان فی ذلک لآیات ۱۲

خواہد گرفت والا معاملہ تکمیل وارشاد نسبت باآن کارخانہ امرے ست ہمچوں مطروح فی الطریق۔ دعوت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات نسبت بمعاملات باطنیہ ایشاں ہمیں حکم دارد۔ ہرچند منصب نبوت ختم یافتہ ست اما از کمالات نبوت وخصائص آن بطریق تبعیت دوراثت کمل تابعان انبیاء النصیب ست :۔

ہوگا۔ ورنہ نہیں۔ اس کارخانہ عظیم کے مقابلہ میں تکمیل وارشاد کا معاملہ راہ کی گری پڑی چیزوں کے مانند ہے انبیاء علیہم السلوت والسلام کی دعوت ان کے معاملات باطنی کے مقابلہ میں یہی حکم رکھتی ہے ہرچند کہ منصب نبوت ختم ہو چکا ہے۔ لیکن انبیاء کے متبعین کاملین کو بطور تبعیت و وراثت کمالات، خصائص نبوت سے حصہ ملتا ہے :۔

ان حالات کے ہوتے ہوئے کس کی ہمت ہے کہ لب کشائی کی جرات کرے۔ لہذا سوا اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ حضرت امام ربانی کے مرشد کامل حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ نے اور ان کے بعد دوسرے اکابر نے جو کچھ آپ کے شان میں فرمایا ہے اس کے نقل کر دینے پر قناعت کی جائے :۔

حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کتاب "کلمات طیبات" مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی میں درج ہیں۔ جس زمانے میں حضرت امام ربانی ان کی خدمت میں داخل سلسلہ ہوئے اپنے ایک مخلص کو لکھتے ہیں :۔

شیخ احمد نام مردے ست از سرہند کثیر العلم قوی العمل روزے چند با فقیر نشست و برخاست کردہ بسیار عجائب از روزگار اوقات او مشاہدہ نمود بآن ماند کہ چراغ شود کہ عالمہا ازان روشن گردد والحمد للہ۔ احوال کاملہ او مرا بہ یقین پیوستہ وایں شیخ مشار الیہ برادران عاقر باد ارد ہمہ مردم صالح واز طبقہ علماء اند چندے را دعاگو ملازمت

شیخ احمد نام کے ایک شخص ہیں۔ جو سرہند کے رہنے والے ہیں کثیر العلم وقوی العمل چند روز اس فقیر کی صحبت میں رہے اور ان میں عجیب حالات و کمالات مشاہدہ ہوئے جیسے ایک چراغ ہے۔ جس سے سارا عالم روشن ہوگیا الحمد للہ ان کے حالات کاملہ پر مجھ کو یقین ہے شخص مذکور کے کئی بھائی اور رشتہ دار ہیں سب مردان صالح اور طبقہ علماء سے ہیں ان لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو میں نے

کردہ از جواہر علویہ وابستہ استعداد ہائی عجیب دارند فرزندان آن شیخ کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند بالجملہ شجرہ طیبہ انبتہ اللہ نباتاً حسناً و فقرائی باب اللہ اند

اپنی صحبت میں رکھا تو ان کو جواہرات علویہ پایا یہ لوگ عجیب استعداد رکھتے ہیں۔ شیخ مذکور کے صاحبزادے جو ابھی کمسن بچے ہیں، اسرار خداوندی ہیں خلاصہ یہ کہ شجرہ طیبہ ہیں۔ جس کو اللہ نے پیدا کیا اور بہترین روئیدگی عطا فرمائی یہ لوگ خدا کے در کے فقرا ہیں

نیز حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے:۔

شیخ احمد آفتابیست کہ مثل ہزاراں ستارہا در سایہ او گم اند مثل ایشاں دریں وقت زیر فلک نیست و مثل ایشاں چند کس دریں امت گذشتہ اند و ایشاں دریں وقت از کمل محبوباں اند۔

شیخ احمد وہ آفتاب ہیں جس کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔ اس وقت اُن جیسا اس آسمان کے نیچے کوئی نہیں اور اس امت میں ان جیسے لوگ بہت کم گزرے ہیں وہ اس زمانہ میں کاملین محبوب الٰہی میں سے ہیں۔

مجدد مائۃ ثالث عشر حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے مکاتیب شریفہ مطبوعہ مدارس کے صـ۱۷۱ میں ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی صاحب الطریقۃ حضرت شیخ احمد فاروقی رضی اللہ عنہ طریقہ چشتیہ از پدر بزرگوار خود گرفتہ اند و از ارواح طیبہ ایں سلسلہ علیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم فیضہا و اجازت و خلافت یافتہ و در خوردی با منظور نظر عنایت حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہ بودند و خرقہ متبرک حضرت شاہ کمال از دست شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہما حضرت شاہ کمال

صاحب الطریقہ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی رضی اللہ عنہ نے طریقہ چشتیہ اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا اور اس سلسلہ عالیہ کی بزرگوں کی ارواح طیبہ سے فیوض حاصل کیئے اور اجازت خلافت پائی بچپن ہی میں حضرت شاہ کمال قادری قدس سرہ کی ان پر نظر عنایت تھی چنانچہ انہوں نے حضرت شاہ کمال قادری کا خرقہ متبرک حضرت شاہ سکندر رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک سے پہنا جس کے پہنانے کی تاکید حضرت شاہ

بالباس آن ایشان را تاکیدات فرمودہ
پوشیدند وازارواح مقدسہ اکابر خاندان
قادریہ درروح پرفتوح حضرت غوث
الثقلین رضی اللہ تعالےٰ عنہ، بہ فیوض
وبرکات واجازت وخلافت فائز شدہ
واجازت طریقہ کبرویہ از مولنا
یعقوب صرفی کہ درخطہ کشمیر کمالات
ایشاں مشہوراست ماندند، اما نسبت
حضرات خواجگان نقشبندی قدس
اللہ تعالیٰ اسرارہم کہ از خواجہ آفاق حضرت
خواجہ باقی باللہ یافتہ اند، حضرت ایشاں
غالب ست وذکر وشغل ودر منع وآداب
ہمیں طریقہ معمول دارند پس تحریر چار
شجرہ ضرورست برائے تبرک وتیمن
تاموجب برکت متوسلان این سلسلہ
شود باوجود اخذ وکسب فیوض بر چہار
خاندان عالی شان از جناب الٰہیہ مواہب
جلیلہ وعطایائے بنیلہ سرفراز شدہ اند ۔
کہ عقل دراوراک آن کمالات وحالات
حیران است۔ حضرت خواجہ رضی اللہ
تعالےٰ عنہ در بارۂ حضرت ایشاں
فرمودہ اند کہ ہم چوں ایشاں زیر فلک
نیست ودریں است مثل اگشتاں

سکندر کو فرمائی تھی حضرت امام ربانی کو اکابر
خاندان قادریہ کی ارواح طیبہ اور حضرت
غوث الثقلین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روح
مبارک سے فیوض وبرکات اور اجازت و
خلافت حاصل ہوئی اور طریقہ کبرویہ کی اجازت
مولانا یعقوب علی صرفی سے حاصل ہوئی جن
کے کمالات خطۂ کشمیر میں مشہور ہیں۔ لیکن حضرت
امام ربانی پر خواجگان نقشبندیہ کی نسبت
جو ان کو خواجۂ آفاق حضرت خواجہ باقی
باللہ رح سے حاصل ہوئی تھی تمام نسبتوں
سے زیادہ غالب ہے۔ اور اسی طریقہ کے
مطابق، ذکر وشغل، آداب ودمنع آپ کا معمول
تھا اس لیے آپ کے سلسلہ میں تبرک
اور تیمن کے لیے چاروں شجروں کا تحریر
کرنا ضروری ہے تاکہ اس سلسلہ مجددیہ
کے متوسلین کے لیے باعث برکت ہو
حضرت مجدد الف ثانی رح نے باوجودیکہ
چاروں سلسلوں سے کسب فیض کیا
ہے۔ لیکن بارگاہ الٰہی سے ربلا [illegible] وہ
عظیم الشان نعمتیں اور جلیل القدر برکتیں
عطا ہوئیں کہ عقل ان کمالات وحالات کے
ادراک میں متحیر ہے حضرت خواجہ باقی باللہ نے اس کے
متعلق فرمایا ہے۔ کہ ان جیسا بزرگ (اس زمانہ میں)

چند کس معلوم مے شود و معلومات و	زیر آسمان نہیں ہے۔ اور اس امت میں ان کے
مکشوفات ایشاں ہمہ صحیح و قابل آن	جیسے لوگ کم معلوم ہوتے ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ
رت کہ بنظر انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات	والسلام کی نگاہ حق بین کے لائق ہیں۔ حضرت امام
در آید واز مکاتیب شریفہ حضرت خواجہ قدس	ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کا حال حضرت خواجہ
اللہ سرہ العزیز کمال حضرت ایشاں معلوم	باقی باللہ قدس اللہ سرہ العزیز کے مکاتیب
مے شود ملا بدرالدین در حضرات القدس و محمد	شریفہ سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت کے مقامات
ہاشم کشمی در برکات احمدیہ و محمد احسان در	طاعات اور عبادات کو ملا بدرالدین نے حضرات
روضۃ القیومیہ و دیگر عزیزاں مقامات و	القدس میں محمد ہاشم کشمی نے برکات احمدیہ میں محمد
طاعات و عبادات حضرت ایشاں مفصل	احسان نے روضۃ القیومیہ میں نیز دوسرے لوگوں
تحریر نمودہ اند و حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ	نے مفصل تحریر کیا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ
علیہ بعد تحریر مناقب حضرت ایشاں نوشتہ اند	رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے مناقب تحریر کرنے
لا یحبّہ الا مومن تقی ولا یبغضہ	کے بعد لکھا ہے کہ ان سے وہی محبت رکھیگا جو
الا منافق شقی	مومن تقی ہو اور وہی بغض رکھیگا جو منافق شقی ہو

حضرت کی مجددیت حضرت کا مجدد الف ہونا بھی ایک بڑی چیز ہے۔ آپ سے پہلے صدی کے مجددؔ ہوا کرتے تھے الف کا مجدد کوئی نہیں ہوا۔ الف ثانی کا آغاز ہی نہوا تھا۔ اور الف اول میں خود ذات اقدس واطہر سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود تھی ؁

؁ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کسی کو نبوت ملنے والی نہیں لہذا آپ کی شریعت کے قیامت تک محفوظ رہنے کے انتظامات بھی قدرت کاملہ کی طرف سے پیش از پیش کئے گئے اور امت کو ان انتظامات سے بطور پیشین گوئی کے آگاہ کر کے مطمئن کر دیا گیا۔ بعض اہم انتظامات کی خبر قرآن مجید میں ہے اور بعض کی احادیث صحیحہ میں چنانچہ صدی میں مجدد کا ہونا بھی انہیں انتظامات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کا تذکرہ احادیث صحیحہ میں ہے۔ سنن ابی داؤد میں اس حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ (باقی آئندہ صفحہ پر دیکھیے)

آپ سے پہلے جس قدر مجدد صدیوں کے گزرے ہیں کوئی مجدد دین کے تمام شعبوں کا مجدد نہیں ہوا بلکہ خاص خاص شعبوں کے مجدد ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک وقت میں متعدد[1] مجدد نظر آتے ہیں۔ کوئی علم حدیث کا کوئی فقہ کا پھر اس میں بھی کوئی فقہ حنفی کا مجدد ہے۔ کوئی فقہ شافعی کا۔ کوئی علم کلام کا مجدد ہے اور کوئی سلوک و احسان[2] کا، لیکن یہ چیز اللہ تعالےٰ نے آپ ہی کے لئے مخصوص رکھی کہ آپ دین کے تمام شعبوں کے مجدد ہیں۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ آپ سے پہلے کے مجددین کو سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت خاص خاص چیزوں میں حاصل تھی۔ اور آپ کو تمام چیزوں میں نیابت عامہ حاصل ہے۔ وشتان ما بینھما۔

آپ سے پہلے کے مجددین کی خدمات کا اثر صرف ایک صدی کے لیے ہوتا تھا اور آپ کی مجددیت ایک ہزار سال کے لئے ہے۔

آپ کے سوا دوسرے مجددین کی مجددیت نہ معلوم امت کے کتنے لوگوں کے علم میں نہ آئی اور نہ معلوم کتنوں کی مختلف فیہ رہی۔ جو اختلاف کہ معاندانہ یا معاصرانہ ہو وہ تو قطعًا قابل لحاظ نہیں۔ مگر جو اختلاف کہ شرائط مجددیت کے پائے جانے یا نہ پائے جانے کی وجہ سے ہو وہ بے شک قابل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا اس حدیث کی شرح میں علمائے کرام نے مستقل تصانیف کی ہیں از انجملہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الفوائد الجمۃ فیمن یبعثہ اللہ لھذہ الامۃ قابل مطالعہ ہے ۱۲

[1] بعض علماء اس بات کے قائل ہیں۔ کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدد ہونا چاہیے۔ مگر یہ بات صحیح نہیں جیسا کہ تاریخی واقعات کے تتبع اور مولانا شاہ ولی اللہ جیسے محققین کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے۔ ۲۔

[2] آج کل جس چیز کو تصوف کہتے ہیں۔ احادیث نبویہ میں اس کو احسان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ۱۲

لحاظ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام ربانی کی مجددیت کو ان چیزوں سے بھی محفوظ رکھا آپ کی مجددیت کا تمام امت کو دنیا کے ہر گوشہ میں علم ہوا۔ اور جو لوگ اس معاملہ میں اہل حل و عقد ہو سکتے ہیں۔ ان سب نے آپ کی مجددیت کو تسلیم کر لیا۔ بلکہ جو لوگ[1] بدعات کی محبت یا اپنے سر و بازاری کے خیال سے آپ کے دل میں عناد رکھتے تھے۔ وہ بھی مجبور ہوئے[2] کہ زبان سے آپ آپ کے مجدد ہونے کا اقرار کریں۔ جس طرح مذہب شیعہ کی بنیاد قرآن مجید کی عداوت پر ہے کوئی شیعہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کے دل میں قرآن مجید سے دشمنی اور نفرت نہ ہو۔ مگر قرآن مجید کا رعب ہے۔ کہ اپنے کو مسلمان کہنے کے بعد قرآن مجید سے دشمنی کا اظہار کرنے کی جرأت نہیں ہوتی بلکہ ضمیر کے خلاف زبان سے اقرار کئے بغیر مفر نہیں قریب قریب بفضلہ تعالےٰ وانعامہ یہی حالت حضرت امام ربانی کی ہے۔

آپ کی مجددیت کے بیان میں ایک مستقل اور بے نظیر کتاب تالیف ہو چکی ہے جس کا نام **شواہد التجدید** ہے جس کا ایک قلمی نسخہ بھوپال کی خانقاہ عالی جاہ مجددیہ میں موجود ہے۔

---

[1] مثلاً حضرت مولٰنا اسمٰعیل شہید دہلوی اور ان کے مرشد حضرت سید احمد بریلوی کی مجددیت کہ حضرت مولٰنا عبدالحی رح صاحب نے اس بنا پر اختلاف کیا کہ ان دونوں بزرگوں نے صدی کا آخر نہیں پایا اور مجدد کے لیے ضروری ہے کہ پہلی صدی کے آخر میں موجود ہو۔ حضرت ممدوح تذکرۃ الراشد ص۲۹۳ میں لکھتے ہیں کہ

حصحص ان ما اشتهر بين العوام بل الخواص كالعوام ان مولٰنا اسمٰعيل الشهيد الدهلوی ومرشده السيد البريلوی الذی كانت ولادته سنة احدی من المائة الثالثة عشر من مجددی المائة خال عن التحصيل كا يقوله صاحب التكميل

[2] بعض منکرین کو غیب سے سزائیں بھی ملیں جیسا کہ سید برزنجی مدنی کے متعلق حضرت مولانا شاہ غلام علی صاحب نے حالات حضرت شیخ کے ص۵۵ میں نقل فرمایا ہے اس نے ایک رسالہ حضرت امام ربانی کے رد میں لکھا تھا حضرت شیخ محمد فرخ نبیرہ حضرت امام ربانی کی بددعا سے دریا میں ڈوب گیا سید برزنجی مذکور کے رسالہ مذکورہ کا رد حضرت مولٰنا عبدالحی صاحب لکھنوی نے لکھا ہے جس کا نام الکلام المنجی ہے جو مولوی وکیل احمد سکندرپوری کے نام سے طبع ہوا ہے ۱۲

مجدد کے لیے یہ کچھ ضروری نہیں کہ اس کو اپنے مجدد ہونے کا علم ہو مگر حضرت امام ربانی کو اپنے مجدد ہونے کا علم علی وجہ الکمال تھا۔

مکتوب ۲۳۴ دفتر دوم حصہ ششم ص۱۴ میں کچھ معارف خاصہ بیان فرمانے کے بعد لکھتے ہیں :۔

ایں معارف از حیطۂ ولائیت خارج است ارباب ولایت در رنگ علمائی ظواہر در ادراک آں عاجز اند ودر درک آن قاصر ایں علوم مقتبس از مشکوۃ انوار نبوت اند علی اربابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کہ بعد از تجدید الف ثانی بہ تبعیت و وراثت تازہ گشتہ اند و بطراوت ظہور یافتہ صاحب ایں علوم و معارف مجدد ایں الف ست کما لا یخفی علی الناظرین فی علومہ ومعارفتہ التی تتعلق بالذات والصفات والافعال و تتلبس بالاحوال والمواجید والتجلیات والظہورات فیعلمون ان ہولا والمعارف وراء علوم العلماء و وراء معارف الاولیاء بل علوم ہولاء بالنسبتہ الی تلک العلوم قشیر و تلک المعارف لب ذلک القشر واللہ سبحانہ الہادی ی دبداند کہ برسر ہر مائۃ مجددے گذشتہ است اما مجدد مائۃ دیگر ست و مجدد الف دیگر چنانچہ درمیان مائۃ و الف فرق ست

یہ معارف دائرہ ولایت سے بالاتر ہیں۔ان کے ادراک سے اصحاب ولایت بھی علمائے ظاہر کی طرح عاجز و قاصر ہیں یہ علوم در حقیقت انوار نبوت کے مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں جن کی اس الف ثانی کے آغاز میں نیابتہً و وراثتہً تجدید ہوئی ہے۔ اور ان کو نئی تازگی ملی ہے جس شخص پر اللہ تعالےٰ نے یہ علوم و معارف ظاہر فرمائے وہ اس الف (دوسرے ہزارہ) کا مجدد ہی جیسا کہ ان لوگوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے جنھوں نے اس کے ان علوم و معارف کا مطالعہ کیا ہے جو ذات وصفات اور افعال باری تعالیٰ سے متعلق ہیں یا جو احوال وجذبات اور تجلیات وظہورات سے تعلق رکھتے ہیں یہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف علماء کے علوم اور اولیاء اللہ کے معارف سے ماوراء ہیں بلکہ علماء اولیاء کے علوم ان علوم و معارف کے مقابلہ میں پوست کی حیثیت رکھتے ہیں جس کا مغز یہی معارف مذکورہ ہیں۔اللہ سبحانہ کی ذات ہی ہدایت کرنے والی ہے۔ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ہر صدی

درمیان مجددین اینها نیز همان قدر فرق ست بلکہ زیادہ ازاں و مجدد آن ست کہ ہرچہ دران مدت از فیوض بامتان برسد بتوسط او برسد اگرچہ اقطاب و اوتاد آن وقت بوند و بدلا و نجباء باشند ؎

خاص کند بندۂ مصلحت عام را

کے شروع میں ایک مجدد گزرا ہے لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور الف کا مجدد کچھ اور جو فرق سؔو اور ہزؔار میں ہے وہی فرق ان کے مجددوں میں بھی ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ مجدد وہ شخص ہے کہ اس کے زمانہ میں امتوں کو جو فیض پہنچے اسی کے واسطہ سے پہنچے اگرچہ وہ اس زمانہ کے اقطاب و اوتاد اور ابدال و نجباء ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے کسی بندہ کو مصلحت عامہ کے لئے مخصوص کر لیتا ہے مراد اسی کے ذریعہ سے فائدہ پہنچاتا ہے)

مجدد کی سب سے بڑی پہچان اُس کے کارنامے ہیں۔ حمایت دین اور اقامت سنت اور ازالہ بدعت میں اس کی خاص شان ہوتی ہے۔ غیر معمولی کوشش اس سے ظہور میں آتی ہے اور اس کی کوشش کا غیر معمولی نتیجہ یعنی توقع سے بہت زیادہ نکلتا ہے۔

حضرت امام ربانی نے کیسی کیسی کوششیں مذکورۂ بالا دینی خدمات کے لیے کیں اور کیسا انہماک اور کیسا شغف آپ کو اس میں تھا۔ مکتوبات قدسیہ کے دیکھنے سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ پھر ان کوششوں پر کیسے غیر معمولی ثمرات توقعات سے بدرجہا زائد مرتب ہوئے اس پر عالم اسلامی کی تاریخ ماضی و حال شاہد عادل ہے۔

حضرت کی وفات حسرت آیات | ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ ایک ہزار چونتیس میں بعمر ۶۳ سال مطابق عمر شریف نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) اپنے وطن مبارک سرہند میں آپ نے وفات پائی قبر شریف آپ کی زیارت گاہ عالم ہے۔

وفات سے چند ماہ پہلے آپ نے فرمایا کہ ...

معلوم ہوتی ہے اتباع سنت میں جس کو اتنا شغف ہو بے اختیاری چیزوں میں منجانب اللہ سنت کی مطابقت اس کو عطا ہوتی ہے۔

اپنی عمر کے آخری شعبان میں حسب معمول پندرھویں شب کو عبادت کے لئے خلوت خانہ میں تشریف لے گئے۔ صبح کو جب گھر میں تشریف لے گئے تو بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ معلوم نہیں آج کس کس کا نام دفتر ہستی سے کاٹا گیا یہ سُن کر حضرت امام نے فرمایا کہ تم تو بطور شک کے کہہ رہی ہو کیا حال ہو گا اس شخص کا جس نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا ہو کہ اس کا نام دفتر ہستی سے محو کیا گیا۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد و ہدایت کا سب کام صاحبزادوں کے سپرد کر دیا اور اپنا تمام وقت قرآن مجید کی تلاوت اور اذکار و اشغال طریقت میں صرف فرمانے لگے۔ سوا نماز کے خلوت سے باہر تشریف نہ لاتے تھے۔ نفل روزوں کی اور صدقات و خیرات کی بھی اس زمانہ میں بہت کثرت فرمائی۔

وسط ذیحجہ میں حضرت کو ضیق النفس کی بیماری لاحق ہوئی اور تپ محرقہ شروع ہوئی جو یوماً فیوماً ترقی کرتی گئی۔ انہیں ایام میں ایک روز فرمایا۔ کہ حضرت پیران پیر کو میں نے دیکھا بڑی مہربانی مجھ پر فرمائی۔

۱۲ محرم کو فرمایا کہ بس اب چالیس پچاس دن کے اندر مجھ کو اس عالم فانی سے سفر کرنا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ ہجری تریسٹھ برس کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

جس رات کی صبح کو آپ دنیا سے جانے والے تھے حسب معمول تہجد کی نماز کے لیے اٹھے اور بڑے اطمینان سے وضو کر کے نماز پڑھی۔ اور خدام سے فرمایا کہ تم لوگوں نے تیمار داری کی بہت تکلیف اٹھائی اب آج یہ تکلیف ختم ہے۔ اخیر وقت میں ذکر اسم ذات کا بہت غلبہ تھا۔ ذکر کرتے کرتے روح مبارک رفیق اعلیٰ سے مل گئی۔

نمازِ جنازہ حضرت کے فرزندِ ثانی حضرت خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور اپنے صاحبزادہ حضرت خواجہ محمد صادق رحمۃ اللہ کی قبر مبارک کے سامنے خاص شہر سرہند میں مدفون ہوئے یہی وہ جگہ ہے جس کے متعلق آپ نے اپنے مکتوب میں لکھا ہے۔ کہ میرے قلب کے انوار وہاں چمکتے ہیں۔

روضہ مبارک کی تعریف میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلوی مہاجر مدنی نے چند اشعار نظم فرمائے ہیں۔ جو تبرکاً درج ذیل کیئے جاتے ہیں:۔

اے خاک پاک روضۂ عبیری وعنبری	کاہل جہاں زبوئے تو مدہوش گشتہ اند
الساقی نشاندبر تو خوش آیے کہ اہل دھر	عاقل بہ پشت آمدہ مخمور رفتہ اند
سرے زخاک خلد تو ماری کہ اہل ارض	یک نفحہ از تو یافتہ بر چرخ رفتہ اند
نے نے ترا ز تربت یثرب سرشتہ اند	پنہاں ز روم و شام بہ سرہند ہشتہ اند
این خاک احمدی ست، بذات احد نگر	نے باک کہ صد ہزار از یں خاک جستہ اند
اہلاً و مرحباً پے زوار تو لیسے	اقفال بعد بر رخ اعدات بستہ اند
یارب مکن خلاص ازیں خاک در مرا	بد حال آں کساں کہ ازیں خاک رستہ اند

ــــــــــــــــــــ

؎۵ اے روضہ مبارک کی خاک پاک تو وہ عبیر وعنبر ہے جس کی خوشبو سے سارا عالم مدہوش ہو گیا ہے۔ تجھ پر ساقی نے ایسا نفیس پانی چھڑکا کہ جب دنیا والے آئے تھے تو باہوش وخرد تھے لیکن جب تیری زیارت کرکے واپس چلے تو مست مدہوش تھے۔ تجھ پہ سرزمین جنت کا وہ راز پوشیدہ ہے کہ زمین والے تیری ایک ہلکی سی خوشبو پاکر آسمان پر پہنچ گئے۔ بنیئہ نہیں بلکہ تو خاک یثرب سے گوندھی گئی ہے۔ ... در شام ودروم سے چھپاکر تجھ کو سرہند میں رکھا گیا ہے۔ یہ خاک احمدی ہے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ ایک کو نہیں لاکھوں کو اس خاک در سے زندگی ملی تیری زیارت کو آنے والوں کے لیے ہر طرح خوش آمدید ہے لیکن تیرے دشمنوں کے سامنے بُعدو دوری کے قفل لگا دیئے گئے ہیں (تاکہ وہ نہ آسکیں) ... خداوندا تو مجھ کو اس خاکِ در سے رہائی نہ دیجیے کیونکہ وہ لوگ بدنصیب ہیں جن کو اس خاکِ در کی غلامی سے رہائی مل گئی:۔

حضرت شیخین را اکثر اولیاء عزلت کہ بکمالات
ولایت مخصوص اند ظاہر شد اگر نہ اجماع
اہلسنت بر افضلیت شیخین بودے کشف
اکثر اولیاء عزلت بافضیلت حضرت امیر
حکم کردے زیرا کہ کمالات حضرات شیخین
شبیہ کمالات انبیاء است علیہم الصلوات
والتسلیمات درست ارباب ولایت از دامان
آن کمالات کوتاہ است وکشف ارباب
کشوف بواسطہ علو درجات آنہا در راہ کمالات
ولایت در جنب آں کمالات کالمطروح
فی الطریق اند کمالات ولایت زینہا اند از
برائے عروج بر کمالات نبوت۔ پس مقدمات
را از مقاصد چہ خبر بود ومبادی را از
مطالب چہ شعور۔ امروز ایں سخن
بواسطہ بُعد عہد نبوت بر اکثرے گراں
است و از قبول دور لیکن چہ تواں
کرد ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاذ ازل گفت ہمہ میگویم

اما الحمد للہ سبحانہ والمنۃ کہ در ایں گفتگو
بعلمائے اہلسنت شکر اللہ تعالی سعیہم موافقم
وبراجماع ایشاں متفق استدلالی ایشاں
برنگ کشفی ساختہ اند واجمالی را تفصیلی ایں فقیر را

اولیاء پر جن کو صرف کمالات ولایت ہی سے حصہ
ملا ہے (اور کمالات نبوت سے ان کو مناسبت نہیں
ہے) حضرت امیرؓ کے کمالات حضرات شیخین سے
زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔ حتی کہ اگر شیخین کی افضلیت
پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا تو ان اکثر اولیاء کا کشف
حضرت علی مرتضیٰ ہی کی افضلیت کا فیصلہ کرتا
کیونکہ حضرات شیخین کے کمالات انبیاء علیہم السلام
کے کمالات کے مشابہ ہیں اور ان ارباب ولایت
کی دسترس وہاں تک نہیں ہے اور نیز ان کشف
والوں کے کشف کی پرواز بھی ادن درپیغمبرانہ کمالات
کی بلندی سے نیچے ہی نیچے ہے۔ ہاں! ہاں!
کمالات ولایت اُن کمالات نبوت کے مقابلہ
میں بالکل ہیچ اور پیش پا افتادہ ہیں۔ کمالات
ولایت تو کمالات نبوت کی بلندیوں تک پہنچنے
کے لیے زینے ہیں اور ان دونوں میں مقدمات
اور مقاصد یا مبادی اور مطالب کی نسبت ہے
نبوت کی روشنی سے دوری کے باعث بہت
ممکن ہے کہ آج یہ بات بہت سوں پہ گراں ہو
اور وہ اس کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوں لیکن
میں کیا کروں اور کیا کر سکتا ہوں۔ میری مثال تو
طوطی کی سی ہے۔ سکھانے والے نے جو اس کو سکھا
دیا ہے وہی اس نے بول دیا۔ بہر حال اللہ کا
شکر اور اس کا احسان ہے کہ میں اس بارہ میں

فرزند دوم۔ حضرت خواجہ محمد سعید ملقب بخازن الرحمہ۔ ولادت آپ کی ۱۰۰۵ھ اور وفات ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۰۷۰ھ۔

فرزند سوم۔ حضرت خواجہ محمد معصوم ملقب بہ عروۃ الوثقیٰ۔ طریقہ کی اشاعت آپ سے بہت زیادہ ہوئی۔ دہلی کی مشہور عالم خانقاہ جو مرجع عرب و عجم تھی آپ ہی کے سلسلہ کی ہے۔ ولادت باسعادت ۱۰۰۷ھ اور وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ۔

فرزند چہارم۔ حضرت خواجہ شاہ محمد یحییٰ۔ حضرت امام ربانی کی وفات کے وقت آپ کی عمر نو سال کی تھی۔ تحصیل علوم اور تکمیل طریقت اپنے بھائیوں سے کی۔ وفات ۱۰۹۶ھ

خدا کی رحمت کہ ان صاحبزادوں کو جس قدر اولاد حق تعالیٰ نے عطا فرمائی وہ بھی سب اولیاء اللہ۔ اور اب اس وقت ہندوستان کے اکثر مقامات میں اور حرمین شریفین میں آپ کی ذریت طیبہ کا سلسلہ موجود ہے اور بفضلہ تعالیٰ ان میں صاحبان نسبت بھی ہے۔

اب رہا سلسلہ آپ کے خلفاء کا تو حقیقت حال یہ ہے کہ جو حضرات بلاواسطہ آپ کے خلفاء ہیں ان کا صحیح شمار نہیں ہو سکا چہ جائیکہ بالواسطہ خلفا بھی ان میں شامل کر لئے جائیں بلاشبہ دنیا کے جس جس گوشہ میں مسلمان آباد تھے آپ کا سلسلہ بھی وہاں پہنچا اور پھیلا اور پھولا۔

دہلی کے عروج کے آخری دور میں آپ کے سلسلہ کے ایک عظیم الشان خلیفہ مجدد مأتہ ثالث عشر حضرت مولانا شیخ عبداللہ المشتہر بہ غلام علی تھے انہیں کے نام سے دہلی کی خانقاہ مجددیہ آباد ہے آپ کے اور حضرت امام ربانی کے درمیان میں چار واسطے ہیں آپ کی ذات بابرکت سے تو اس قدر فیض ہوا کہ بقول حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلوی شاید اگلے مشائخ میں کسی سے اس قدر فیض ہوا ہو۔

ہندوستان میں شاید ہی کوئی شہر ہو جہاں آپ کا کوئی خلیفہ نہ ہو۔ صرف ایک شہر انبالہ میں پچاس خلفاء آپ کے تھے۔

آپ ہی کے ایک خلیفہ حضرت مولنا خالد کردی تھے جن کے مناقب میں علامہ شامی نے

جن کی شرح درمختار پر آج مفتیان مذہب حنفی کے فتووں کی بنیاد ہے ایک مستقل رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام سل الحسام الھندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی ہے یہ رسالہ مصر میں چھپ گیا ہے۔

علامہ شامی نے رسالہ مذکورہ میں حضرت مولانا خالد کے علمی وعملی کمالات خوب خوب تفصیل سے بیان فرمائے اور ۱۲۲۴ھ میں ان کا براہ ایران پورے ایک سال سفر کے بعد دہلی پہنچنا اور حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونا اور ان کے دریائے فیض سے سیراب ہو کر اور قطب ارشاد بنکر اپنے وطن واپس ہونا اور وہاں مرجع خواص وعوام ہونا مفصل ذکر کیا ہے چند سطور ملاحظہ ہوں:-

وليلة دخوله بلدة جهان آباد (دهلي) انشا قصيدة العربية الطنانة من البحر الكامل يذكر فيها وقائع السفر ويتخلص الى مدح شيخه مطلعها

كملت مسافة كعبة الآمال
حمدا لمن قد مَنّ بالاكمال

وهي طويلة وله غيرها من المقاطيع العربية وفي الفارسية قصائد[1] ومقاطيع كثيرة السنية

جس رات وہ شہر جہان آباد (دہلی) میں داخل ہوئے انہوں نے بحر کامل میں ایک مترنم عربی قصیدہ کہا جس میں واقعات سفر بیان کرنے کے بعد انہوں نے اپنے شیخ کی مدح کی طرف گریز کیا ہے۔ اس قصیدے کا مطلع یہ ہے۔ کملت الخ یعنی کعبہ آرزو تک پہنچنے کی مسافت طے ہو گئی شکر ہے اس ذات مقدس کا جس نے اس سفر کو بائے تکمیل تک پہنچا کر احسان فرمایا یہ قصیدہ خاصا طویل ہے علاوہ اس قصیدے کے ان کے عربی میں اور بھی اشعار ہیں۔ فارسی زبان میں[1] بھی ان کے

---

[1] حضرت شاہ عبد الغنی صاحب محدث دہلوی نے ایک قصیدہ فارسی انسٹھ شعر کا نقل کیا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

خبر از من[2] رسید آن شاہ خوبان را بہ پنہانی | کہ عالم زندہ شد بار دگر از ابر نیسانی

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں:-

امام اولیا سیاح بیدای خدا بینی! | ندیم کبریا سباح دریائے خدا دانی
مہین رہنمایاں شمع جمع اولیای دین | دلیل پیشوایاں قبلۂ اعیان روحانی
چراغ آفرینش مہر برج دانش وبینش | کلید گنج حکمت محرم اسرار سبحانی
امین قدس عبد اللہ شہ کز التفات او | دہد سنگ سیہ خاصیت لعل بدخشانی

اور مقطع یہ ہے:-

ز جام فیض خود کن خالد درماندہ را سیراب | کہ از لب تشنہ مشتقی و تو دریائے احسانی ۱۲

[2] میری طرف سے اس شاہ خوباں کو پوشیدہ طریقہ سے خبر پہنچا دو کہ اس ابر نیساں سے عالم دوبارہ زندہ ہو گیا۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

منها قصیدة غراء فی مدح شیخه قدس سره الصمداد بعد وصوله تجرد ثانیا عما عنده من حوائج السفر ثم انفقه کله علی المستحقین ثم حضر فاخذ الطریقة العلیة النقشبندیة بعمومها وخصوصها ومفهومها ومنصوصها علی شیخ مشائخ الدیار الهندیة وارث المعارف واسرار المجددیة سیاح بحار التوحید سیاح قفار التجرید قطب الطرائق غوث الخلائق معدن الحقائق منبع الحکم والاحسان والایقان والدقائق العالم النحریر الفاضل والعلم المفرد الکامل المتجرد عما سوی مولاه حضرة الشیخ عبد الله الدهلوی پھر خاتمہ میں لکھتے ہیں ومن اراد المزیادة علی ذلك من اوصاف هذا الامام فلیرجع الی الکتاب الذی الفه فیه الامام الهمام خاتمة البلغاء ونادرة النبغاء الاوحد السند الشیخ عثمان السند الذی سماه "اصفی الموارد فی ترجمة حضرت سیدنا خالد" فانه کتاب لم یحك بنیان البیان علی منواله ولم تنظر عین الی مثاله ۔

بہت سے اشعار وقصائد ہیں جو اس وقت مجھ کو یاد نہیں ہیں منجملہ ان کے اپنے شیخ کی مدح میں ان کا ایک بڑا زوردار قصیدہ ہے جب وہ اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے دوبارہ تجرد اختیار کیا اور ضروریات سفر میں سے جو سامان ان کے پاس باقی بچا تھا سب حاضرین مستحقین میں تقسیم کردیا اور ... ملک ہند کے شیخ المشائخ رموز ومعارف مجددیہ کی وارث، بحار توحید کے شناور، میدان درویشی وتجرد کے سیاح، قطب طرائق، غوث خلائق، معدن حقائق ..... منبع حکم واحسان وسرچشمۂ اسرار وایقان، عالم متبحر، ناس بیگانہ اسوا اللہ سے بیگانہ حضرت شیخ عبد اللہ دہلوی سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ مع اپنے جملہ عموم وخصوص، مفہوم ومنصوص کے حاصل کیا (پھر خاتمہ میں لکھتے ہیں) جو شخص اس امام عالیشان کے اوصاف اس سے زیادہ جانتا ہو وہ کتاب اصفی الموارد فی ترجمۃ سیدنا خالد کا مطالعہ کرے جو امام ہمام شیخ عثمان السند نے تالیف فرمائی ہے کیونکہ یہ کتاب اپنے موضوع میں بے مثل وبے مثال ہے۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ... دلیوں کے امام میدان معرفت کے سیاح اللہ کے مقرب اور بحر معرفت کے شناور، رہنماؤں کے سردار انجمن اولیاء کی شمع پیشوایان دین کے رہبر اور بزرگان روحانی کے قبلہ توجہ. کائنات عالم کے روشن چراغ. آسمان علم معرفت کے آفتاب خورشید، حکمت کی کنجی اور اسرار الٰہی کے محرم. عالم قدس کے امین یعنی حضرت شاہ عبد اللہ جنکی نظر توجہ سے سنگ سیاہ میں لعل بدخشاں کی خاصیت پیدا ہوتی ہے۔ خالد درماندہ کو اپنے کو اپنے جام معرفت سے سیراب کیجیے اس لیے کہ وہ تشنہ لب مستحق ہے اور آپ دریائے احسان ہیں

علامہ شامی اسی رسالہ میں لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام اہل شام کو دیا کہ اس امام ہمام کا محل ومقام ملک شام کو قرار دیا اور عوام وخواص علما وفضلا اور امرا وحکام وارکان سلطنت کا مرجع وملجا آپکی چوکھٹ کو بنایا۔ حتیٰ کہ ۱۲۴۲ھ میں سخت طاعون واقع ہوا جس میں آپ کے دو جوان فرزند راہی ملک بقا ہوئے علامہ شامی لکھتے ہیں کہ میں بغرض تعزیت حاضر خدمت ہوا تو میں نے ان کو خوش اور مسکراتا ہوا پایا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ میرے قلب میں حمد اور رضا بہ نسبت استرجاع کے زیادہ ہے پھر میں نے عرض کیا کہ دو دن ہوئے ہیں نے ایک خواب دیکھا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور میں ان کے جنازہ میں شریک ہوں یہ خواب سن کر فرمایا کہ میں حضرت عثمان کی اولاد میں ہوں گا یا اس خواب کی تعبیر انہوں نے اپنے متعلق لی۔ چنانچہ اس دن بعد نماز عشاء انہوں نے اپنے مریدوں کو کچھ نصیحتیں کیں اور اپنا جانشین مقرر کیا پھر گھر میں تشریف لے گئے اسی شب کو طاعون میں مبتلا ہوکر شہادت پائی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی مہاجر مدنی اپنے رسالہ تذکرہ حضرت شاہ غلام علی صاحب میں ان کے خلفا کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :-

حضرت مولانا خالد شہرزوری کردی رحمۃ اللہ علیہ عالم نامدار بودند در ہر فن استعداد عجیب داشتند بنجاہ کتاب حدیث سند داشتند در علمائے ہندوستان فی الجملہ مدح حضرت شاہ عبدالعزیز[1] مے نمودند اشعار فارسی وعربی شان در سلاستہ نظم گوئی

حضرت مولانا خالد شہرزوری کردی رحمۃ اللہ علیہ نام آور عالم تھے ان کو ہر فن میں عجیب و غریب استعداد تھی اور حدیث کی پچاس کتابوں کی سند حاصل تھی ہندوستان کے علماء میں صرف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی فی الجملہ تعریف کرتے تھے ان کا فارسی و عربی کلام سلاست وروانی

[1] جس زمانہ میں حضرت مولانا خالد دہلی تشریف لائے یہ وہی زمانہ ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ دہلی میں رونق افروز تھے مولانا خالد کی علمی شہرت سن کر ملاقات کے لیے خانقاہ میں تشریف لائے مگر مولانا خالد سوا اوقات نماز کے اور حلقہ توجہ کے اپنے حجرہ کے اندر دروازہ بند کر کے بیٹھا کرتے تھے حضرت شاہ ابوسعید صاحب نے جاکر اطلاع کی کہ دہلی کے بہت بڑے عالم آپ سے ملنے آئے ہیں مولانا خالد نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب جس کام کے لیے میں آیا ہوں۔ جب تک اس سے فراغت نہ ہو میں کسی سے نہیں مل سکتا بعد فراغت انشاءاللہ میں خود ان کی زیارت کرونگا ۱۲۔

سبقت از فردوسی وفرزدق بردہ بود
حضرت الیشان اشعار الیشان بعارف جامی
مناسبت مے فرمودند قصائد عربی وفارسی
کہ در مدح حضرت الیشاں نظم نمودند
کم از منظومات خسرو وجامی کہ در مدح
سلطان المشائخ وخواجہ احرار نظم کردہ
اند نتواں گفت دیگر بفاصلہ چند سطور ر
حضرت بوقت رخصت بشارت قطبیت
آن دیار عنایت فرمودہ بودند وقتیکہ آنجا
رفتند ریاضتہائے بسیار کشیدند ہجوم
خلق چنداں شد کہ گویا سلطنت آں دیار
بالیشاں تعلق یافت خلفای الیشاں وخلفای
خلفائے الیشاں ہزارہا کس شدہ باشند پھر
حضرت مولنا خالد کا ایک خط اپنے والد ماجد
حضرت شاہ ابو سعید صاحب کے نام نقل
فرمایا ہے وہو ہذا مرکز دائرہ غربت ومہجوری
خالد کردی شہرزوری بعرض مقدس عالی مخدومی
جناب ابو سعید مجددی معصومی میرساند
اگرچہ بہ یمن ہمت حضرت قبلہ عالم روحی
فداہ فیوض خاندان عالیہ آبا واجداد
کرام آن مخدوم عالی مقام کہ باین مقصر
گمنام رسیدہ ست بروں از حیز تحریر خارج از حوصلہ
تقریرست اما بفحوای ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ بمقام

ہیں فردوسی وفرزدق سے بڑھ چڑھ کر تھا۔ ان کے
پیر طریقت حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ ان کے
اشعار کو عارف جامی کے ہم پلہ فرماتے ہیں۔ عربی
وفارسی میں جو قصیدے انہوں نے اپنے پیر کی
طریقت میں ارشاد فرمائے ہیں وہ خسرو اور جامی کے
اُن قصیدوں سے کم نہیں ہیں جو انہوں نے (اپنے
پیران طریقت) حضرت سلطان المشائخؒ اور حضرت
خواجہ احرارؒ کی مدح میں فرمائے۔ چند سطروں کے بعد
ان کے شیخ طریقت نے روانگی کے وقت ان کو ملک
شام کی قطبیت کی بشارت دی جب حضرت مولانا
موصوف اپنے وطن واپس پہنچے تو انہوں نے بڑی
ریاضتیں کیں مخلوق خدا کا ان کی طرف اس قدر رجوع
ہوا کہ معلوم ہوتا تھا۔ ان ممالک میں انکی سلطنت ہے ان
کے خلفاء اور ان کے خلفاء کے خلفاء کی تعداد ہزاروں ہو گئی
(اردو عبارت کے بعد) دائرہ غربت ومہجوری کا مرکز خالد کردی جناب
مخدومی ابو سعید مجددی معصومی کی خدمت عالی ومقدس میں عرض
پرداز ہے کہ جناب مخدوم عالی مقام کے آبائے کرام کے خاندان
عالیشان سے جو فیوض وبرکات حضرت قبلہ عالم کی ہمت
توجہ کی برکت سے اس عاجز قاصر کو پہنچے ہیں وہ اگرچہ احاطہ
تحریر سے بالاتر اور حوصلہ بیان سے برتر ہیں لیکن اس مثل
کے مطابق کہ

بطور شکر گزاری اتنا عرض کرتا ہے کہ تمام
مملکت روم وعرب اور حجاز اور عراق اور بعض

شکر گزاری بر آمدہ عرض حضور مے نماید کہ یک
قلم تمامی مملکت روم و عربستان و دیار حجاز
و بعضے از ممالک قلمرو عجم و جمیع کردستان
از جذبات و تاثیرات طریقۂ علیا سرشار و
ذکر محامد حضرت امام ربانی مجدد و منور الف
ثانی قدس اللہ سرہ السامی آناء اللیل والنہار
در محافل و مجالس و مساجد و مدارس زبان زد
صغار و کبار ست نحوے کہ در ہیچ قرنے
از قرون و ہیچ اقلیمے از اقالیم مظنہ نیست
کہ گوش زمانہ نظر ایں زمزمہ را شنیدہ یا دیدہ
فلک و دار ایں رغبت و اجتماع را دیدہ
باشد، از انجا کہ شدت رغبت حضرت
صاحب قبلہ و آن قبلہ معلوم خاطر حزیں ایں
مہجور مسکیں بود بمقام گستاخی بر آمدہ فرح افزائے
خاطر آں جناب و سائر احباب شد ہر چند اظہار
ایں گونہ امور صورت گستاخی و خود بینی دار و ایں
فقیر را شرمندہ مے دارند، اما رعایت جانب
دوستان را مقدم داشتہ بمقام بے ادبی آمدہ
وگرنہ نوشتن ایں امور ازیں نالائق محض دور
بود و ار جوانیکہ مشافہتہً یا مراسلۃً چنانکہ مقتضای شیمہ
کریمہ ست از ذکر جمیل ایں مسکین ذلیل در حضور حضرت
با فر و سعادت حضرت صاحب قبلہ کوتاہی
نہ فرمایند و باہی تقریب کان ما را دراں آستان

ممالک عجم اور سارا کردستان طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی
تاثیرات و جذبات سے سرشار ہے اور شب و روز تمام
محافل و مجالس میں مساجد و مدارس میں حضرت
امام ربانی مجدد و منور الف ثانی کے محاسن و محامد
کا ذکر اس طرح ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ہے
کہ اس کا گمان نہیں ہو سکتا کہ کبھی کسی ملک میں اور
کسی وقت میں گوش زمانہ نے ایسا زمزمہ سنا ہو یا
چشم فلک نے ایسی رغبت اور ایسا اجتماع دیکھا
ہو چونکہ اس مہجور و مسکین کو حضرت صاحب قبلہ
اور آنجناب کی بے انتہا خواہش معلوم تھی، اس
لیے ایک گونہ گستاخی کر کے وہ حقیقت حال
جناب کے لیے اور تمام احباب کے لیے موجب
فرحت ہے تحریر کر دی اگرچہ اس قسم کی باتوں
کا اظہار ایک طرح کی گستاخی و خود بینی ہے یہ فقیر
اس پر شرمندہ ہے محض دوستوں کے حق کو مقدم
جان کر اس بے ادبی کی جرأت کی ورنہ ایسی باتیں
تحریر کرنا اس نالائق سے بہت دور ہے مجھے
امید ہے کہ جناب اپنی عادت کریمہ کے مطابق
حضرت صاحب قبلہ کے حضور میں بالمشافہ یا خط
کے ذریعہ سے اس مسکین و ذلیل کا ذکر خیر کرنے
سے کوتاہی نہ فرمائیں گے اور جس طریقہ سے ممکن
ہو گا مجھ کو اس دربار میں جو سعادت
مندوں اور سچوں کا مرکز ہے یاد فرمائیں گے اور خود

کہ موقوفہ بختیاران درا کستان ستیا دنماند وخود نیزگاہ گاہے بہ نیم نگاہے زنگ قساوت را ازل ما بے نوایاں دور بینمایند۔ وگرچہ نو سید در پناہ مہیمن منعام در ضمن ہمت پیران کرام باشند بمنہ انتہی۔

بھی کبھی کبھی اپنی نیم نگاہی سے ہم بے نواؤں کے دل سے زنگ قساوت دور فرمائیں گے اس کے سوا کیا لکھوں پیران کرام کی توجہ باطنی سے آپ اس بڑے انعام کرنے والے اور حفاظت کرنے والے کی پناہ میں رہیں۔

یہ تو آپ کی ذریت اور آپ کے خلفا کا حال تھا۔ اب آپ کے مکتوبات قدسیہ کے متعلق کیا لکھا جائے جس نے مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ کس قدر خدمت دین پاک کی گئی ہے اور ان مکتوبات قدسیہ کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے کس قدر ضروری ہے۔

یہ آپ کی کھلی ہوئی کرامت ہے کہ ہر وقت کے مناسب ہدایات ان مکتوبات سے حاصل ہوتی ہیں۔ آج کل بدعت کا رواج زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ بدعت کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں ایک بدعت حسنہ دوسرے بدعت سیئہ۔ مکتوبات قدسیہ میں متعدد مکتوب اس کے متعلق ہیں۔ جن میں آپ نے بڑی تحقیق سے اس کو بیان فرمایا ہے کہ بدعت ہرگز حسنہ نہیں ہو سکتی ہے۔

روافض کا آپ کے زمانہ میں کچھ زور ہو رہا تھا لہذا متعدد مکتوبات رد رفض میں موجود ہیں ابھی چند روز ہوئے یہ بحث نکلی کہ حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت ابوبکر صدیق سے افضل کہنے والا بھی سنی ہو سکتا ہے۔ کہ نہیں اس کے متعلق بھی آپ کا فیصلہ موجود ہے دفتر اوّل حصہ سوم صہ ۹۴ مکتوب ۲۲۹ میں فرماتے ہیں:۔

کسیکہ حضرت امیرؓ افضل از حضرت صدیق گوید از جرگہ اہل سنت مے برآید۔

جو شخص حضرت امیرؓ کو حضرت صدیقؓ سے افضل کہتا ہے وہ اہل سنت سے خارج ہے۔

ایک زمانہ میں نماز تہجد کی جماعت کا جھگڑا نکلا اس کے متعلق بھی آپ کی مکتوبات میں ہدایت موجود ملی دفتر اول حصہ سوم صہ مکتوب ۱۶۸ میں اپنے پیر کے پیرزادوں کو لکھتے ہیں کہ:۔

نماز تہجد را بہ جمعیت تمام اداے نمایند واس

(کچھ لوگ) نماز تہجد جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس

بدعت را در رنگ سنت تراویح در مساجد رواج و رونق مے بخشند و ایں را نیک مے دانند و مردم را براں ترغیب مے کنند۔	بدعت کو سنت تراویح کی طرح مساجد میں رونق و رواج دیتے ہیں۔ اور اس کو ایک اچھا کام سمجھتے ہیں اور دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں (حالانکہ یہ بدعت ہے۔)

کچھ دن ہوئے سجدہ تعظیمی کا غیر اللہ کے لئے جواز بڑے شد و مد سے شروع ہوا۔ اس کا فیصلہ بھی آپ کے مکتوبات میں ہے کہ سجدہ ہرگز غیر اللہ کے لیے جائز نہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے مسجود الیہ فرشتوں کا بنایا تھا نہ مسجود لہ۔

جاہل صوفی کہا کرتے ہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور چیز ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ شریعت پوست ہے اور طریقت مغز ہے اس کا رد بھی کما ینبغی آپ کے مکتوبات میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عجیب کمال مکتوبات قدسیہ میں ہے کہ ہر ضرورت اور ہر ظلمت میں اُن کی روشنی مشعل راہ بنتی ہے۔ اور حقائق و معارف الہیہ کے لیے تو ان کا بے نظیر ہونا گویا مسلّم الکل ہے۔

آپ کے مکتوبات قدسیہ کی طرف تمام دنیا کے مسلمان متوجہ ہوئے اور علمائے دین نے خوب خوب خدمتیں انجام دیں، چنانچہ علامہ محمد مراد مکی نے تمام مکتوبات کا ترجمہ عربی زبان میں کیا جو دمشق میں طبع ہوا اور ایک عالم نے مکتوبات شریفہ کے روایات کی تخریج کی جس کا نام تشیید المبانی ہے۔

ارادہ تھا کہ اس موقع پر چند مکتوبات شریفہ کے اقتباسات درج کیے جائیں اور انہیں کو خاتمہ کلام بنایا جائے مگر مضمون طویل ہو گیا اس لئے قلم کو روک لیا گیا۔

عمر بگذشت و حدیث درد ما آخر نشد[1]
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

ھذا اٰخر الکلام فی ھذا المقام و اٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و علیٰ اٰلہ و صحبہ اجمعین

[1] عمر ختم ہو گئی ہے لیکن ہمارے درد محبت کا افسانہ ختم نہ ہوا۔ اب چونکہ رات ختم کے قریب ہے اس لئے میں اپنے افسانہ کو بھی مختصر کرتا ہوں۔

مکتوبات امام ربانی رح کا تعارف

[حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب مدظلہ نے اپنے مقالہ کے آخر میں (جو گزشتہ صفحہ پر ختم ہوا ہے) امام ربانی کے باقیات صالحات کے ذیل میں آپ کے مکتوبات قدسیہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ان مکتوبات کے بارہ میں کچھ تفصیلات مزید تعارف کے لیے ذیل میں درج کی جا رہی ہیں ـــــ یہ مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری کے مقالہ سے ماخوذ ہیں جو مجدد نمبر "الفرقان" میں شائع ہوا تھا]

امام ربانی کے مکتوبات کے تین دفتر ہیں سب سے بہتر اور دیدہ زیب اڈیشن وہ ہے جس کو خاص الخاص اہتمام سے مطبع مجددی امرتسر نے ۱۳۳۳ھ میں شائع کیا تھا۔ اس پر نہایت مفید حواشی بھی ہیں۔ اور تصحیح کا بھی حق ادا کر دیا گیا ہے یہ فلسکیپ سائز کے ۱۲۶۲ صفحات پر ختم ہوا ہے۔

دفتر اول۔ موسوم بہ **درالمعرفت** ہے اس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں اس کے جامع خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی ہیں۔ جو حضرت مجدد صاحب کے مرید ہیں ان کے نام کے ساتھ "جدید" کا لفظ اس لیے لگا ہے کہ ایک اور صاحب کبھی امام موصوف سے پہلے مرید ہو چکے تھے۔ اتفاق سے ان کا نام بھی یار محمد تھا۔ فرق کرنے کے لیے ان کو "قدیم" کہتے تھے اور ان کو جدید (دوسرے دفتر کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت امام نے سنا کہ ۳۱۳ مکتوبات جمع ہو چکے ہیں تو ارشاد فرمایا کہ چونکہ ۳۱۳ کا عدد ایک مبارک عدد ہے کیونکہ حضرات پیغمبران مرسلین علیہم السلام کا بھی یہی عدد ہے اور حضرات صحابہ اہل بدر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عدد ہے اس لئے اس دفتر کو اسی مبارک عدد پر تیمناً ختم کر دو)۔

دفتر دوم موسوم بہ **نورالخلائق** ہے یہ تاریخی نام ہے اس سے ۱۰۱۹ھ نکلتا ہے

جو اس کے جمع کی تاریخ ہے اس میں کل ۹۹ مکتوبات ہیں۔ اس کے جامع خواجہ عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ ابن خواجہ چاکر حصاری مرید حضرت مجدد صاحب ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مخدوم زادہ یعنی شیخ مجدد والدین عرف خواجہ محمد معصوم (صاحبزادہ حضرت مجدد صاحب) کے حکم سے میں نے ان مکتوبات کو جمع کیا ہے۔ تیسرے دفتر کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ جب ۹۹ کے مبارک عدد کے برابر مکتوبات جمع ہو گئے تو دوسرے دفتر کو تبرکاً اس پر ختم کر دیا گیا کہ اسماء حسنیٰ کا یہی عدد ہے۔

دفتر سوم۔ موسوم بہ معرفۃ الحقائق۔ ہے اس میں کل ۱۲۴ مکتوبات ہیں اس کے جامع خواجہ محمد ہاشم مرید حضرت مجدد صاحبؒ ہیں۔ انہوں نے ۱۰۳۱ھ میں حضرت امام کے پاس رہ کر ان مکتوبات کو جمع کیا جامع نے دیباچہ میں لکھا ہے۔ کہ اس میں سورہ ہائے قرآنی کے عدد کے موافق ۱۱۴ مکتوبات ہیں مگر یہیں دراصل اس میں ۱۲۴ مکتوبات مکتوب ۱۱۵ پر حاشیہ میں لکھا ہے۔ کہ آگے کے نو مکتوبات۔ شاید بعد از ا بمعرض تسوید آمدہ باشد و ملحق شدہ فافہم۔ اس طرح ۱۲۴ مکتوبات ہو گئے۔ پھر مکتوب ۱۲۴ کے حاشیہ پر لکھا ہے۔ کہ این مکتوب در بعضے نسخ غلطیہ یافتہ شد

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نسبت بہ این مکتوب فرمودہ اندکہ آں مکتوب داخل جلد ہائے مکتوبات قدسی آیات نشدہ۔ غرض کل ۵۳۶ مکتوبات ہیں جن میں ۲۰ مکتوبات وہ ہیں جو حضرت مجدد صاحب نے اپنے پیر کو لکھے ہیں۔ دو یا تین مکتوبات اپنی کسی مریدہ عورت کو بہ عنوان بہ یکے از صالحات لکھے ہیں۔ ایک خط سلطان وقت (غالباً سلطان نورالدین جہانگیر کو) ایک مکتوب ہر دسے رام کسی ہندو کو۔ بقیہ اپنے معاصرین معتقدین و مریدین کو۔ ان میں سے اکثر مکتوبات کی حیثیت آج کی اصطلاح میں "مقالات" کی سی ہے بعض مکاتیب ایسے بھی ہیں کہ اگر کتابی سائز پر چھاپے جائیں تو کئی کئی جز میں آئینگے۔ (مکاتیب کے مضامین کی رفعت جامعیت اور افادیت اور تاثیر و طاقت کا اندازہ ان کے ان اقتباسات سے پورا پورا لگایا جا سکتا ہے۔ جن سے اس مجموعہ کے صفحے کے صفحے بھرے ہوئے ہیں۔)

حضرت مجدد الف ثانی رح

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کی نظر میں

[شیعوں کے رد میں امام ربانی رح کا ایک رسالہ "رد الرفضہ" ہے (جو مکتوبات کی آخری جلد کے ساتھ چھپا ہوا ہے) حضرت شاہ ولی اللہ رح نے اس رسالہ کی شرح لکھی ہے جس کا کچھ حصہ قلمی جناب مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری (حال صدر مفتی دار العلوم دیوبند) کے پاس راقم سطور نے دیکھا ہے۔ شاہ صاحب رح نے اس شرح کے شروع میں بڑے عقیدت مندانہ انداز میں امام ربانی رح کا کچھ تعارف بھی کرایا ہے اور اس سلسلہ میں آپکی تجدیدی خدمات اور مسلمانان ہند پر آپ کا بھی کچھ ذکر فرمایا ہے۔ الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر (۱۳۵۷ھ) میں جو مقالہ مفتی صاحب ممدوح کا شائع ہوا تھا اس میں شاہ صاحب رح کی شرح رسالہ کے کچھ اقتباسات بھی درج کئے گئے تھے۔ جو اس مقالہ کا اہم حصہ تھا۔ ذیل میں اس مقالہ کا وہ حصہ بلفظہ نقل کیا جاتا ہے اس میں چند سطریں شاہ صاحب کی شرح رسالہ سے زائد بھی ہیں لیکن وہ متمیز ہیں۔ بہر حال ہم اس مقالہ کے اس حصہ کو بلفظہ درج کرتے ہیں۔ جس میں شرح رسالہ کے اقتباسات ہیں۔]

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ شرح رسالہ میں فرماتے ہیں۔

وتولی السلطنۃ بعدہ ولدہ اکبر فتزلزلت دار تفعت رایۃ الجھل والضلال وثاب من کل اوب اھل الملل المختلفۃ والمذاھب الباطلۃ وعظمت الفتنۃ وتولی بعدہ ولدہ جہانگیر وکان ماجنا مدمنا للخمر فرفعت الھنود رؤسھا وبضت الروافض رؤسھا وضعت اللہ بایات اھ۔

ہمایوں کے بعد جب اکبر تخت سلطنت پر بیٹھا تو زندیقیت اختیار کی۔ اور جہالت وگمراہی کے پھریرے اُڑنے لگے۔ ہر طرف سے مختلف ملتوں اور باطل مذہبوں کے لوگ دوڑ پڑے اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے۔ درباری آداب سجدہ تھا۔ درباریوں کی زبان پر "جل جلالہ اکبر شانہ" کے نغمے تھے۔ ہندوگردی۔ روافض کا زور۔ مسجدیں ویران۔ "الٰہی مذہب" کا رواج تھا۔ اور ہندو مذہب کی رعایت اتنی کہ ابو الفضل جو بادشاہ کا وزیر تھا ایک کتاب بادشاہ کے پاس لے کر آتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کے عمل کے لیے فرشتہ ابھی آسمان سے لیکر اترا ہے۔ جس میں ایک ٹکڑا یہ بھی تھا۔

یا ایہا البشر لا تذبح البقر وان تذبح البقر

فماواک السقراہ۔

"دبستانِ مذاہب" میں الٰہی مذہب کی پوری تفصیل موجود ہے۔ شیخ عبد النبی گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے علی الاعلان اکبر کا خلاف کیا جس کے صلہ میں اکبر نے ان کو قتل کر دیا وہ اکبر کو اکفر بھی فرماتے تھے :۔

منہم الشیخ عبد النبی الذی جاھر اکبر بالانکار فقتلہ

وھو مصنف سنن الھدیٰ الخ (رشحہ رسالہم)

جہانگیر ماجن شرابی تھا۔ دیانتیں ضائع کر دی گئیں۔ ہندوں اور رافضیوں نے سر اٹھایا اور ہیبت ناک فتنے پیدا ہو گئے۔

ایسے زمانہ میں احکام اسلامیہ کی کیا قدر ومنزلت اور ان پر کس طرح عمل ہوتا ہوگا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے انفرادی اور شخصی طاقتیں بادشاہی اور قہرمانی قوتوں کے سامنے عاجز تھیں۔ ہندوستان کو اس وقت خدائی نصرت وامداد کی سخت ضرورت تھی۔ بجز غیبی امداد کے اور کوئی شے اس وقت نافع نہ تھی۔ دنیا کو ایک ایسے مجدد دین کی ضرورت تھی۔

جو سلطنت وحکومت کے الحاد وزندقہ کو شکست فاش دیکر قانون ربانی اور احکام شرعیہ کی حکومت قائم کر دے اور دنیا کی کایا پلٹ دے جس

کے دل میں اسلامی درد تھا۔ اس کی تڑپ تھی وہ لیسے ہی باخدا اور جرأت و ہمت والے کا منتظر اور اس کے لیے چشم براہ تھا۔ آخر غیرت خداوندی بتاریخ ۱۴ شوال المکرم ۹۷۱ھ جمعہ کے دن اس شخص کو شہر سرہند میں پیدا کر دیا۔ جس سے آگے چل کر تجدید اسلام کا کام لینا تھا۔ جن کا نام نامی امام ربانی مجدد الف ثانی بدر الدین ابو البرکات شیخ احمد بن عبد الاحد عمری فاروقی سرہندی ہے

قدرت کے کرشموں کے علل و حکم کی تہ تک کسی کو رسائی نہیں ہو سکتی اور اس کے رموز کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ اتفاق وقت کیا عجیب ہے۔ کہ جس طرح اکبری و جہانگیری دور میں مصائب و فتن مظلمہ کا جوش و خروش تھا۔ الحاد و زندقہ کی گرم بازاری تھی۔ مشرکین اور روافض کے رسوم و بدعات کا دور دورہ تھا۔ جس کا عشر عشیر بھی زمانۂ سابق میں نہ تھا۔ اسی طرح دونوں عہدوں میں اولیا کرام اور علماء ربانی کا اجتماع بھی ایسا تھا۔ کہ اس سے قبل اس کی نظیر نہیں ملتی۔ شاہ صاحب نے شرح رسالہ میں اس کی تفصیل کی ہے خاص دہلی میں اس وقت سید عبد الوہاب بخاری۔ شاہ محمد خیالی صاحب الرحمنات العجیبیۃ۔ شیخ عبد العزیز چشتی۔ خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم موجود تھے۔ ہر ایک ان میں کا صاحب کرامت اور صاحب تصانیف تھا۔ اور اپنے اپنے فن کا امام۔

گنگوہ میں شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی اولاد موجود تھی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ کہ ہر ایک ان میں کا یکتائے روزگار تھا۔ انھیں میں سے شیخ عبد النبی گنگوہی تھے۔ جن کو اکبر نے قتل کیا تھا۔

مولنا سید رفیع الدین اکبر آباد میں تھے۔ جو اپنے زمانہ میں صالحین اور اہل علم کے ماواؤ ملجا تھے۔ یہ وہی شیخ الحدیث ہیں کہ حافظ سخاوی نے ان سے حدیث کی پچاس کتابوں کی سند اجازت حاصل کی۔

اسی طرح امیر ابو العلی علوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اکبر آباد میں موجود تھے جو طریقہ علویہ نقشبندیہ

کے زبردست شیخ تھے۔ گوالیار میں شاہ محمد غوث گوالیاری. نارنول میں شیخ نظام نارنولی اور سرہند میں مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ تھے۔ یہ حال تو دہلی اور اس کے اطراف کا ہے کہ یہ حضرات اکابر جمع تھے۔ ان کے علاوہ اطراف گجرات اور دکن میں اور علماء و اولیاء بڑے بڑے پائے کے حضرات موجود تھے۔ شرح رسالہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں۔

ومن عجیب صنع اللہ انہ کما تراکم فی عہد ھذین من الفتن الدھماء مالم یر ولا معشارہ فی عہد القدماء وکذلک لم یر مثل عہدھما فی اجتماع الاولیاء اصحاب الآیات الظاہرۃ والکرامات الباہرۃ والعلماء اصحاب التصانیف المفیدۃ والتوالیف الجیدۃ کالسید عبد الوہاب البخاری الخ۔

یہ وہ حضرات ہیں، جن کے ناموں سے برکت حاصل کی جاتی ہے اور جن کے ذکر سے رحمت خداوندی کے نزول کی امید کی جاتی ہے۔

ھولاء وغیرھم ممن یتبرک باسمہ ویرجی نزول الرحمۃ بذکرہ وھولاء من نواحی دھلی خاصۃ فضلا عمن کان فی گجرات ودکھن وغیرھما الخ (شرح رسالہ)

مجدد صاحب کا نسب ستائیس واسطوں سے خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظم بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے چونکہ نسباً آپ فاروقی ہیں۔ اس لیے آپ کی تجدید اور آپ کے ارشاد و تلقین کا دور دورہ اسی جاہ و جلال کے ساتھ تھا۔ جو خلیفہ ثانی فاروق اعظم رضی اللہ کی شان تھی۔ مجدد صاحب کا خاندان آبائی علم و فضل اور ارشاد و تلقین کے منصب پر فائز تھا۔

جواہر مجددیہ مولفہ مولوی احمد حسین خان امروہی ثم حیدر آبادی میں اس کی پوری تفصیل ہے۔ اس کو یہاں نقل کرنا طول عمل ہے۔ اسی رسالہ میں یہ ہے۔ کہ اکبر شاہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر معبروں نے یہ دی تھی۔ کہ ایک صالح بزرگ کے

ظہور سے آپ کے آئین سلطنت میں تزلزل پیدا ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا صفحہ ۱
سترہ سال کی عمر میں آپ تمام علوم و فنون اور حفظ قرآن وغیرہ سے فارغ ہو کر مسند درس و تدریس پر متمکن ہوگئے۔ نقشبندیہ خاندان میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خلیفہ قرار پائے تمام خاندانوں سے آپ کو اجازت بیعت حاصل ہے۔ بڑے بڑے اولیاء و اکابر علماء آپ کے حلقہ بگوش تھے۔ تمام عمر اتباع کتاب و سنت اور اس کی تبلیغ اور اجتناب بدعت اور اس کے مٹانے میں گزاری جس پر مکتوبات کے تین دفتر شاہد عادل ہیں۔ اور حضرت شاہ صاحب کا قول کافی جو شرح رسالہ میں ہے اسی رسالہ ہی کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

الرسالۃ التی انشاھا ارحد زمانہ وفرید آوانہ الجہبذ الراسخ فی الشریعۃ والطریقۃ والطود الشامخ فی المعرفۃ والحقیقۃ ناصر السنۃ قامع البدعۃ سراج اللہ الموضوع یستضئ بہ من شاء من عبادۃ المومنین وسیف اللہ المسلول علی اعدائہ من الکفرۃ والمبتدعین الامام العارف العالم الالمعی مولانا الشیخ احمد الفاروقی الماتریدی الحنفی النقشبندی السرہندی جزاہ اللہ سبحانہ عن المسلمین خیر الجزاء واحلہ بحبوحۃ الخلد دبواہ خطیرۃ الرضا الخ (شرح رسالہ)

اور حد زماں۔ فرید آواں۔ جہبذ۔ شریعت و طریقت میں راسخ۔ معرفت و حقیقت کے کوہ بلند۔ ناصر سنت قامع بدعت۔ اللہ کا روشن چراغ جو عالم میں اس لیے رکھا گیا ہے کہ مومن بندوں میں سے جو چاہے اس سے روشنی حاصل کرے۔ اللہ کے دشمنوں پر سیف مسلول۔ امام۔ عارف۔ عالم۔ مولانا شیخ احمد فاروقی ماتریدی حنفی، نقشبندی سرہندی نے یہ رسالہ تصنیف کیا ہے مسلمانوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور وسط جنت خلد اور خطیرۂ رضامندی

یں ان کو جگہ دے۔

ایسے شخص کو قدرت نے مذکورہ بادشاہوں کی سلطنت میں مجدد مقرر کیا تاکہ حکومت کی کایا پلٹ دے۔ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ حضرت شیخ کو جہانگیر بادشاہ نے گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا تھا۔ اور پھر آخر میں پشیمان ہو کر رہائی کا حکم کیا۔ تیسرے دفتر کے بعض مکتوبات میں اس قید کی طرف مجمل اشارات ہیں۔ قید خانہ میں رہ کر بھی ارشاد و تلقین کا سلسلہ جاری رہا۔ اور تمام قیدیوں کو باخدا بنا کر نکلے۔ جہانگیر کے دربار سے سجدۂ تعظیمی کو موقوف کرایا۔ خلاف شریعت قوانین منسوخ کرائے۔ ذبیحہ گاؤ کو علی الاعلان جاری کرایا۔ کفار پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ ویران اور منہدم مسجدیں آباد کرائیں اور قوانین شریعت کا نفاذ کرایا بالآخر جہانگیر نے توبہ کی اور مرید ہوا۔ شاہ صاحبؒ شرح رسالہ میں فرماتے ہیں۔

للہ در الشیخ فان لہ مع ما اولاہ اللہ فی نفسہ من الصفات الحمیدۃ من الشہامۃ والنجابۃ وکثرۃ العلم وتوقد الذہن واستقامۃ العمل والغیرۃ فی اللہ ورسولہ والکرامات الجلیلۃ۔ والمقامات الجزیلۃ ایادی فی رقاب اھل الھند ومن لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اھ۔

شہامت۔ نجابت۔ کثرت علم۔ توقد ذہن۔ استقامت عمل۔ اللہ ورسول کے بارے میں دینی غیرت کرامات جلیلہ۔ اور مقامات کثیرہ وغیرہ صفات محمودہ کے علاوہ جو اس شیخ کے نفس قدسی صفت میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہیں۔ اس کے بہت سے احسان اہل ہند کی گردنوں پر ہیں جن کا شکریہ ضروری ہے۔ اس لیے کہ جو شخص کہ لوگوں کا شکر ادا نہ کرے اللہ تعالیٰ کا شکرگزار نہ ہوگا۔ پھر شاہ صاحب نے احسانات شمار کرائے ہیں

(۱) مجدد صاحب ہی نے اطراف ہند میں نقشبندی طریقہ کو پھیلایا۔ اور خود آپ کے اور آپ کے اصحاب کے ذریعہ ایک خلق خدا مہذب ہو گئی۔

(۲) صوفیوں اور فقہا کے درمیان جو اختلاف تھا۔ اس میں ایک مستقل فیصلہ کیا۔ جس سے اختلاف مٹ گیا۔ اور یہ اس لئے کہ خود شیخ فقہیہ حنفی ماتریدی ہیں۔ اس کے ساتھ طریقۂ نقشبندیہ کے لب لباب اور خلاصہ کو بھی ملالیا۔ اور ان کو رسوم وعادات کو ترک کر دیا اور فریقین کے مقصود کا جامع باب کھول دیا۔ اور توحید شہودی اور وجودی کے ایسے معنی بیان کئے۔ جن پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ اور نہ اس میں کسی قسم کا اجمال باقی رہتا ہے۔ اور لوگوں پر ظاہر کر دیا کہ سالکوں کو جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام اجزاء عالم میں واحد سرایت کئے ہوئے ہے یہ حقیقت سلوک کا شیخ اور سلوک کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ ہے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مغلق اور مشکل باتوں کو حل کر دیا۔

(۳) امراء کو عقائد باطلہ سے منع کرتے تھے۔ ان کو لکھا کرتے تھے۔ کہ اپنی مجالس میں کسی رافضی یا ذمی کو نہ آنے دیں۔ عبادات وصدقات کی ان کو ترغیب دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مجدد صاحب کے ذریعہ ان امراء وحکام کو نفع پہنچایا اور ان حکام کے ذریعہ عام لوگوں کی اصلاح ہو گئی۔ قاعدہ ہے لوگ اپنے بادشاہوں کے طریق پر ہوتے ہیں۔

(۴) جب روافض کی بدعت ظاہر ہوئی۔ شیخ نے ان سے مناظرے کرنے شروع کر دیئے اور ہمیشہ ان کو ساکت وصامت کر دیتے تھے۔ تا ایں کہ ان کا فساد مٹ گیا۔

(۵) مسلمانوں میں سے وہ ضعیف الاعتقاد جن کی طبیعتیں کتب فلاسفہ کے مطالعہ یا ہندوؤں کی صحبت سے فاسد ہو چکی تھیں۔ نئے نئے قول انہوں نے ایجاد کئے اور کہنے لگے کہ ہم کو نبی کی حاجت نہیں۔ بندوں کو حرام وحلال کا مکلف کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ اعتقاد کے قابل ملکات ہیں۔ اعمال نہیں۔ وغیرہ ذٰلک۔ شیخ نے اس کے متعلق رسالہ لکھا اور ان کا

رد کیا۔ اور مختلف مجلسوں میں ان لوگوں سے مناظرے۔ مباحثے کئے۔ حتیٰ کہ ان کے اس الحاد کے فتنے کو مٹا دیا۔

ان امور کی وجہ سے پھر تو شیخ کی یہ حالت ہو گئی۔ کہ بجز مومن متقی کے اور کوئی ان سے محبت نہیں کرتا اور بجز فاجر شقی کے اور کوئی ان سے بغض وعداوت نہیں رکھتا تھا۔

نواب صدیق حسن خانصاحب رح

کا

خراجِ عقیدت

[نواب صاحب مرحوم باوجودیکہ مسلکاً "اہل حدیث" ہیں اور اپنے مسلک میں بڑے راسخ اور اس کے پرجوش داعی اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ایک راسخ حنفی ہیں اور فقہ حنفی پر بڑا گہرا اعتماد و یقین رکھنے والے ایک صوفی لیکن نواب صاحب مرحوم نے حضرت امام ربانی کے بارہ میں عقیدت کے جن جذبات کا اظہار کیا ہے۔ ان کا حق ہے کہ ان کو بھی اس "تذکرہ" کا جزء بنا دیا جائے۔ اپنی کتاب "تقصار جنود الاحرار" میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح کے متعلق نواب صاحب لکھتے ہیں]

عالم۔ عارف کامل مکمل بود۔ طریقہ نقشبندیہ را امام عہد ست۔ و برائے صوفیہ در مسالک سلوک مجدد مکتوباتش در سہ مجلد ست ولیں واضح اند بر علو علم و کمال تبحر او در معرفت و بلوغ غایت مقامات۔ ترجمہ شریفہ او در سالہا ساختہ اند ایں موضع مختصر ذکر آں ہمہ کمالات را نمی تواند گنجید حریص بود بر اتباع سنت و ترک بدعت۔ وجود امثال شاہ ولی اللہ و میرزا مظہر جان جاناں در اصحاب طریقہ او کفایت است از برائے دریافت قدر و منزلت وے رضی اللہ عنہ و بالجملہ امام اہلسنت بود در عہد خود۔ و طریقہ علیہ وے رحمۃ اللہ مبنی بر اتباع کتاب و سنت در ظاہر و باطن و نہ پذیرفتن چیزے کہ مخالف ایں ہر دو اصل محکم باشد۔ و ایں مکتوبات اصول عظیمہ است از برائے وصول بمنازل معرفت و قبول طالب صادق و سالک راغب را در ہیچ وقت او اوقات از مطالعہ آں بے نیازی حاصل نیست اھ ص ۱۱۱، ۱۱۲

ایک اور جگہ دوسری کتاب میں شیخ کے حالات میں نواب صاحب مرحوم لکھتے ہیں :-

علو مرتبہ کشفہائے مجدد الف ثانی در یافت باید کرد کہ از سر چشمہ صحو سرزدہ وگاہے
مخالف شرح نیفتادہ بلکہ بیشتر را شرع مؤید است و بعضے چناں است کہ شرع
ازاں ساکت است و مرتبہ ادر در اولیاء مثل مرتبہ الوالعزم است در انبیاء (ریاض المرتاض ص۱۲۲)

یعنی عالم، عارف کامل مکمل تھے۔ اپنے زمانہ میں طریقۂ نقشبندیہ کے امام تھے صوفیوں کے لیے سلوک کے راستوں میں مجدد و معرفت خداوندی اور مقامات کی انتہا پر پہنچے ہیں جو ان کو علو علم اور کمال تبحر حاصل تھا۔ اس پر یہ مکتوبات شاہد اور دلیل روشن ہیں۔ اتباع سنت اور ترک بدعت پر حریص تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہما جیسے حضرات کا ان کے سلسلہ طریق میں داخل ہونا ان کی قدر و منزلت معلوم کرنے کے لیے کافی ہے خلاصہ یہ کہ اپنے زمانہ میں اہلسنت والجماعت کے امام تھے ظاہر و باطن میں ان کا طریقۂ عالیہ کتاب و سنت پر مبنی ہے۔ اور جو چیز ان دونوں محکم اصول کے مخالف ہو وہ ان کے طریقہ میں مقبول نہیں معرفت و قبول کی منزلوں پر پہنچنے کے لیے یہ مکتوبات اصول عظیمہ ہیں۔ طالب صادق اور سالک راغب کو کسی وقت مکتوبات کے مطالعہ سے بے نیازی حاصل نہیں ہے۔

مجدد الف ثانی کے کشف کے مرتبۂ بلند کو اس سے معلوم کرنا چاہیئے کہ سب کشف چشمہ ہوش سے سرزد ہوئے اور کبھی کوئی کشف شریعت کے مخالف نہ ہوا بلکہ اکثر کی تو شریعت مؤید ہے اور بعض ایسے کشف ہیں۔ کہ شریعت ان سے ساکت ہے۔ اولیاء کرام میں ان کا مرتبہ ایسا ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں اُولو العزم نبیوں کا مرتبہ۔

(نواب صاحب مرحوم کی یہ دونوں عبارتیں بھی حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری کے مقالہ سے ماخوذ ہیں ——— مرتب)

حضرت مجدد الف ثانی رح

یورپ کی نظر میں

[عدد نمبر (۱۳۵۹ھ) میں اس عنوان کے تحت چند سطریں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی (مدیر صدق لکھنؤ) کی بھی شائع ہوئی تھیں۔ وہ بھی یہاں پڑھ لی جائیں۔]

یورپ کی نظر میں حضرت مجدد کی اصل حیثیت مبلغ دین کی ہے ڈاکٹر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام میں ہے۔

شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے جو شیعی عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے۔ شیعوں کو اس وقت دربار میں رسوخ حاصل تھا۔ ان لوگوں نے کسی بہانہ سے انھیں قید کرا دیا۔ دو برس وہ قید میں رہے اور اس مدت میں انھوں نے اپنے رفقائے زنداں میں سے سیکڑوں بت پرستوں کو حلقہ بگوش بنا لیا۔ (صـ ۴۱۲ طبع ثالث)

اسی طرح انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس (مذہب و اخلاقیات کی دائرۃ المعارف) میں تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں ہے۔

ہندوستان میں سترھویں صدی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد تھا۔ جو ناحق قید کر دیے گئے تھے۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی سو بت پرستوں کو مسلمان بنا لیا۔

(جلد ۸ صـ ۷۴۸)

باسمہٖ سبحانہ

تذکرۂ خلفائے مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار انند
کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(مولٰنا جامی)

از جناب مولٰنا نسیم احمد صاحب فریدی فاروقی امروہی

ادارۂ الفرقان نے جس وقت مجدد الف ثانی نمبر نکالنے کی تجویز طے کی اور یہ ارادہ عزم کے درجے میں آیا اس وقت حسن اتفاق سے میں بریلی آچکا تھا۔ اور اس نمبر کی تیاری تک میرا قیام دفتر الفرقان ہی میں رہا۔ مدیر الفرقان مدظلہ العالی نے مجھ کو بھی اس "بزم مسعود" میں شرکت کی دعوت دی ______ اہل اللہ اور خاص کر حضرت امام ربانی عارف باللہ کا تذکرہ یقیناً بڑی سعادت ہے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بسلسلۂ تعمیل حکم غور کرتے لگا کہ حضرت ممدوح کے کس شعبۂ حیات پر لکھوں۔ دل میں یہ آیا کہ براہ راست حضرت مجدّد علیہ الرحمۃ کے متعلق تو دیگر حضرات اہل قلم روشنی ڈالیں گے ہی، میں آپ کے خلفائے باصفا کا کچھ تذکرہ سپرد قلم کروں کہ بالواسطہ وہ بھی حضرتؒ ہی کا تذکرہ ہے،

جس طرح پھل سے درخت پہچانا جاتا ہے اسی طرح شاگرد سے استاد اور مرید سے شیخ کے حالات و کمالات کا صحیح صحیح اندازہ ہوجاتا ہے، الغرض شاگرد و مرید اپنے استاد و پیر کے آئینے ہوتے ہیں جن میں ان کے خط و خال صاف صاف

نظر آجاتے ہیں، اسی اصول پر قرآن مجید نے حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و صداقت کے ثبوت میں آپ کے تلامذہ و مسترشدین یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احوال و اعمال کو بھی بطور شاہد کے پیش کیا ہے،

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ (الآیہ)

بہر حال دل نے یہی فیصلہ کیا کہ حضرت شیخ سرہندی کے خلفاء کے متعلق کچھ لکھوں تاکہ تعلیم و تربیت اور قوت تاثیر کی راہ سے بھی حضرت شیخ کے کمال کا کچھ اندازہ ہو سکے، اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ جس انسان کے ذریعہ اتنے نفوس کے اندر ایمان و عمل کی اتنی جگمگاہٹ اور نور عرفان کی ایسی چمک پیدا ہو گئی وہ خود کس قدر پر نور و باکمال ہوگا۔

چونکہ مجھے صرف ایک "بجلاتی" مضمون لکھنا تھا۔ اور صفحات محدود دیئے گئے تھے۔ اور پھر حضرت کے تمام خلفاء مشہورین کے متعلق کچھ کچھ لکھنا ضروری تھا۔ اس لیے اختصار میرے لیے ناگزیر تھا، ورنہ خلفاء مجددیہ میں سے ہر ایک کے متعلق ایک مستقل کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

میرے مضمون کا زیادہ حصہ "زبدۃ المقامات" سے ماخوذ ہے، کہیں کہیں دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور وہاں حوالہ دے دیا گیا ہے۔

خواجہ محمد صادق رح:- آپ حضرت امام ربانی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے ہیں ۱۰۰۰ھ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے صدق و صفا کے آثار نمایاں تھے، ؎

بالائے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارہ بلندی

آپ کے جدا مجد حضرت شیخ عبدالاحدؒ نے آپ کو اپنی تعلیم و تربیت میں رکھا حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد فرمایا کرتے تھے کہ تمھارا یہ لڑکا مجھ سے حقائق و معارف کی ایسی ایسی عجیب باتیں دریافت کرتا ہے کہ ان کا جواب مشکل سے بن پڑتا ہے۔ جب حضرت ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی خدمت میں پہنچے تو یہ صاحبزادے بھی ہمراہ تھے۔ اور یہ بھی حضرت خواجہؒ کی نظر قبولیت میں آکر ذکر، مراقبہ اور جذبہ و نسبت سے مشرف ہو گئے۔ آپ کو باوجود صغر سنی کے وہ کمالات نصیب ہوئے کہ حضرت خواجہؒ آپ کو دیرینہ سال سالکوں کے مقابلے میں پیش فرماتے تھے۔ اور اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ یہ ہفت سالہ بچہ جس نے تھوڑے ہی عرصہ سے راہ سلوک میں قدم رکھا ہے بہت آگے نکل چکا ہے۔ اتنی سی عمر میں استغراق کا حد درجہ غلبہ تھا حتیٰ کہ حضرت خواجہؒ نے تخفیف کی غرض سے آپ کو بازار کا کھانا کھلایا تاکہ اس کے اثر سے یہ زیادتی رفع ہو چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"(خواجہ محمد صادق) آٹھ سال کی عمر میں اس قدر مغلوب حال ہو گئے تھے کہ ہمارے حضرت خواجہ صاحبؒ یہ کیفیت زائل کرنے کے لیے بازار کا کھانا جو کہ مشکوک و مشتبہ ہوتا ہے دیا کرتے تھے۔"

حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ "جس قدر مجھ کو محمد صادق سے محبت ہے اور کسی سے نہیں اور انھیں بھی جتنی مجھ سے محبت ہے کسی سے نہیں۔"

اسی عمر میں کشف قبور کا یہ عالم تھا کہ حضرت خواجہ ان کے کشف پر اعتماد فرماتے تھے، اور ان کو مقبروں میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔"

حضرت خواجہؒ نے جس جماعت کو تربیت باطنی کے لیے حضرت مجددؒ کے سپرد فرمایا تھا۔ اس میں یہ مخدوم زادہ بھی تھے اور تمام جماعت میں بہتر تھے، بعدہٗ اپنے والد ماجد کے فیض تربیت سے مرتبہ کمال و اکمال کو پہنچے اور الولد سر لابیہ، کے پورے پورے مصداق ثابت ہوئے سب سے زیادہ تعجب انگیز یہ چیز ہے۔ کہ صغر سنی سے ہی اس غلبہ کے باوجود دینی

تعلیم سے بھی فراغت حاصل کی اور علوم نقلیہ وعقلیہ میں ماہر ہوئے، بعد حصول علم تعلیم وتدریس میں بھی مشغول رہے۔

افسوس کہ عمر بہت کم پائی یعنی ۲۴ سال کی عمر میں عالم فانی سے رحلت فرما گئے ان کی وفات کے بعد حضرت ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں۔

فرزند مرحوم (خواجہ محمد صادق) اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی اور رحمت تھے چوبیس سال کی عمر میں وہ کچھ پایا کہ بہت کم لوگوں نے پایا ہوگا، علوم نقلیہ وعقلیہ کے درس وتدریس کو بحد کمال پہنچادیا تھا حتیٰ کہ اس کے شاگرد بیضاوی وشرح مواقف اور اسی قسم کی انتہائی کتابیں بڑھاتے ہیں۔

عقلی ونقلی مسائل علمیہ میں آپ کی قوۃ مدرکہ کا یہ حال تھا کہ شیراز کے ایک زبردست معقولی فاضل سے اپنے ذہن خداداد کا لوہا منوالیا تھا، فنا کے آثار اور عیش دنیا سے عدم تعلق کا اظہار، آپ کے چہرہ سے ہوتا تھا بلکہ اس کیفیت کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا تھا۔ چنانچہ بعض رؤسا آپ کی مجلس پر پہنچنے کے بعد کہا کرتے تھے۔ کہ جیسے ہی ہم اس جوان کو دیکھتے ہیں۔ ہمارا دل دنیا سے سرد ہو جاتا ہے۔
ایک درویش کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن اپنے ایک ہمسایہ کے متعلق صاحبزادہ مذکور کے سامنے زبان شکایت کھولی۔ اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو تنبیہہ فرمادیں تو اچھا ہو، مخدوم زادہ نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا کہ اے شخص! اگر ہم بھی دشمنی کا راستہ اختیار کریں۔ تو ہم میں اور اہل رسم میں کیا فرق رہے گا۔ ان درویش کا بیان ہے کہ یہ بات زبان مبارک سے کچھ اس تاثیر کے ساتھ ادا فرمائی کہ میں اس گزارش وشکایت پر پشیمان و نادم ہوا اور ہمسایوں کی طرف سے دل میں جو کینہ تھا وہ جاتا رہا۔

حضرت نے مکتوبات شریفہ میں آپ کی مدح میں بہت سے کلمات تحریر فرمائے ہیں ایک جگہ اپنے "معارف کا مجموعہ" تحریر فرمایا ہے، ایک مقام پر "نسخہ مقامات جذبہ وسلوک

قرار دیا ہے۔ مکتوب ۲۶۰، ۳۱ دفتر اول میں آپ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے ــــــ اس فقیر (خود حضرت مجددؒ) نے ولایت موسوی سے جو کچھ استفادہ کیا ہے وہ اجمالی ہے۔ اور میرے بڑے لڑکے (خواجہ محمد صادق رح) کا استفادہ تفصیلی ہے، یوں سمجھو کہ فقیر ولایت موسوی سے مومن آل فرعون (جس کا قرآن شریف میں ذکر ہے) کی طرح مستفید ہے اور فرزند علیہ الرحمہ ولایت موسوی سے ساحرین فرعون کی مانند مستفید ہے جو ایمان لے آئے تھے (اور جن کا مشاہدہ مومن آل فرعون کے مقابلہ میں تفصیلی تھا)۔

حضرت مخدوم زادہ کا وصال سرہند شریف ہی میں بعارضہ طاعون بتاریخ ۹ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ بروز دوشنبہ واقع ہوا۔ "دوشنبہ نہم ربیع الاول ۱۰۲۵ھ" ان الفاظ سے بھی تاریخ وفات نکل آتی ہے۔

خواجہ محمد سعیدؒ آپ ماہ شعبان ۱۰۰۵ھ میں پیدا ہوئے آپ بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح بچپن ہی سے صلاح و تقویٰ کا پیکر تھے خود حضرت فرمایا کرتے تھے کہ محمد سعیدؒ چار پانچ سال کے تھے کہ بیمار ہوئے غلبہ ضعف کے عالم میں ان سے دریافت کیا کہ بیٹا! کیا چاہتے ہو:۔ بے اختیار جواب دیا حضرت خواجہ (محمد باقی باللہ) کو چاہتا ہوں۔ میں نے ان کے یہ کلمات حضرت خواجہ کو لکھ بھیجے حضرت قدس سرہ نے جواب دیا کہ تمہارے محمد سعید نے ہماری نسبت غائبانہ طور پر اچک لی حضرت خواجہؒ نے حضرتؒ کے صاحبزادوں کے متعلق اپنے ایک مرید کو یہ کلمات تحریر فرمائے ہیں۔

فرزندان ایشاں کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند استعداد ہائے عجیب وارند بالجملہ شجرہ طیبہ اند انبتہا اللہ نباتا حسنا۔	ان کے (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے تمام فرزند اللہ تعالیٰ کے اسرار ہیں اور عجب استعداد رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ شجرہ طیبہ ہیں اللہ تعالیٰ پروان چڑھائے

آپ جب سن تمیز کو پہنچے علوم ظاہریہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے کچھ تعلیم اپنے والد بزرگوار سے کچھ اپنے بڑے بھائی سے اور کچھ شیخ طاہر لاہوری سے حاصل کی تھی کہ تمام علوم

عقلیہ و نقلیہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی اور تحصیل علم کے زمانے میں ہی حضرت رح کی توجہ سے طائفہ علیہ نقشبندیہ کی نسبت سے مشرف ہوئے ۔ ۱۷-۱۸ سال کی عمر سے درس دنیا شروع کیا اور معقول و منقول کی مشکل مشکل کتابیں پوری قابلیت سے پڑھائیں اور بعض کتابوں پر حواشی بھی لکھے انھیں میں سے تعلیقات مشکوٰۃ المصابیح بھی ہے، فقہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اور مشکل سے مشکل مسائل کو معمولی توجہ سے حل فرماتے تھے۔ ایک موقعہ پر سجدہ تحیتہ کے جواز و عدم جواز پر مناظرہ ہوا اس مناظرہ میں ایک طرف اس زمانے کے بہت سے مولوی صاحبان تھے۔ اور دوسری طرف آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی خواجہ محمد معصوم رح دونوں بھائیوں نے اپنی قوت علیہ کے وہ جوہر دکھائے کہ اہل علم متحیر اور حاضرین مجلس ششدر رہ گئے، صاحب زبدۃ المقامات فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت رح نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب محمد صادق علیہ الرحمۃ کا انتقال ہو گیا تو مجھے رنج تھا کہ ایسا جامع ظاہر و باطن فرزند جدا ہو گیا:۔

الحمد للہ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے کرم سے یہ دونوں بھائی اپنے بڑے بھائی کے قائم مقام کر دیئے، ان دونوں بھائیوں پر حضرت رح کی خاص نظر عنایت تھی اور حق تعالےٰ نے ان کو نسبتہائے بلند اور احوال ارجمند سے نوازا تھا اور یہ دونوں حضرت کے علوم و معارف کے حامل اور اسرار و رموز کے وارث تھے۔ صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ ایک سفر میں یہ دونوں مخدوم زادے حضرت کے ساتھ تھے، میں دیکھتا تھا کہ جب کوئی "معرفت" حضرت کے قلب پر وارد ہوتی تھی اس وقت حضرت دونوں فرزندوں کو بشوق تمام یاد فرماتے تھے۔

آپ کی وفات ۲۷ رجادی الاخری سنہ ۱۰۲۵ھ میں ہوئی مزار مبارک سرہند میں ہے۔

عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رح | آپ حضرت کے فرزند ثالث ہیں۔ آپ کی ولادت

لہ ان تین صاحبزادوں کے علاوہ حضرت کے چار صاحبزادے شیخ محمد فرخ رح، شیخ محمد عیسیٰ رح، شیخ محمد اشرف و بقیۃ الاصفحہ

باسعادت ۱۱ شوال ۱۰۰۹ھ میں ہوئی اسی سال حضرت رح کو حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کی خدمت میں پہنچنے کا شرف حاصل ہوا، چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ "محمد معصوم کی ولادت ہمارے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی کہ اس کی ولادت کے چند مہینے بعد حضرت خواجہ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور وہاں جو کچھ دیکھا وہ دیکھا" حضرت نے ایک مقام پر آپ کو "محمدی المشرب" تحریر فرمایا ہے اور ایک مکتوب میں ارقام فرماتے ہیں :-

از فرزندے محمد معصوم چہ نویسد کہ دے بالذات قابل ایں دولت است یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التحیہ۔	اپنے فرزند محمد معصوم کے متعلق کیا لکھوں وہ تو بالذات اس دولت یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التحیہ کی استعداد رکھتے ہیں۔

استعداد کی بلندی بچپن ہی سے آشکارا ہو چلی تھی۔

خود حضرت رح نے بچپن میں ان کی اس استعداد کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کہ "اس راستے میں فیضان الٰہی کے لحاظ سے بوڑھے، جوان، عورتیں اور بچے مساوی ہیں۔ ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ط

اسی استعداد کی وجہ سے حضرت کی نظر عنایت خاص طور پر ان کی شامل حال رہتی تھی، اور آپ ظہور کمالات کے منتظر تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ چونکہ علم مبدا حال ہے اس لیے اس کے حاصل کیے بغیر چارہ نہیں اسی وجہ سے علم معقول و منقول کو حاصل کرنے کی تاکید اور کتب دقیقہ علمیہ کا صفحہ صفحہ اور ورق ورق پڑھنے کا حکم فرما کر ارشاد فرمایا کرتے تھے :-

بابا زود از تحصیل ایں علوم فارغ شوید کہ مارا باشما کارہائے عظیم است۔	بیٹا ان علوم کی تحصیل سے جلد فارغ ہو جاؤ ہم کو تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) اور شاہ محمد یحییٰ رح اور صغیرسنی میں اول الذکر دو بچپن میں اور محمد اشرف عالت شیر خوارگی میں فوت ہو گئے، اور آخر الذکر (شاہ محمد یحییٰ) حضرت کی وفات کے وقت کم سن تھے۔ اس لیے خلفاء کے تذکرہ میں تین ہی صاحبزادوں کا تذکرہ کیا گیا ہے صاحبزادوں کے علاوہ حضرت رح کی تین صاحبزادیاں تھیں ۱۲

چنانچہ توجہ مبارک کے اثر سے آپ بھی اپنے بڑے بھائیوں کی طرح ۱۶ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے اگرچہ تعلیم کے زمانے میں بھی باطن کی طرف توجہ رکھتے تھے۔ لیکن فراغت تعلیم کے بعد ہمہ تن ادھر ہی متوجہ ہو گئے۔ ایک دفعہ حضرت نے آپ کو ایک خواب کی تعبیر کے سلسلہ میں یہ بشارت دی:۔

تو قطب وقت میشوی وایں سخن را از من یاد دار	تم اپنے وقت کے قطب ہو گے اور یہ میری بات یاد رکھو۔

صاحب زبدۃ المقامات فرماتے ہیں کہ میں نے خود حضرت رح کو زبان مبارک سے یہ فرماتے سنا ہے۔

اقتباس محمد معصوم نستبہائے مارا یوں فیوں ماصاحب شرح وقایہ می ماند در حفظ تعلیم وقایہ از جد بزرگوارش۔	محمد معصوم کا ہماری نسبتوں کی گوئی فیوں کا اقتباس کرنا ایسا ہے جیسا کہ صاحب شرح وقایہ کا اپنے دادا سے تعلیم وقایہ کا حفظ کرنا (جیسا کہ کتاب مذکور کے دیباچے سے واضح ہے)

آپ کو اپنے پدر بزرگوار کے اسرار و معارف سے بہت زیادہ آگاہی حاصل تھی آپ کے ان مکاتیب کے مطالعہ سے جو آپ نے وقتاً فوقتاً حضرت کی خدمت میں ارسال کیے ہیں۔ آپ کے کمالات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ کو آپ نے وصال فرمایا، مزار مبارک سرہند ہی میں ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رح کا سلسلہ دو ہی واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے۔ اور آج کرۂ ارضی پر بسنے والے لاکھوں نفوس فقط آپ کے واسطے سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ سے فیض باطن حاصل کر رہے ہیں۔ دیگر غلفا کے مستفیضین کا تو شمار ہی کون کر سکتا ہے،

میر محمد نعمان کشمی رح آپ کے والد کا اسم مبارک سید شمس الدین یحییٰ تھا، میرے بزرگ کے نام سے مشہور تھے اور مشاہیر بدخشاں و ماوراء النہر میں شمار کیے جاتے تھے حفظ و تکبیر

میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ مولد مسکن اور مدفن کشم ہے (جو کہ بدخشاں کے مضافات میں سے ہے)۔ ۹۹۴ھ میں وفات پائی۔

میر بزرگ کے والد ماجد امیر جلال الدین اور ان کے والد سید حمید الدین بھی صاحب صلاح وتقویٰ بزرگ اور مشہور ومعروف عالم تھے۔ میر محمد نعمانؒ کی ولادت باسعادت سمرقند کے اندر ۹۷۷ھ میں ہوئی۔ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ تمھارے ایک فرزند سعادت مند پیدا ہوگا اس کا نام ہمارے نام پر (نعمان) رکھنا۔ چنانچہ آپ کا یہی نام رکھا گیا ہے، آپ میں بچپن ہی سے درویشی کے آثار نمایاں تھے، فقراء ومشائخ کی خدمت میں جاکر ان کے مراقبات سے آگاہی حاصل کرتے تھے، آغاز شباب میں عارف آگاہ امیر عبید اللہ بلخی عشقیؒ کے پاس بلخ پہنچے، بعدہٗ ہندوستان تشریف لائے، اور یہاں پر بھی وفور شوق میں بعض درویشوں سے اذکار کی تعلیم حاصل کی تھی کہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندیؒ کی خدمت میں دہلی آئے اور ان کے الطاف بے پایاں کو دیکھ کر طریقہ نقشبندیہ میں منسلک اور اس نعمت سے مشرف ہوئے۔ آپ کے ہمراہ فرزندوں اور رشتہ داروں کی ایک کثیر تعداد تھی۔ اور ان کے ساتھ فقر وفاقہ میں بسر کرتے تھے۔ اور باینہمہ حصول دولت سرمدی کی امید میں خوش دل اور مسرور رہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مخلص امیر نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضور کی خانقاہ کے فقراء تنگی سے بسر کرتے ہیں اگر حکم ہو تو ہر ایک درویش کا یومیہ مقرر کر کے سعادت اندوز ہونے کا شرف حاصل کروں، حضرت خواجہؒ نے اپنے چند مریدوں کے نام اس کار خیر کے لیے تجویز فرمائے، ایک شخص نے عرض کیا کہ میر محمد نعمان بھی مفلس اور کثیر العیال ہیں۔ ان کا بھی یومیہ مقرر ہو جائے۔ حضرت خواجہؒ ان کے لیے راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ یہ لوگ ہمارے جزو بدن ہیں ہم اپنے جزو بدن کو اس چیز سے مستثنیٰ کرتے ہیں، میر صاحب نے یہ بات سُنی تو باوجود فاقوں میں مبتلا ہونے کے ان پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور بہت سی

امیدیں زندہ ہوگئیں،

میر صاحبؒ کو حضرت خواجہ صاحبؒ کے مرض الموت میں ایک رات خدمت گاری کا پورا موقع ملا اس رات حضرت خواجہ نے ان پر ایک نظر ڈالی اس نگاہ خاص کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد جو کام بھی آپ کرنے تھے۔ اس کے متعلق یہ سوچتے تھے کہ آیا اس میں رضائے خداوندی ہے یا نہیں ؟ حتیٰ کہ قدم بھی اٹھاتے تو دل میں کہتے تھے کہ یہ قدم حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق نہ اٹھایا نہیں ؟

حضرت خواجہؒ نے جب حضرت مجدد الف ثانیؒ کو بیعت و ارشاد کی اجازت دی اور اپنی حیات ہی میں اپنے تمام اصحاب کو آپ کے سپرد کیا اور ان سب کی تربیت کا آپ کو متکفل بنایا۔ اس وقت اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ ان کے سامنے ہماری تعظیم نہ کیا کرو بلکہ توجہ بھی ہماری جانب نہ کرو، چنانچہ میر محمد نعمان سے بھی فرمایا کہ ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنا انہوں نے ادب سے عرض کیا کہ ہمارا قبلۂ توجہ تو حضور ہی کی درگاہ ہے بزرگ وہ بھی ہوں گے اس سے انکار نہیں ______ حضرت خواجہؒ نے یہ سنا تو غصہ ہو کر فرمایا :۔

میاں شیخ احمد آفتابے اند کہ مثل ماہزاراں ستارگاں در ضمن ایشاں گم است واز گمل اولیاء متقدمین خال خال مثل ایشاں گزشتہ باشند۔	میاں شیخ احمد ایک ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے اندر گم ہیں اولیاء متقدمین و کاملین میں سے بہت کم ان جیسے گزرے ہوں گے۔

اس کے بعد میر صاحب نے اپنا اعتقاد درست کیا اور نیازمندی کے ساتھ حضرت مجددؒ کی خدمت میں پہنچے اور عنایت کے طالب ہوئے حضرتؒ نے فرمایا کہ تم ہمارے ہی ہو لیکن کچھ دنوں ہمارے پیر و مرشد کی خدمت میں اور رہو، حضرت خواجہؒ کے انتقال کے بعد جب حضرتؒ دہلی تشریف لائے تو میر صاحب نے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جس میں اپنی شکستہ دلی بے نصیبی اور بے استعدادی کا ذکر تھا۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میرے پاس

آپ کے حضور میں بجز اس کے اور کوئی وسیلہ نہیں ہے کہ میں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہوں۔ حضرتؒ پر اس عریضہ کے مطالعہ سے رقت طاری ہوئی اور فرمایا کہ میر اگھبراؤ نہیں ــــــــ الغرض میر موصوف کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کر کے سر بلند لے گئے اور یہ سالہا سال حضرتؒ کے آستانے پر مقیم رہے اور مقامات عالیہ سے سرفراز ہوئے ایک دفعہ حضرتؒ کو ضعف عارض ہوا، اس خیال سے کہ شاید مرض الموت ہو آپ نے امانت خواجگان نقشبندیہ کسی اہل کے سپرد کرنی چاہی اور قصد کیا کہ اس نسبت عالیہ کو کسی مخلص کے قلب میں القاء فرمائیں اس وقت اس بار کا متحمل سوائے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ محمدؒ صادق علیہ الرحمہ اور میر محمد نعمانؒ کے کسی کو نہیں پایا تھا۔

حضرتؒ نے میر صاحب کو اجازت نامہ مرحمت فرما کر طلبائے معرفت کی ہدایت کے لیے برہانپور روانہ فرمایا، میر صاحب دو دفعہ شہر برہانپور سے بعض وجوہ کی بنا پر چلے گئے، حضرتؒ نے تیسری مرتبہ پھر برہانپور ہی کے لیے مامور فرمایا اس دفعہ جب آپ برہانپور تشریف لائے تو رنگ ہی دوسرا نظر آیا، آپ کی مجلس میں عجب کیفیات کا ظہور ہوا اگر کسی جماعت نے دور سے بھی آپ کی مجالس کا نظارہ کر لیا تو اس پر جذب و کیف طاری ہو گیا اور ہر ہر فرد مرغ بسمل کی طرح خاک پر تڑپنے لگا۔ المختصر ع

درمیان شہر در ہر گوشہ غوغائے اوست

کا سماں بندھ گیا، بہت سے لوگ داخل سلسلہ عالیہ ہوئے اور کتنے ہی بدکار اشخاص صلاح و تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہو گئے۔ صاحب زبدۃ المقامات مولانا محمد ہاشم کشمی نے آپ ہی کی ہدایت سے حضرتؒ سے شرف بیعت حاصل کیا۔

آپ نے اگرچہ علوم ظاہر کی تحصیل کم کی تھی لیکن ادراک حقائق صوفیہ خصوصاً حضرتؒ کے علوم و معارف سمجھنے کی اپنے اندر خاص اہلیت رکھتے تھے، خود حضرت نے آپ کے فہم خداداد کی تعریف فرمائی ہے، مکتوبات شریف میں بہت سے مکاتیب آپ کے نام ہیں ایک مکتوب

کا خلاصہ (جس میں سلسلہ نقشبندیہ کی خصوصیات بیان فرمائی ہیں) حسب ذیل ہے۔
اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ اس نے ہم کو صحیح العقیدہ بموافق مسلک اہل السنت والجماعۃ بنا کر طریقہ نقشبندیہ میں منسلک فرمایا۔۔۔۔۔۔
کمالات نبوۃ بطریق تبعیت و وراثت اس طریقہ میں حاصل ہوتے ہیں اس سلسلہ کے منتہی کمالات خاصہ حاصل کرتے ہیں۔ اور مبتدیوں و متوسطوں کے متعلق بھی منتہیوں کی محبت کے باعث "المرء مع من احب" کی بشارت کے موافق ایسی ہی امیدیں ہیں۔
بدنصیب و نامراد وہ شخص ہے جو اس سلسلہ میں داخل ہو کر اس کی رعایت نہ کرے اور بدعات کو اس طریقہ میں ایجاد کرے اور اپنی خوابوں اور احوال پر اعتماد کر کے اس طریقے کے خلاف قدم اٹھائے اس صورت میں (اگر وہ فیضیاب نہ ہو تو) طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا کیا قصور ہے۔
آپ کی وفات ۱۸ صفر ۱۰۵۸ھ میں ہوئی، رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا محمد ہاشم کشمی رح آپ کشم کے رہنے والے تھے، آپ کے آباؤ اجداد چونکہ سلسلہ کبرویہ سے منسلک تھے۔ اس لیے ایام طفولیت میں آپ کو اس خانوادے کے خلفاء کی خدمت میں پہنچنے کا اتفاق ہوا لیکن فطری مناسبت کی وجہ سے غیر معلوم طور پر سلسلہ نقشبندیہ سے دلی لگاؤ تھا، مگر اس سلسلہ کے کسی مرشد و رہبر کی تعیین نہیں کر سکے تھے اسی کشاکش کے زمانے میں ہندوستان آئے یہاں پر مشائخ قدیم کے حالات عجیبہ و تصرفات غریبہ کا ایک محفل میں تذکرہ سُن کے دل میں کہنے لگے (اور شاید زبان سے بھی فرمایا) کہ یہ حقیقت شناس گروہ ایام گذشتہ ہی میں ہوتا ہوگا موجودہ صورت حال کے لحاظ سے خزانہ ایام بالکل ان جواہر سے خالی ہے یا ایسا ہو کہ حقیقت میں ایسے بزرگ موجود ہیں لیکن ہمارے دیدۂ ادراک کی کوتاہی کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہیں۔

لے تذکرۃ العابدین صفحہ ۱۲۲ مؤلفہ حاجی محمد نذیر احمد دیوبندی۔

خاطر خوباں بصید اہل دل مائل نماند　　یا بشہر عشقبازاں مرد صاحبدل نماند

اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاحبدل تشریف لائے اور آپ کو اپنے ہمراہ لے جا کر ایک بزرگ کے سامنے پیش کر دیا وہ بزرگ مکان کے چبوترے پر عالم مراقبہ میں سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پیش ہوتے ہی اپنا سر اٹھایا اور ہاتھ پکڑ کر فرمایا پڑھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اذا جاء نصر اللہ والفتح۔ (آخر سورہ تک) آپ اس سورۃ کو پڑھتے جاتے اور زار و قطار روتے جاتے تھے۔ آنکھ کھلی تو سورۃ کے مضمون پر غور کر کے یقین کی دنیا جگمگا اٹھی ——— اور منزل مقصود نظر آنے لگی۔ اس خواب کو ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ آپ شہر برہانپور آئے اور حضرت میر محمد نعمان رح خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی رح کی خدمت میں پہنچے اور ان سے ذکر و مراقبہ کی تعلیم حاصل کی دربار نعمانی میں ان صاحبدل بزرگ کی بھی زیارت ہوئی جن کی وساطت سے خواب میں یہاں رسائی ہوئی تھی غرضیکہ اس رویائے صادقہ کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ۱۰۳۱ھ تک برہانپور رہے اور اس وقت سے لے کر حضرت کے وصال (۱۰۳۴ھ تک تقریباً دو سال سفر و حضر میں حضرت رح ہی کے ساتھ رہے اسرار و معارف سنے) اور الطاف و عنایات کا مورد بنے رہے۔ حضرت رح کی زندگی ہی میں صاحبزادوں کی فرمائش پر ان فوئد و معارف کو لکھنا شروع کیا جن کو خلوت و جلوت میں زبان گوہر فشاں سے سنا تھا نیز حضرت اور ان کے مرشد کامل کے اطوار، انوار، برکات اور خوارق عادات لکھنے کا قصد کیا چند ورق سے زیادہ لکھ پائے تھے کہ حضرت رفیق اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔

وصال مرشد کے بعد آپ کی توجہ اس کام کی طرف زیادہ ہوئی کیونکہ دل مہجور کو تسلی دینے کے لیے اس سے بہتر اور مشغلہ ہی کیا ہو سکتا تھا کہ اپنے پیر با کمال کے اقوال و احوال کو لکھیں اور گزری ہوئی صحبتوں کو یاد کر کے قلب و روح کو یک گونہ تسکین دیتے رہیں۔ ؎

ماہئی کاں گشت محروم از فرات　　از کف آبے ہے جوید حیات!

چنانچہ آپ نے حضرتؒ کے حالات کے علاوہ حضرتؒ کے پیر و مرشد، خلفاء اور صاحبزادگان وغیرہم کے حالات کا نہایت جامع اور مستند مجموعہ لکھا جس کا نام "برکات الاحمدیۃ الباقیۃ" رکھا، اس کا تاریخی نام ۔۔۔۔۔۔ "زبدۃ المقامات" قرار پایا چنانچہ یہ کتاب زبدۃ المقامات ہی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب میں "نشاط روح" کا نہایت کافی سامان موجود ہے حضرت کے حالات میں اس سے زیادہ مستند اور قدیم کتاب غالباً اور کوئی نہ ہوگی۔ حضرتؒ کے احوال و اقوال کو نہایت عمدگی وخوش اسلوبی سے بیان کیا ہے، بیجا مبالغہ سے حتی الامکان پرہیز کیا ہے اور مجالس مجددیہ کی ایسی مکمل تصاویر کھینچی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے گویا ناظر کتاب دربار فیض آثار میں بیٹھا ہوا حضرت کو دیکھ رہا ہے حضرت کے ملفوظات سن رہا ہے اور دریائے معارف کو اپنے دامن میں بھر رہا ہے۔ مکتوبات شریف کی آخری جلد کو بھی آپ ہی نے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ سید آدم بنوری حسینیؒ آپ کا اصلی وطن قصبہ مودہ تھا مگر سکونت بنوڑ میں اختیار کر لی تھی۔ ابتدائی تعلیم سلوک حاجی خضرؒ سے پائی بعد ازاں باجازت حاجی صاحب حضرتؒ کی خدمت میں آگئے اور درجات عالیہ پر فائز ہوئے۔ آپ محض امی تھے۔ فیض روح القدس کی مدد سے قرآن شریف حفظ کیا اور علوم ظاہریہ کی تعلیم بھی حاصل کی اتباع سنت و دفع بدعت آپ کا خاص شیوہ تھا ہزاروں طالبان خدا کو خدارسیدہ کیا۔ آپ کی خانقاہ میں ہزار سے زائد طلبائے معرفت روزانہ جمع رہتے تھے اور ان کو لنگر سے کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد ایک سو اور مریدین کی تعداد ایک لاکھ بتلائی جاتی

لہ ان کا تذکرۃ العابدین صفحہ ۱۲۴ سے ماخوذ ہے سلہ آپ کے خلیفہ اعظم حافظ سید عبداللہ اکبرآبادی تھے جن کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم فاروقی اور ان کے بعد ان کے خلیفہ ان کے صاحبزادے مجدد وقت حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی محدث دہلوی ہوئے جن سے ظاہری و باطنی فیوض نہ صرف ہندوستان میں بلکہ عالم اسلامی پر محیط ہیں اور اس واسطے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے جو فیوض آج عالم میں نظر آ رہے ہیں وہ بالواسطہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ہیں۔ سہ یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آں :: ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

سے ہے حج کے لیے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے وہاں سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے اور ۲۳ ار شوال ۱۰۵۳ھ کو اسی مقدس سرزمین میں انتقال فرمایا مزار مبارک جنت البقیع میں حضرت عثمان ذوالنورین کے مزار پاک کے قریب ہے۔

شیخ طاہر لاہوری رح حضرت کے ارادتمندوں میں آپ کا پایہ بھی نہایت بلند ہے صاحب ریاضات و کرامات بزرگ تھے، علوم ظاہری میں کمال حاصل تھا اور حافظ قرآن بھی تھے، علوم عقلیہ و نقلیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سلوک کا شوق غالب ہوا اور حضرت رح کے آستان مبارک پر پہنچے آپ کو ایسے مرشد کی تلاش تھی۔ جو علم و عمل میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا متبع ہو اور یہ بات سب پر ہویدا تھی کہ اس زمانے میں ایسی جامع شخصیت حضرت ہی کی تھی چنانچہ آپ نے سالہا سال اس شیخ کامل کی خدمت کی اور انکسار اور افتقار کے ساتھ حضرت کے فیض کدہ پر مقیم رہے۔ آپ حضرت رح کے صاحبزادوں کی تعلیم تدریس کا کام بھی نہایت کوشش وسعی بلیغ سے انجام دیتے تھے۔ چنانچہ صاحبزادے فرمایا کرتے تھے کہ "ہم پر حضرت شیخ طاہر کے احسانات اس سے بہت زیادہ ہیں کہ شکریہ سے عہدہ برآ ہو سکیں"۔

حضرت رح نے ایک دفعہ اپنے چھوٹے صاحبزادہ شاہ محمد یحییٰ کے متعلق فرمایا کہ "اس کو شیخ طاہر کے سپرد کرنا چاہتا ہے تاکہ یہ بھی ان کی برکت سے اپنے بڑے بھائیوں کی طرح عالم باعمل ہو جائے، لیکن چونکہ اس وقت درویشی کا رنگ غالب اور ظاہری علم مغلوب ہو چلا ہوگا اس لیے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ "اب شیخ طاہر کا وہ دماغ کہاں رہا،، (جو پہلے تھا) باوجود جید عالم ہونے کے ادب شیخ کا انتہائی لحاظ تھا اور حضرت رح کی اس قدر ہیبت غالب تھی کہ احاطہ تحریر سے باہر ہے ایک دن حضرت نے آپ کو امامت کا حکم فرمایا فوراً رنگ زرد پڑ گیا اور لرزہ براندام ہو گئے اور رعب کی وجہ سے حافظ قرآن اور عالم کامل ہوتے ہوئے قرأة گلے میں رک رک جاتی تھی۔ اسی ادب و انکسار اور شیخ رح کی نظر کیمیا اثر

نے آپ کو انتہائی نقطۂ کمال پر پہونچا دیا تھا۔ بالآخر حضرت نے خلافت سے سرفراز فرما کر بلدہ لاہور کے طالبان معرفت کی رہنمائی کے لیے لاہور روانہ فرمایا اور طریقۂ قادریہ میں بھی اجازت فرمائی، آپ نے وہاں پہنچ کر طالبان حق کی تربیت فرمائی اور اپنے برکات و افاضات سے مخلوق خدا کو بہرہ ور کیا، خود ایک مکتوب میں حضرت کو لکھتے ہیں

میں چلتے وقت سخت متردّد تھا کہ شیخ کامل کو چھوڑ کر کہاں جا رہا ہوں لیکن غیب سے کوئی شخص کہتا تھا کہ چلا چل حتیٰ کہ کشاں کشاں لاہور آ گیا اور ایک مسجد کے گوشہ میں حیران و پریشان بیٹھ گیا ناگاہ حضرت خواجہ بزرگ کی روحانیت جلوہ گر ہوئی اور اس نے اس کام پر ثابت قدم رکھا اسی درمیان میں ایک جوان بلند استعداد آیا اس کو تعلیم باطن دیتے ہی یہ اثر ظاہر ہوا کہ اس کے تمام بدن میں نسبت سرایت کر گئی اور وہ سراپا آگاہ و عارف ہو گیا، اسی طرح دوسرے طالبوں کو بھی جمعیت نصیب ہوئی

حضور نے مقامات کے بارے میں خصوصاً مقام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے مکتوب میں جو کچھ لکھا ہے اس کو بعض حاسدوں نے درمیان میں لانا شروع کر دیا اور اس میں اپنی طرف سے جھوٹی سچی باتیں ملا کر وہ پروپیگنڈا کیا اور طعنہ زنی کرنے لگے، مولانا حامد اس مکتوب کو علامۃ الانام مولانا عبد السلام کے پاس لے گئے انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور فرمایا کہ اس کے مضمون میں تو کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا اور ساتھ ہی ساتھ حسن ظن کا بھی اظہار کیا تب کہیں حاسدوں کی زبانیں بند ہوئیں

آپ برابر اپنے پیر و مرشد کو اپنے احوال و مکاشفات سے مطلع کرتے رہتے تھے حلقۂ ارشاد وسیع تر ہوتا چلا جاتا تھا اور خلق خدا کثرت سے متوجہ ہو رہی تھی کہ ناگاہ اسی گرمی ہدایت کے زمانے میں شیخ نے بر بنائے انکساری و آزاد مزاجی ایسا شیوہ اختیار کر لیا جس سے رجوع خلق میں فرق آ گیا، جب حضرت کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ کے نام ایک مکتوب لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

خداوند کریم نے تم کو منصب جلیل عطا فرمایا ہے لہذا اس کا شکریہ ادا
کرو اور اس بات کا خیال رکھو کہ تم سے کوئی ایسا کام سرزد نہ ہو جو
باعث نفرت خلق ہو، خلق کو متنفر کرنا فرقہ ملامتیہ کا شیوہ ہے،
دعوت وارشاد سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے مشیخت کے رتبہ
پر پہنچ کر ملامت کی آرزو کرتے ہو یہ صریح ظلم ہے۔
مریدوں کے ساتھ زیادہ خلط ملط نہ رکھا کرو کہ اس میں ہلکاپن پایا جاتا
ہے اور یہ چیز بھی افادہ واستفادہ کے منافی ہے۔
حدود شرعیہ کی محافظت کرو جہاں تک ہو سکے رخصت پر عمل کرنے
کی تجویز نہ کرو کہ یہ اس سلسلہ کے اصول کے منافی نیز اتباع سنت کے
دعوے کے خلاف ہے۔"

یہی ہدایت نامہ آپ کے لیے کافی ہؤا اور اس کے جواب میں آپ نے لکھا
اب میرے سامنے سوائے شریعت سنت کے اور کچھ نہیں ہے"
پھر تو آپ نے تشرع واتباع، اور فقر وقناعت میں اپنی نظیر قائم کر دی تھی
اہل دنیا کی داد و دہش کو قبول نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے قوت بازو سے حلال
روزی بہم پہنچاتے تھے البتہ کوئی دین دار شخص اگر ہدیۃً کوئی چیز پیش کرتا تھا تو
اسے قبول فرما لیا کرتے تھے۔

ہر سال چند بار پیادہ پا درویشوں کی جماعت کے ساتھ بے زاد و توشہ
لاہور سے سرہند آیا کرتے اور چند روز کوچہ معرفت میں رہ کر رخصت ہو جاتے تھے آپ[1]
نے محرم ۱۰۳۸ھ کو بروز پنجشنبہ وفات پائی مزار مبارک لاہور میں ہے۔

شیخ بدیع الدین سہارنپوری رح آپ شروع میں حضرت رح کے پاس توضیح تلویح
پڑھتے تھے لیکن درویشوں سے عقیدت نہ تھی بلکہ حالت یہ تھی کہ نماز تک
کے بھی پابند نہ تھے جس زمانہ میں آپ حضرت رح کے پاس پڑھتے تھے اسی
زمانہ میں آپ کو ایک حسین و خوشرو جوان سے عشق ہو گیا تھا نوبت بایں جا رسید

[1] تذکرۃ العابدین ص ۱۲۳

کہ درمیان سبق میں بھی آپ کو بے چینی رہتی تھی کہ کب سبق ختم ہو اور کب میں کوچۂ محبوب میں جا کر اس کے نظارے سے آنکھیں ٹھنڈی کروں۔

ایک دن حضرت نے آپ سے فرمایا کہ تم نماز پڑھا کرو اور شرعی محرمات سے بچو کیونکہ معاصی کے ارتکاب سے علم ظاہر میں بھی بے برکتی ہوتی ہے انھوں نے عرض کیا کہ اس قسم کی نصیحتیں تو میں نے بہت سے لوگوں سے سنی ہیں حضرت اگر کوئی خاص توجہ فرمائیں تو شاید میری حالت کچھ سدھر سکے حضرتؒ نے تھوڑے تامل کے بعد فرمایا اچھا کل اسی ارادہ سے میرے پاس آؤ اور دیکھو خدا کیا کرتا ہے، اتفاقاً اگلے دن ان کا محبوب نوجوان ان کے گھر آگیا، ان کا دل نہ چاہا کہ ہم نشینی محبوب ترک کرکے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں۔ دو تین دن کے بعد جب حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے خلاف وعدہ کیا اچھا نہیں کیا،

خیر اس وقت کا آنا بھی مبارک ہے جاؤ وضو کرکے دو رکعت نماز ادا کرو اور میرے پاس آؤ انھوں نے ارشاد کی تعمیل کی اس کے بعد ان کو خلوت میں لے گئے اور ذکر قلب کی تعلیم دی اور توجہ فرمائی اس توجہ کا پڑنا تھا کہ فوراً کایا پلٹ گئی مست و بے خود ہو گئے اور اسی عالم بے خودی میں زمین پر گر پڑے دوسروں نے اٹھا کر آپ کو مکان تک پہونچایا ایک دن کے بعد افاقہ ہوا اس دن کے بعد سے تعلقات دنیا سے دل سرد ہو گیا اور اپنے آپ کو اپنے سے دور اور عالم غیب سے نزدیک دیکھنے لگے۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند   زچشم "مست ساقی" وام کردند (عراقیؒ)

اس کے بعد مدتوں تک آستانہ عالیہ پر رہے اور فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوتے رہے یہاں تک کہ حضرت کو ان پر کامل اعتماد ہو گیا اور تعلیم طریقت کی اجازت مرحمت فرمائی بعد حصول اجازت آپ اپنے وطن مالوف سہارن پور تشریف لے آئے اور طالبان معرفت کی اصلاح و تربیت میں مشغول ہو گئے کچھ

عرصہ بعد حضرت نے آپ کو آگرہ جانے کا حکم دیا، یہ شہر دارالسلطنت ہونے کی حیثیت سے خاص مرکزیت رکھتا تھا لیکن ابھی تک اس سلسلہ کے خلفاء سے خالی تھا۔

حضرت نے ان کو تاکید فرمادی تھی آگرہ میں پوری استقامت کے ساتھ رہنا اور ہمارے حکم کے بغیر وہاں سے نہ جانا یہ وہاں پہونچے حق تعالےٰ نے مقبولیت عامہ عطا فرمائی، امراء وغرباء غرض ہر طبقہ اور درجے کے لوگ آپ کے فیوض و برکات سے متمتع ہوئے لیکن آپ سے ایک لغزش یہ ہوگئی کہ حضرت مرشد کے اذن کے بغیر آپ وہاں سے اپنے وطن چلے آئے یہ چیز حضرت کو سخت ناگوار گزری جب آپ کو اس ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو دوبارہ آگرہ کا قصد کیا اور حضرت کو اس ارادہ سے اطلاع دی حضرت نے فرمایا کہ وہاں کا صحیح وقت وہی تھا اب اگر تم جانتے ہو تو تم جاؤ، تمہیں اختیار ہے، شیخ بحالت اضطراب اس امید میں کہ شاید حضرت کی ناراضگی دور ہو جائے دوبارہ آگرہ چلے گئے اس دفعہ بھی شروع شروع میں خلق خدا کو بہت فیض پہونچا لیکن سوء اتفاق کہ ایک دن وہاں کی چھاؤنی کے چند اجڈ فوجیوں کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی آپ نے ان کی ذہنیت و سلامت بدن کا لحاظ کیے بغیر ان کو سختی کے ساتھ بعض منکرات پر تنبیہ و نصیحت فرمائی جس کی وجہ سے ان میں بعض بدطینت آپ کے دشمن ہو گئے، اس کے علاوہ عام طور پر اپنے بلند احوال وانکشافات لوگوں کے سامنے بیان کیے جو منکرین و معاندین کے کانوں میں پہنچ کر فتنہ کا سبب بن گئے چنانچہ اہل عناد نے اپنی رنگ آمیزیوں اور حاشیہ آرائیوں سے کام لے کر ایک زبردست فتنہ آپ کے خلاف برپا کردیا اس فتنہ کا اثر حضرت تک بھی متعدی ہوا اور اسی ابتداء کی انتہا یہ ہوئی کہ سلطان وقت (جہانگیر) نے جو اس وقت تک طائفہ سے کوئی انس ومناسبت نہ رکھتا تھا، حضرت کو طلب کر کے ایذا پہنچائی اور قید خانہ میں محبوس کردیا اگرچہ بعد کو بادشاہ اپنے اس فعل پر نادم و پشیمان ہوا، اس نے معافی بھی چاہی اس الم ناک واقعہ کے بعد شیخ بدیع الدین آگرہ سے اپنے وطن سہارنپور واپس چلے

آئے اور وہیں پر گوشہ گزین ہو کر ذکر و مراقبہ اور انس و الفت میں بسر کی پچاس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کیا اور تمام طالبان علوم دینی و یقینی کے افادہ میں مشغول رہے

شیخ نور محمد پٹنی رح | آپ علوم رسمیہ کی تحصیل کے بعد سلوک کی طرف متوجہ ہوئے ہندوستان کے بہت سے درویشوں کے پاس گئے کہیں تسکین روح کا سامان بہم نہ پہنچا آخر کار حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے تھوڑے ہی دنوں میں بہت سے مقامات طے کئے اور حیرت انگیز ترقی کی چنانچہ اس زمانے میں حضرت رح نے اپنے پیر بزرگوار حضرت خواجہ باقی باللہ کو جو خط لکھا ہے اس میں شیخ نور محمد کی ترقیات کا بھی مفصل ذکر فرمایا ہے۔

آپ عرصہ تک حضرت کی خانقاہ میں رہے اور حالات میں برابر ترقی ہوتی رہی تکمیل کے بعد حضرت نے اجازت مرحمت فرما کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا آپ حسب الامر وہاں پہونچے لیکن خلوت پسندی کے غلبہ کی بنا پر اکثر آبادی سے باہر رہتے تھے اور لوگوں سے اجتناب کرتے تھے جب حضرت کو اس کی اطلاع ہوئی تو ایک مکتوب شریف کے ذریعہ آپ کو اس عادت کے ترک کرنے کی تلقین فرمائی اور تحریر فرمایا۔

جس طرح انسان کو اللہ تعالےٰ کے اوامر و نواہی کی تعمیل لازمی ہے اسی طرح خلق خدا کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی ضروری ہے، ان دونوں میں سے کسی ایک پر اکتفا کر کے دوسرے کو نظر انداز کر دینا نا درست ہے خلق خدا کی اذیتوں کا تحمل اور اُن سے حسن معاشرت سلوک کے لوازمات میں سے ہے

تلقین کے ضمن میں یہ شعر بھی تحریر فرمایا ؎

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنیں عالم است — نازکی کے راست آید بارمی باید کشید

آپ نے حضرت کے ارشاد کی تعمیل کی اور شہر پٹنہ کے ایک طرف دریائے گنگا کے کنارے ایک جھونپڑا بنایا اور وہیں ایک چھوٹی سی خام مسجد تیار کی اور مع اہل و اعیال

کے اسی جھونپڑے میں رہنے لگے، اکثر وقت مسجد ہی میں گذرتا تھا نماز کے علاوہ ارشاد وہدایت اور افادہ علوم دینیہ کا مرکز بھی اسی مسجد کو بنا رکھا تھا۔

شیخ حمید بنگالیؒ آپ تحصیل علوم دینی کے لیے لاہور تشریف لائے تھے بعد فراغت وطن مالوف جاتے ہوئے آگرہ میں بھی قیام کیا اور خواجہ عبدالرحمٰن صاحب مفتی کابل کے قریب اقامت گزیں ہوئے، مفتی صاحب نے آپ کو علوم میں ماہر و متبحر پاکر آپ سے عہد لیا کہ جب تک آگرہ میں قیام رہے میرے ہی پاس رہیں اثنائے قیام میں ایک دن تصوف اور مشائخ تصوف کا ذکر آگیا تو مفتی صاحب کو یہ معلوم کرکے حیرت ہوئی کہ مولانا حمید صوفیائے کرام کے عموماً اور حضرت مجددؒ کے خصوصاً منکر ہیں اس صحبت کو دو ہی تین دن گذرے تھے کہ اتفاق سے حضرت سرہند سے آگرہ تشریف لائے اور مولانا حمید سے مفتی صاحب کے مکان ہی پر ملاقات ہوگئی، حضرت نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا ہائے شیخ حمید اینجا بودہ ماند، ایک دو دفعہ خاص انداز سے ان پر نظر ڈالی اور فوراً مراقبہ میں مستغرق ہوگئے اس کے بعد یکایک وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے ہر چند عرض کیا گیا کہ حضرت تھوڑی دیر اور تشریف رکھیں اور یہیں ماحضر تناول فرمائیں، قبول نہیں فرمایا گیا، مفتی صاحب پہونچانے کے لیے دروازہ تک آئے۔

ان کا خیال تھا کہ مولانا حمید "بداعتقادی" کی وجہ سے جگہ سے بھی نہ ہلیں گے مگا دیکھا گیا کہ پیچھے پیچھے چلے آرہے۔ مفتی صاحب تو دروازہ تک آکر واپس چلے گئے لیکن مولانا حمید بس حضرت کے پیچھے ہو لیے اس وقت حضرت ان کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ قیام گاہ پہونچ گئے مولانا حمید دروازہ پر گریاں وحیران کھڑے رہے بعد ازاں حاضری کی اجازت دیگئی اور بیعت سے مشرف کرنے کے ساتھ تعلیم طریقت وجذبہ نسبت سے نوازا گیا اب تو مولانا حمید "شیخ حمید" ہوگئے اور یہ کیفیت ہوگئی کہ اپنی کتابوں اور دوستوں کی بھی خبر نہ رہی۔

چند روز کے بعد حضرت رح آگرہ سے سرہند روانہ ہوئے تو یہ بھی پیادہ پا حضرت کی خدمت میں چلے، شیخ حمید کا یہ واقعہ دیکھ کر مفتی صاحب خود بھی حضرت کے حلقہ بگوش ہو گئے مفتی صاحب کے ایک دولت مند دوست نے پوچھا کہ آپ لوگ تو عالم و عاقل ہیں شیخ احمد میں کیا کرامت دیکھی جو ان کے مرید ہو گئے مفتی صاحب نے جواب دیا کہ ہم اہل علم کوئی کرامت اس سے بہتر نہیں سمجھتے کہ شیخ عالم باعمل اور متبع سنت ہو، علم کے ساتھ ساتھ اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ و اہتمام جیسا حضرت شیخ سرہندی رح میں دیکھا اپنے زمانے میں کسی دوسری جگہ دیکھا نہ سنا بس یہی ہمارے نزدیک سب سے بڑی کرامت اور حاصل ولایت ہے۔

شیخ حمید نے قریباً دو سال آستانہ عالیہ پر رہ کر منازل سلوک طے کیے اور احوال عجیبہ و مقامات غریبہ سے نوازے گئے۔ اس کے بعد حضرت رح نے تعلیم طریقت کی اجازت دے کر ان کو وطن روانہ فرمایا، اجازت نامہ زبدۃ المقامات میں درج ہے تبرکاً و تیمناً ہم بھی اس مبارک تحریر کو اس جگہ نقل کرتے ہیں۔

اَمَّا بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلٰوۃِ فَیَقُوْلُ الْعَبْدُ الْمُفْتَقِرُ اِلٰی رَحْمَۃِ اللّٰہِ الْمَلِکِ الْوَلِیِّ اَحْمَدُ بْنُ الشَّیْخِ عَبْدِ الْاَحَدِ الْفَارُوْقِیُّ النَّقْشَبَنْدِیُّ رَحِمَہُمَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً اِنَّ الْاَخَ الْعَالِمَ وَالصِّدِّیْقَ الصَّالِحَ جَامِعَ عُلُوْمِ الشَّرِیْعَۃِ وَالطَّرِیْقَۃِ الشَّیْخَ حَمِیْدَ نِ الْبَنْگَالِیَّ وَفَّقَہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ لِمَا یُحِبُّہٗ وَیَرْضٰہُ لَمَّا قَطَعَ مَنَازِلَ السُّلُوْکِ وَعَرَجَ مَعَارِجَ الْجَذْبَۃِ وَوَصَلَ اِلٰی دَرَجَۃِ الْوِلَایَۃِ بَعْدَ اَنْ حَصَلَ لَہٗ اِنْدِرَاجُ النِّہَایَۃِ فِی الْبِدَایَۃِ اَجَزْتُ لَہٗ لِتَعْلِیْمِ طَرِیْقَۃِ الْمَشَائِخِ النَّقْشَبَنْدِیَّۃِ قَدَّسَ اللّٰہُ اَسْرَارَہُمْ لِلطَّالِبِیْنَ الْمُسْتَرْشِدِیْنَ وَالْمُرِیْدِیْنَ الْمُخْلِصِیْنَ بَعْدَ اِسْتِخَارَۃٍ وَّحُصُوْلِ الْاِذْنِ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَالْمَسْئُوْلُ مِنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ اَنْ یَّعْصِمَہٗ عَمَّا لَا

یَلِیْقُ وَیَحْفَظَہٗ عَمَّا لَا یَنْبَغِیْ وَاَنْ یُّثَبِّتَہٗ عَلٰی مُتَابَعَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ وَعَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ ۵

مشائخ طریقت کا طریقہ تھا کہ خلافت کے وقت خرقہ بھی دیا جاتا تھا، شیخ حمید نے عرض کیا کہ مجھ کو بجائے خرقہ کے حضرت کے پاؤں کا جوتا کافی ہے حضرت نے ان کی درخواست کو بھی قبول فرمایا اور ایک پاؤں جوتی عنایت فرما دی شیخ نے اس "کفش مبارک" میں جو کچھ دولت پائی وہ قیصر و کسریٰ کو کہاں نصیب ہوئی ہے

اگر خاکے ازیں کو بر سر آید — مرا بہتر ز چندیں افسر آید

چونکہ آپ کا وطن صوبہ بنگال میں تھا اس لیے بوجہ بعد مسافت دوبارہ آستان مجددی پر حاضری کا موقع نہ مل سکا، اس نواح کی مخلوق نے آپ ہی سے مجددی فیوض و برکات کے خزانے حاصل کیے اور طالبین حق نے آپ ہی کی رہنمائی میں معرفت و یقین کی شاہراہ پر چل کر منزل مقصود کا پتہ لگایا، منگل کوٹ ضلع بردوان میں آپ کا مزار مبارک ہے ے

ز بنگالہ چہ برگویم کہ مولانا حمید او — بپا بوسش جنابش آمدہ مقبول ربانی
زہے پاپوش پاک او کہ چوں خاک شفا کردہ — شفائے ظاہر و باطن بخلق اللہ ارزانی
بہ منگل کوٹ او بنگر کہ گلزار ارم بودہ — در و دیوار او اکنوں نہادہ سر بویرانی
بلے کس گنج زر پنہاں نیابد جز بویرانی — بلے کس آب حیواں را ندیدہ جز بظلمانی

شیخ مزمل رح آپ حضرت رح کے قدیم اور مقبول ترین مریدوں میں سے ہیں سفر و حضر میں اکثر حضرت کے ساتھ رہتے حسن اخلاق و مکارم اوصاف میں یگانہ اور انکسار و ایثار میں منفرد تھے حضرت کی تربیت سے ان کو جو کمالات حاصل ہوئے ان کا تذکرہ حضرت رح نے اپنے بعض ان مکاتیب میں کیا ہے جو اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں روانہ کیے ہیں سالہا سال فیض صحبت سے مستفیض ہونے کے بعد تعلیم طریقت کے مجاز ہوئے آپ کی رفعت مرتبہ کا اندازہ حضرت

کے اس مکتوب سے بھی ہوتا ہے جو ایک مخلص کے نام بھیجا گیا ہے اور جس میں تحریر فرمایا گیا ہے
صحبت میاں مزمل شمار ا مغتنم است د ؛ میاں مزمل کی صحبت کو غنیمت سمجھو اس قسم کے
مثال ایں عزیز الوجود اعز من کبریت الاحمر ؛ لوگ کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر و نایاب ہیں۔
آپ نے ۱۰۲۶ھ میں اپنے مرشد کی حیات ہی میں سفر آخرت اختیار کیا۔
حضرت کو آپ کی وفات کا بہت صدمہ ہوا اور ان کی روح کو دعائے مغفرت و ایصال
ثواب سے شاد کام فرمایا۔

شیخ طاہر بدخشی رح آپ شروع میں فوج میں ملازم تھے، ایک دفعہ فوج کسی قلعہ
کو فتح کرنے کے لیے گئی آپ بھی اس میں موجود تھے اثنائے سفر میں ایک رات آپ پیغمبر
خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت منامی سے مشرف ہوئے اور دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر و
دیگر خلفاء و اصحاب رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں۔ اور
آپ شیخ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اس سفر کے ختم ہونے کے بعد تو ان لوگوں (فوجیوں)
سے الگ ہو جا اور فقر و تجرید کی زندگی اختیار کر، اسی عالم خواب میں آپ نے دیکھا کہ حضرت
صدیق اکبر رض نے آنحضرت صلعم کے ایماء سے ان کو خرقہ پہنایا، جب اس مبارک خواب
سے بیدار ہوئے تو ارشاد نبوی صلعم کی تعمیل کے لیے اپنے آپ کو بیقرار پایا۔
چنانچہ بعد مراجعت فوج اثنائے راہ ہی میں ایک مقام پر اپنی سواری سے
اتر پڑے اور ایسے غائب ہوئے کہ ساتھیوں نے ہر چند تلاش کیا مگر نہ ملے،
وہاں سے غائب ہو کر آپ ایک دہقان سے ملے اور اس سے اپنے لباس
کے عوض میں ایک ٹاٹ لے کر پہن لیا اور اطراف و جوانب کے مشائخ کی صحبتوں سے
فیضیاب ہوتے رہے، چونکہ آپ نے اپنے گھر والوں کو اپنے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی
تھی اور کسی کو خبر نہ تھی کہ آپ کس حال میں ہیں اس لیے آپ نے مناسب سمجھا کہ ایک بار
گھر ہو آئیں اور متعلقین کو صورت حال کی اطلاع دیں تاکہ ان کو تشویش نہ رہے چنانچہ آپ
گھر آئے اور اپنے عزائم کا صاف اظہار کر دیا ——— بیوی سے بھی کہہ دیا کہ میں فقر کی زندگی
اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ تمھیں کوئی تکلیف پہنچے، میں

اس کے لیے بالکل تیار ہوں کہ تم مجھ سے آزادی حاصل کر لو، نیک بخت بیوی نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی آپ سے وابستہ کر چکی ہوں جو زندگی کا طریقہ آپ کو پسند ہے وہی مجھے پسند ہے، چنانچہ وہ بالکل بے سروسامانی کی حالت میں شوہر کے ساتھ ہولیں۔

اس کے بعد آپ مرشد کامل کی تلاش میں گھومتے رہے ایک شیخ وقت کی خدمت میں پہنچے انہوں نے فرمایا کہ تم نقشبندی معلوم ہوتے ہو اور دہلی و لاہور کی طرف اشارہ کیا۔

چنانچہ آپ ہندوستان کے لیے چل کھڑے ہوئے اس زمانہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا عام شہرہ تھا، اس لیے دہلی کا قصد کر لیا لیکن سوء اتفاق کہ ان کے دہلی پہنچنے کے چند دن پہلے حضرت خواجہ صاحب رحؒ وصال فرما چکے تھے، ہادیٔ توفیق نے آپ کو حضرت خواجہ کے جانشین حقیقی (حضرت مجددؒ) کی خدمت میں پہنچا دیا، چنانچہ آپ حضرت رحؒ سے بیعت ہوئے اور کافی عرصہ خانقاہ سرہند میں قیام کر کے فیوض و برکات حاصل کیے، آپ کے خصائص عظمٰی میں سے یہ ہے کہ ایک مدت تک خلوت و جلوت میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و مشاہدہ سے مشرف ہوتے رہے گویا کہ آپ کو یک گونہ حضوری کا درجہ حاصل تھا ــــ مولانا طاہرؒ چونکہ ترک اور سادہ مزاج بزرگ تھے، اس لیے اپنے احوال و مکاشفات کو اس انداز میں بیان فرماتے تھے کہ حضرت کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آجاتی تھی ــــ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حضرت رحؒ معارف بیان فرما رہے ہیں اور یہ ان کو سن کر آرہے اور بلے کہتے جاتے ہیں اور سر ہلاتے جاتے ہیں حضرت خوش طبعی کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اسرار و معارف مولانا طاہر پر وارد ہوئے ہیں۔ اور میں ان کا ترجمان ہوں"۔

حضرت نے ان کو تعلیم طریقت کی اجازت دینے کے بعد جونپور روانہ کیا وہاں پہنچ کر آپ نے خدا معلوم کن احوال کے تحت گفتگو اور نشست و برخاست میں ایسا طریقہ

اختیار کیا جس کی وجہ سے لوگوں کی رجوعات کم ہوگئی جس زمانے میں حضرت اجمیر شریف تھے آپ نے ایک مکتوب حضرت کی خدمت میں تحریر کیا جس میں یہ بھی مرقوم تھا کہ طالبین میری طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں حضرت نے اس کو پڑھ کر فرمایا۔

عجیب مردے سادہ دل است ملاک امر محافظۃ احوال و فکر کار و غم ایمان و مآل خود است دریں ضمن ہر کرا حق سبحانہ برساند و تعلیم تربیت او مامور گرداند حسب الامر خالصًا لوجہ اللہ بداں باید پرداخت و نیز برائے انجذاب دلہائے طلاب وضع کہ ملامت را آنجا راہ بنود اختیار باید نمود۔

یہ عجیب سیدھے آدمی ہیں یہ خبر نہیں کہ اصل کام احوال کی محافظت اپنے کام کی نگہداشت ایمان کی فکر اور انجام کا خیال کرنا ہے اس ضمن میں جس کسی شخص کو بھی خداوند کریم پہنچا دے اور اس کی تعلیم و تربیت پر مامور کر دے خالصًا لوجہ اللہ اس میں مشغول رہے نیز اہل طلب کے دلوں کی کشش کے لیے ایسی وضع جس میں ملامتیہ کے طرز کو کچھ بھی داخل ہو، اختیار نہ کرنی چاہیے۔

مولانا یوسف سمرقندی رح

آپ اولًا حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے مریدین میں سے تھے۔ اور ان سے بہرہ وافر حاصل کیا تھا، خلیق اور بے تکلفانہ زندگی بسر کرنے والے بزرگ تھے، حضرت خواجہ کے وصال کے بعد سرہند آگئے اور حضرت رح کے آستانے پر رہنے لگے کچھ عرصے وہاں رہ کر برکات نفوس محمدیہ سے مستفیض ہوئے اور روحانی ترقی حاصل کی لیکن بقضائے الٰہی درمیان سلوک ہی میں پیک اجل سے ہم آغوش ہوگئے بوقت نزع حضرت رح ان کے سرہانے تشریف لائے آپ نے بہزار حسرت عرض کیا

حضرت! ع دم واپسیں بر سرِ راہ ہے

آپ کوئی ایسی نظر و توجہ فرما دیجیے جس کی برکت سے "مقصد اعلیٰ" حاصل ہو جائے ؎

دم اخیر ہے "حضرت" ، فرا نگاہ ملے ؛ کچھ اس غریب مسافر کو زاد راہ ملے

حضرت رح ان کی طرف متوجہ ہوئے کچھ دیر کے بعد اپنا سر اٹھایا اور فرمایا "ہاں

مولانا یوسف کہو کیا حال ہے؟" عرض کیا الحمد للہ دل جس چیز کا طالب تھا وہ حضرت کی توجہ سے آشکارہ ہو گئی اس کے بعد آخری ہچکی لے کر جان بحق تسلیم ہو گئے ؎

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

مولینا احمد برکی رح آپ برک کے رہنے والے اور وہاں کے علماء میں سے تھے، مولانا کا ایک ہموطن دوست تاجر ہندوستان سے اپنے وطن واپس آیا، وہ ہندوستان میں حضرت رح سے بھی شرف ملاقات حاصل کر چکا تھا اور آپ رح کے مکاتیب کا کچھ حصہ بھی اپنے ہمراہ لیتا گیا تھا، مولانا نے جب ان مکتوبات کا مطالعہ کیا اور ان سے حضرت کے کمالات باطنی کا اندازہ لگایا تو جذبۂ دل نے سرہند چلنے پر آمادہ کیا وہاں پہنچ کر حضرت رح کی عنایات سے سرفراز ہوئے اور اخلاص وآداب کے ساتھ شیخ کی خدمت میں رہے۔ عنایات خداوندی اور حضرت کی برکت سے ایک ہی ہفتہ میں درجہ کمال واکمال پر پہنچ گئے اور تعلیم طریقت میں مجاز ہو کر وطن جانے کی اجازت حاصل کی۔ وطن پہنچ کر حسب الحکم کار طریقت میں مشغول ہوئے، اپنے مریدوں کے احوال بذریعہ مکاتیب خدمت عالی میں پہنچا کر جواب وخطاب سے سرفراز ہوتے رہتے تھے، ایک مکتوب میں حضرت رح نے آپ کو تحریر فرمایا۔

روزے توجہے بجال شما نمودہ آمد بکہ مردم	ایک دن تمہاری طرف توجہ کی دیکھا کہ اس طرف
آن نواحے بجانب شما می دوندو التجا	کے آدمی تمہاری طرف دوڑتے ہیں اور تمہارے
بشما می آرند معلوم شد کہ شمارا مدار آن زمین	سامنے التماس فیض کرتے ہیں معلوم ہوا کہ تم کو اس
ساختہ اند ومردم آن حدود را بشما مر	علاقہ کا قطب بنایا گیا ہے اور اس حدود کے لوگوں کو
بوط واشتہ بِلّٰہِ الحَمدُ وَالمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ	تم سے متعلق کیا گیا ہے، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

حضرت رح نے ایک مکتوب مولانا شیخ یوسف رح برکی کو لکھا ہے اس میں بھی آپ کی تعریف فرمائی ہے آپ نے ۱۰۲۶ھ ہجری میں وفات پائی، حضرت نے دعائے مغفرت سے آپ کی روح کو شاد کیا، دیکھا گیا کہ جب کبھی آپ کا تذکرہ مجلس مبارک میں ہوتا تھا حضرت ان کی تعریف

فرماتے تھے اور لطف و عنایت کے ساتھ یاد فرمایا کرتے تھے نیز مولانا کے مریدین کو بھی تحریر فرماتے تھے کہ مولانا کے لیے مغفرت کی دعا کرو مولانا کا وجود فی زماننا مسلمانوں کے لیے آیات حق میں سے ایک آیت (نشانی) اور رحمتہائے خداوندی میں سے ایک رحمت تھا۔

مولانا محمد صالح کولابیؒ آپ حضرتؒ کے قدیم الایام مریدین میں سے تھے منکسر المزاج اور خاموش طبیعت تھے، اپنی روحانی سرگزشت اپنی ہی زبانی اس طرح بیان فرماتے ہیں ـــــ میرے اندر جب طلب معرفت کا جذبہ پیدا ہوا میں اس زمانے کے اکثر مشائخ کی (جو قریب قریب مقامات پر رہتے تھے) خدمت میں رہا لیکن کسی سے کوئی کیفیت حاصل نہیں ہوئی حسن اتفاق سے ایک جمعہ کو آگرہ کی جامع مسجد میں حضرت کو دیکھا دیکھتے ہی میرا دل حضرتؒ کی طرف کھنچنے لگا ؎

آن دل کہ رم نمودہ از خوب روجوانان ⁂ دیرینہ سال پیرے بروش بیک نگاہے

جامع مسجد سے حضرتؒ کی قیام گاہ پر پہنچ کر تعلیم ذکر کی درخواست کی وہ قبول ہوئی۔ اس کے بعد سالہا سال خدمت اقدس میں رہا لیکن پستی استعداد کے باعث کوئی کامیابی محسوس نہیں کرتا تھا اپنے پیر بھائیوں کو دیکھتا تھا کہ وہ منازل ترقی پر گامزن ہیں۔

اپنی اس بدنصیبی پر ہجران دگریاں رہتا تھا یہاں تک کہ رمضان کا مبارک مہینہ اپنی مقدس ساعتیں لے کر آ گیا، جب حضرتؒ معتکف ہوئے تو اس اعتکاف میں طشت و آفتابہ کی خدمت میرے سپرد ہوئی ایک رات حضرت نے اپنے متبرک ہاتھ کو دھویا میں اس تمام دھوون کو پی گیا، اس کا پانی پینا تھا اور حالات کا وارد ہونا۔

مولانا جب حضرتؒ کی توجہ سے درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو اجازت تعلیم سے ممتاز ہوئے اور طالبان معرفت کی ایک جماعت کو آپ کا روحانی فیض پہنچا، حضرت کو بارہا آپ کی تعریف فرماتے سنا گیا ہے ایک دن حضرت نے آپ کے متعلق فرمایا۔

مولانا صالح از سیر صفات و تجلیات صفاتیہ ⁂ مولانا محمد صالح نے سیر صفات و تجلیات صفاتیہ

بہرہ تمام گرفتہ۔	سے پورا حصہ حاصل کرلیا ہے۔

آپ نے مخدوم زادوں کی فرمائش پر ایک رسالہ لکھا تھا جس میں حضرت رح کے دن اور رات کے معمولات کو جمع کیا، اس میں لکھتے ہیں کہ جب میں نے حضرت رح سے معمولات کے جمع کرنے کی اجازت طلب کی تو ارشاد فرمایا کہ پیروی کے قابل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی عمل ہے۔ کتب حدیث کی طرف رجوع کرو اور وہاں سے معمولات مسنونہ اخذ کرو، عرض کیا گیا کہ حضرت رح کا عمل بھی تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت کے مطابق ہے اس پر یہ ارشاد فرمایا۔

چناں کنند اما نیک ملاخطہ نمایند کہ ہرچہ موافق سنت باشد قولے و فعلے آنرا در عمل آرید و ہرچہ نہ چنا نست موقوف دارید،	اچھا جمع کرو لیکن اس بات کا اچھی طرح لحاظ رکھنا کہ میرا جو قول و فعل موافق سنت ہو اس پر عمل کرنا اور جو ایسا نہ ہو اس کو موقوف رکھنا۔

۱۰۳۸ھ میں مولانا کا وصال ہوا۔

مولانا محمد صدیق کشمی رح آپ کشم (علاقہ بدخشاں) کے رہنے والے ہیں ایام جوانی میں ہندوستان تشریف لائے چونکہ شعر و شاعری میں دستگاہ رکھتے تھے اس لیے محب الفقرا و الشعرا عبد الرحیم خان خانان کی صحبت اختیار کی اسی عرصے میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ العزیز سے بیعت ہو کر سلسلہ نقشبندیہ میں منسلک ہو گئے۔ لیکن جوش جوانی کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کے مشغلے نے آپ کو حضرت خواجہ رح کی زندگی میں ترقی روحانی کا موقع نہیں دیا حضرت رح خواجہ کے وصال کے بعد آپ حضرت رح کی خدمت میں آئے۔ اور کامیاب ہوئے، خود حضرت رح ایک مکتوب مبارک میں مولانا محمد صالح کولابی کو آپ کے ترقی یافتہ احوال کی اطلاع دیتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

مولانا محمد صدیق دریں ایام بعنایت اللہ	مولانا محمد صدیق ان دنوں اللہ سبحانہ کی عنایت

بجانہ بولایت خاصہ مشرف گشتند..... سے ولایت خاصہ سے مشرف ہو گئے اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے

مولانا ۱۰۲۲ھ میں اپنے متعلقین کی ایک جماعت کے ساتھ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے واپسی میں دہلی آئے۔ اس سفر میں چونکہ وابستگان کثیر تعداد میں تھے اور زادراہ تھوڑا تھا اس لیے فقر و فاقہ کی بڑی بڑی مشقتیں جھیلیں ۔۔۔ آپ ہی نے مبدا و معاد کو حضرت رح کی بیاض خاص سے نقل فرما کر جمع کیا ہے۔ مکتوبات شریف آپ کے نام بھی کثیر تعداد میں ہیں آپ کو حضرت رح سے بہت کچھ اخلاص و عشق تھا جس زمانے میں آپ حجاز میں تھے حضرت رح نے مولانا محمد ہاشم کشمی رح سے فرمایا کہ "اس وقت میں بعض قدیم مریدین کے احوال کی طرف متوجہ تھا۔ مولینا محمد صدیق نظر کشفی میں کامل محبت و اخلاص کے ساتھ ہماری طرف متوجہ معلوم ہوئے" آپ رح کو حضرت رح کے علوم و معارف سے کافی مناسبت تھی ۔۔۔ آپ نے مثنوی مولانا رومی رح کے وزن پر ایک مثنوی لکھی ہے جس میں ماچین کے شیشہ گر کی حکایت نظم کی ہے اور وہ حق الیقین کی بہترین تعبیر ہے۔ ایک دوسری مثنوی بوزن خسرو شیریں لکھی ہے

شیخ عبدالحی رح

آپ حصار شادماں (علاقہ اصفہان) کے باشندے مسکین طبع اور خموشی پسند بزرگ تھے، سالہا سال تک آستان مجددی پر دُر ہائے فیوض سے دامن مراد کو بھرا اور توجہ مرشد کی برکت سے ترقیات سے ہم آغوش ہوئے۔ بہت سے اسرار و معارف کو زبان فیض ترجمان سے سنا تھا بلکہ ان احوال سے بھی کچھ وافر حصہ مبدء فیض سے پایا تھا جن کی ترجمانی حضرت رح نے مکتوبات کی صورت میں فرمائی ہے۔

حضرت مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم نقشبندی کی فرمائش پر مکتوبات کا دفتر ثانی آپ ہی نے جمع فرمایا ہے۔ حضرت کے بہت سے مکتوبات آپ کے نام بھی ہیں ۔۔۔ حضرت رح نے آپ کو تعلیم طریقت کی اجازت دے کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا شہر کے کنارے شیخ نور محمد رح کا

ذکر کیا جا چکا ہے) طالبان حق کے افاضہ میں مشغول تھے اور شہر کے درمیان میں شیخ عبدالحیٰ تشنگان طریقت کی پیاس بجھا رہے تھے، حضرت ایک مخلص کو تحریر فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

وجود این دو عزیز (یعنی مولانائے مذکور و شیخ نور محمد) درآں یک شہر چون قران السعدین است۔

مولانا عبدالحیٰ اور شیخ نور محمد کے وجود ایک شہر (پٹنہ) میں قرِان السعدین کی مانند ہیں۔

حضرتؒ نے براہ راست شیخ نور محمد کو ایک مکتوب پٹنہ بھیجا اور اس میں شیخ عبدالحیٰ کے مقام و حال کی اطلاع ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

شیخ عبدالحی ہم شہری شما است و بجوار شما آمدہ است نسخہ علوم و معارف عزیبہ است و چیز ہائے ضروریہ این راہ نزد او مودع است ملاقات او یاران دور افتادہ را مغتنم است کہ نو آمدہ است و چیز ہائے نو آوردہ است الخ

شیخ عبدالحیٰ تمہارے ہم شہری ہیں اور تمہارے پڑوس میں آ گئے ہیں یہ علوم و معارف کی کتاب ناطق ہیں اور راہ سلوک کی ضروری چیزیں ان کو سونپی گئی ہیں ان کی ملاقات دور افتادہ مخلصین کے لیے بسا غنیمت ہے کیونکہ یہ نئے نئے آئے ہیں اور تازہ تازہ معارف لائے ہیں۔ الخ

آپؒ نے ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔

مولینا یار محمد القدیم الطالقانی رح آپ حضرتؒ کے قدیم خادم ہیں قائم اللیل وصائم النہار کثیر السکوت والمراقبہ تھے۔ بزرگان نقشبند کی بعض خصوصیات آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھیں، خوش سیرتی کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھے، صاحب زبدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ میں اپنی خوبصورتی اور اس داڑھی کا بہت "شکر گذار" ہوں کہ جب کبھی بازار وغیرہ سے گزرتا ہوں تو مجھ کو دیکھ کر لوگ رسول اللہ

سلہ تذکرۃ العابدین ص ۱۲۳ سلہ آپ کے بعد آپ کے ایک اور ہم نام (یار محمد) جامع مکاتیب دفتر اول حضرت کی خدمت میں آئے اس لیے ثانی الذکر کو جدید اور آپ کو قدیم کہتے ہیں ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے لگتے ہیں۔
آپ نے فقر و فاقہ کی حالت میں بیت الحرام و روضۂ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لیے حجاز کا سفر اختیار کیا اور اپنی روح کو جذب و کیف اور نشاط و انبساط کی دعوت دی۔

مولینا قاسم علیؒ آپ بھی حضرت خواجہ صاحبؒ کے ان اصحاب میں سے ہیں جن کی تربیت حضرت کے حوالہ ہوئی تھی، آپ خانقاہ مجددی میں رہ کر دریائے معرفت سے گوہر مقصود حاصل کرتے رہے، خود حضرت خواجہؒ صاحب کو آپ کی روحانی ترقیات کی اطلاع ایک مکتوب کے ذریعہ کی ہے اور مزید ترقی کی امید ظاہر فرمائی ہے، اس سے زیادہ حالات دریافت نہ ہوسکے

شیخ حسن برکیؒ آپ مولینا احمد برکیؒ کے تلامذہ میں سے تھے حضرت کی بارگاہ میں پہنچ کر ذکر و مراقبہ سے مشرف ہوئے اور عنایات خاصہ سے بہرۂ وافر حاصل کرکے وطن مالوف واپس ہوگئے، وہاں مولانا احمدؒ کی صحبت میں رہنے لگے، حضرتؒ نے مولانا احمدؒ کے نام ایک مکتوب لکھا اور اس میں تحریر فرمایا۔

شیخ حسن از ارکان دولت شما است اگر فرضاً شما را میل سفرے شود نائب مناب شما اوست الخ	شیخ حسن تمہارے رکن اور ممد و معاون ہیں تم کو بالفرض اگر کسی سفر پر جانا ہو تو یہ تمہارے صحیح قائم مقام ہیں۔

اتفاق ایسا ہوا کہ مکتوب پہنچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد مولانا احمد نے سفر آخرت اختیار فرمایا جب یہ خبر حضرت کو پہنچی تو آپ نے مولانا کے مریدوں کو یہ ہدایت تحریر فرمائی۔
"مرحوم کے طور وطریقہ کا خیال رکھا جائے اور ذکر و حلقہ کی مشغولیت میں کوئی کمی نہ آنے پائے میں نے اس سے پہلے بر سبیل اتفاق لکھا تھا کہ اگر مولینا کوئی سفر اختیار کریں تو شیخ حسن ان کے قائم مقام ہیں اقضاراً وہ سفر سفر آخرت ہوگیا ——— اب مکرر توجہ دلاتا ہوں کہ شیخ حسن کی

متابعت مولانا (احمد) کے کسی مرید پر گراں نہ ہو...... (بہرحال) اطاعت لازمی ہے، ویسے بھی شیخ حسن کا طریقہ مولانا (احمد) کے طریقے سے بہت کچھ مناسبت رکھتا ہے، مولانا (احمد) نے آخر میں جو نسبت اس طرف سے حاصل کی تھی۔ شیخ حسن اس نسبت میں شریک ہیں مولانا کے دوسرے مریدین کو (ہرچند کہ وہ صاحب کشف وشہود ہوں) اس نسبت سے بہت کم حصہ ملا ہے" ____ آخر کار مولانا احمد کے مریدوں کی سرحلقگی شیخ حسن کے لیے تجویز ہوگئی اور آپ افادہ وافاضہ میں مشغول ہوئے آپ نے اپنے شیخ (حضرت مجددؒ) اور اپنے استاد (مولانا احمد) کا شیوہ اختیار کیا اور مراقبہ، مجاہدہ، اور رفع بدعت میں مضبوطی سے کام لیا، اور کامیاب وفلاح یاب ہوئے حضرت کے پاس آپ کے جو خطوط آئے تھے ان سے آپ کے حالات کا پتہ چلتا ہے ____ ایک عریضہ میں بعض اصطلاحات صوفیہ پر کچھ اعتراضات وارد کئے تھے اور آخر میں لکھا تھا کہ وہ معارف جو اس "بے بضاعت" کو تسکین دیتے ہیں معارف شرعیہ ہیں، اور شریعت کا ہر حکم ایک ایسے دروازہ کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے ہو کر شہر مقصود تک پہنچ سکتے ہیں ____ حضرت کو اس مکتوب کے اس حصہ پر جس میں اصلاحات صوفیہ پر اعتراضات تھے سخت ناگواری ہوئی اور اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "خبردار بے سمجھی سے ایسی باتیں آئندہ نہ کرنا اور غیرت خداوندی سے ڈرتے رہنا شاید تم کو نقلی وجعلی صوفیوں نے "برانگیختہ" کر دیا ہوگا ____ مگر بزرگوں کا خیال بھی تو رکھنا چاہیے ____ مدعیان طریقت کی بدعات پر نکتہ چینی کرو تو اس کی گنجائش ہے اور وہ بالکل ٹھیک ہے، لیکن جو چیزیں صوفیاء میں مقرر اور ضروری ہیں ان پر کلام کرنا سخت نامناسب بات ہے"

آخر میں معارف شرعیہ کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اس کو مطالعہ فرما کر حضرت خوش ہوئے اور اس کے متعلق اسی مکتوب میں یہ تحریر فرمایا۔

این را بر فنا بسیار اصل است وبسیار عالی	یہ چیز اصل اور عالی ہے اس معرفت کے حسن مطالعہ
وامیدداری بحسن مطالعہ این معرفت محظوظ	کی اُمید نے بہت مسرور کیا اور مکتوب کے ابتدائی

ساخت و ما ملائمت اول مکتوب راز ائل	حصّہ کی نامناسب تحریر کے اثر کو زائل کر دیا
گرداند حق سبحانہ ازیں راہ بمقصود رساند	حق تعالیٰ اسی راستے سے مقصود تک پہنچائے

مولانا شیخ عبد الہادیؒ فاروقی بدایونی

آپ بدایوں کے فاروقی النسب بزرگ تھے بعض کتب میں آپ کا اسم مبارک شیخ عبد الہادی منگن[۱] لکھا ہوا ملا۔

آپ بھی حضرت خواجہ صاحب کے ان مریدین میں سے ہیں جن کی تربیت باطنی حضرت رح سے متعلق ہوئی تھی، آپ نے بھی حضرت کی خدمت کر کے نظر عنایت عالیہ سے بہرہ وافر حاصل کیا انکسار و افتقار آپ کا طرۂ امتیاز تھا حضرت نے جو مکاتیب اپنے پیر بزرگوار کو تحریر فرمائے ہیں ان میں منجملہ دیگر مسترشدین کی ترقیات کے آپ کی ترقی کا ذکر بھی فرمایا ہے..... مدت تک خدمت بابرکت سے مستفیض ہوتے اور ترقیات و کمالات کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد آپ تعلیم طریقت کی اجازت سے ممتاز و مشرف ہوئے آپ کا مزار شریف "مدینۃ الاولیا" بدایوں میں ہے، تذکرۃ الواصلین کے مصنف نے بدایوں کے شہدا و اولیا کے بہت کچھ حالات بہم پہنچائے ہیں لیکن ان کے حالات کو اجمالی طریقہ سے لکھا ہے حتیٰ کہ تاریخ وفات[۲] بھی نہیں لکھی انھوں نے آپ کے مختصر تذکرہ کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

مزار شریف آپ کا راقم کو معلوم نہیں کہ بدایوں میں کسی مقام پر مدفون ہیں۔ لیکن میاں اکرام اللہ محشر بدایونی روضۂ صفا میں لکھتے ہیں کہ قبر شریف بدایوں میں جانب شرق ہے۔ (تذکرۃ الواصلین ص ۱۲۸)

---

[۱] بدایوں کے شیوخ فاروقی دو فرقوں میں منقسم تھے ایک منگن کے نام سے اور دوسرا بہنپا کے نام سے موسوم تھا، شیخ عبد الہادیؒ فرقہ اول ہی سے تعلق رکھتے تھے، تذکرۃ الواصلین ص ۱۲۱ مولفہ مولوی شیخ رضی الدین صاحب بسمل صدیقی فرشوری بدایونی۔ [۲] کوز آثار اولیائے شہر بدایوں ص ۲۶ مولفہ سید منظور علی منظور بدایونی کے مطالعہ سے) معلوم ہوا کہ تاریخ وصال شعبان المعظم ۱۰۳۰ھ ہے اور مزار مبارک خرم شاہ کے تکیہ میں ہے۔

شیخ یوسف برکی رح اولاً آپ کو ایک درویش کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا اور مشرب "توحید خیالی" اختیار کیا ایک رات عالم رویا میں آستان مجددی کی طرف ولایت ہوئی، چنانچہ ایک شخص کے ہاتھ اپنے تمام حالات لکھ کر حضرت رح کی خدمت میں روانہ کیے حضرت رح نے ایک مکتوب میں جواباً تحریر فرمایا کہ اس قسم کے احوال شروع شروع میں بتدیوں پر طاری ہو جایا کرتے ہیں ان کا کچھ اعتبار نہ کرو بلکہ ان کو دور کرنے کی کوشش کرو اس مکتوب میں وصل کی حقیقت اور دیگر حقائق بھی بیان فرمائے اور ہمت بلند کی ترغیب دی۔ اس کے بعد خوبی تقدیر سے دربار فیض آثار میں حاضری کا موقع ملا اور بیعت ہوئے کچھ عرصہ سرہند رہنے کے بعد اجازت تعلیم پا کر جالندھر میں سکونت اختیار فرمائی تھوڑے تھوڑے عرصے کے وقفے سے سرہند تشریف لاتے رہتے تھے۔ اور جدائی کے زمانے میں زبان قلم سے عرض احوال کرتے رہتے اور جوابات سے سرفراز ہوتے رہتے تھے ایک دفعہ حضرت رح کی خدمت میں حسب دستور پہنچے وداع کے وقت دیکھا گیا کہ زار و قطار رو رہے ہیں اور زبان حال سے تغیر قلیل عرفی کا یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

از در دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم … ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ گریاں رفتم

حضرت رح نے ایک مکتوب میں آپ کو "مستعد"، اور "صادق الاعتقاد"، تحریر فرمایا ہے۔

سید محب اللہ مانکپوری رح آپ علوم دینیہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، آغاز سلوک میں قدوۃ المشائخ شیخ محمد بن فضل برہانپوری قدس سرہ کی خدمت کی اور ایک مدت تک وہاں رہ کر اجازت و خلافت حاصل کی اس کے بعد برہانپور میں ہی میر محمد نعمان رح کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سلسلہ نقشبندیہ کا طریقہ ذکر سیکھا، چونکہ میر صاحب کی مجلس میں ہمیشہ حضرت رح کی تعریف و توصیف ہوتی تھی اور مکتوبات شریفہ کا مذاکرہ ہوتا تھا اس لیے آپ کو حضرت رح کی خدمت و زوبت کا شوق غالب ہوا چنانچہ بارگاہ مجددی پر پہنچے اور وہاں مدتوں تک خوشہ چینی فیوض کرتے رہے بالآخر حضرت نے خلافت سے معزز فرما کر مانکپور روانہ

فرمایا حضرت نے ان کے متعلق ایک مکتوب میں جو میر صاحب مذکور کے نام ہے یہ کلمات طیبات تحریر فرمائے ہیں۔

سید محب اللہ بہ نسیان ماسوی وبعض مقامات فنا رسید اورا اجازت گونہ دادہ بہ مانک پور فرستادیم

سید محب اللہ نسیان ماسوی اور بعض درجات فنا پر پہنچ گئے ہیں اور ہم نے ان کو اجازت دے کر مانک پور روانہ کر دیا ہے۔

مانکپور کچھ عرصہ رہنے کے بعد آپ نے اپنے اہل وطن کی شکایت لکھی کہ وہ اذیت پہنچاتے ہیں حضرت نے ایک بار جواب میں صبر و تحمل کی تلقین فرمائی اور یہ شعر بھی تحریر فرمایا ؎

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است
نازکی کے راست آید بارمی باید کشید

لیکن جب آپ نے مانکپور سے منتقل ہونے کے لیے منت وسماجت کے ساتھ اجازت چاہی تو حضرت نے تحریر فرمایا کہ "آج کی رات ہم نے عالم کشف میں دیکھا کہ تمہارا سامان مانکپور سے الہ آباد منتقل کیا گیا ہے اب تم الہ آباد میں کوئی یکسوئی کی جگہ اختیار کر لو اور اپنے اوقات ذکر الٰہی جل سلطانہ میں بسر کرو" کچھ طریقہ ذکر کے متعلق تحریر فرما کر آخر میں یہ نصیحت فرمائی۔

تا توانید راہ تقلید را از دست مدہید کہ تقلید بشیخ طریقت ثمرات دارد و در خلاف طریق او خطرہا است

جہاں تک ہو سکے تقلید کو ترک نہ کرنا کیونکہ شیخ طریقت کی تقلید ثمرات رکھتی ہے اور اس کے خلاف کرنے میں بہت سے خطرے درپیش ہوتے ہیں۔

حاجی خضر افغان رح آپ حضرت رح کے مخصوص مرید و خلیفہ مجاز تھے کثیر التعداد مخلوق نے آپ سے فیض سرمدی حاصل کیا، آپ اکثر راتیں گریہ وزاری میں کاٹتے تھے اور میر تقی میر کے اس شعر کے مصداق تھے ؎

ایک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد سا دل میں ہوتا ہے ۔۔ میں راتوں اٹھ اٹھ روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

آپ کے اوقات اذکار و نوافل اور اشغال سے معمور رہتے تھے سرہند کے قریب ایک موضع میں سکونت اختیار کر لی تھی اور تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد سرہند آتے جاتے رہتے

تھے۔ آپ کے مرتبے کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ حضرت نے ایک دفعہ اپنے بعض مریدین سے فرمایا کہ "میں نے ایک دن ابلیس لعین کو دیکھا اور اس سے دریافت کیا کہ میرے مریدین میں سے وہ کون شخص ہے جس پر تیری دسترس کمتر ہے ابلیس نے کہا حاجی خضر

آپ نے حضرتؒ سے ایک سال بعد غالباً ۱۰۳۵ھ میں دنیا کو خیرباد کہا۔

شیخ احمد دیوبندی رحؒ[1]

آپ دیوبند ضلع سہارنپور کے رہنے والے تھے شروع شروع میں حضرتؒ حلقہ درس میں بھی ایک مدت تک رہ کر شرف تلمذ حاصل کر چکے تھے۔ اس کے بعد برہانپور چلے گئے اور وہاں پر شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہ العزیز سے بیعت ہوئے اور مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر خلافت حاصل کی اور آگرہ آئے حضرتؒ اس وقت آگرہ میں مقیم تھے اس زریں موقع کو غنیمت جان کر صحبت اقدس سے سعادت اندوز ہوئے اور طریقہ نقشبندیہ اختیار کیا۔ اور حضرتؒ کی خدمت بابرکت میں رہے جب حضرت رحؒ نے میر محمد نعمانؒ کو خلافت دے کر برہانپور رخصت کیا تو آپ کی روحانی تربیت بھی میر صاحبؒ کے سپرد فرمائی، میر صاحب کی صحبت میں حضور و نسبت خواجگان نقشبندیہ کی دولت سے سرفراز ہوئے اور ایک خاص لذت محسوس کی۔ چنانچہ اسی طریقہ کے ذکر کا التزام کر لیا۔

ایک دفعہ مرشد سابق سے ملاقات ہوئی انھوں نے آپ سے دریافت فرمایا ہم نے تم کو جو ذکر تعلیم کیا ہے اس میں اشتغال رکھتے ہو یا نہیں، آپ نے جواباً عرض کیا کہ میں نے میر محمد نعمانؒ سے طریقہ خواجگان نقشبندیہ کا ذکر حاصل کر لیا ہے اس میں لذت پاتا ہوں اور اسی میں

---

[1] نسبۃ المقامات میں آپ کے تذکرہ کا عنوان "شیخ احمد دیبنی" ہے اس کے بعد یہ عبارت ہے، "دیبن موضعے است از مضافات سہارنپور میان دوآبہ الخ۔ زبدۃ المقامات کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مجددی نقشبندی دیوبند کے زیر مطالعہ رہ چکا ہے اس میں منجملہ دیگر مفید حواشی کے لفظ دیبن پر یہ حاشیہ بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے قلم سے تحریر ہے۔" اکنون نام آں قصبہ دیوبند مشہور است کہ بہ برکات و توجہات حضرت ایشاں دار العلم گشتہ است و فخر ہندوستان در یں صدی سیزدہم و چہار دہم مثل آن دار العلم مسموع و منظور نگشت واللہ تعالیٰ اعلم

مشغول ہوں شیخ سابق چونکہ منصف مزاج اور حقانیت پسند تھے اس لیے تھوڑے سے تاثر کے بعد فرمایا کچھ مضائقہ نہیں مقصد تو فائدہ کا حاصل کرنا ہے حضوری کی دولت جس جگہ سے بھی بہم پہنچے اس کو لازم پکڑو، میر صاحبؒ کے یہاں کچھ عرصے رہنے کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے الطاف بے پایاں سے نوازے گئے، اور اجازت کی خلعت عنایت ہوئی —— آپ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب بعد حصول اجازت دو طالبوں کو ذکر طریقت کی تعلیم دی وہ دونوں متاثر ہوئے اور ان سے احوال کا ظہور ہوا یہ کرشمہ دیکھ کر آپ خود محو حیرت ہو گئے اور حضرتؒ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا اور اس میں لکھا کہ باوجودیکہ میں اپنے اندر کوئی حال محسوس نہیں کرتا لیکن یہ کیا بات کہ میں نے دو طالبوں کو تعلیم ذکر کی اور ان سے احوال ظاہر ہوئے؟ اسی کے ساتھ ذہول اور دوام آگاہی کے متعلق بھی دریافت کیا حضرتؒ نے دونوں باتوں کا جواب عنایت فرمایا پہلے جز کے متعلق جواب دیتے ہوئے ان دونوں طالبوں کے احوال کو مولانا کے احوال کا عکس قرار دیا ہے جو کہ ان دونوں کے آئینہ استعداد میں ظاہر ہو گیا رہا اپنے احوال کا علم اس کے متعلق تحریر فرمایا کہ "مقصود حصول احوال ہے نہ کہ علم احوال، علم احوال ایک اور دولت ہے کسی جماعت کو علم احوال منجانب اللہ دیا جاتا ہے اور کسی کو نہیں بھی دیا جاتا۔ دوسرے جز کے متعلق یہ ارقام فرمایا کہ "آگاہی سے مراد حضور باطنی ہے جو کہ علم حضوری سے مشابہ ہے، تم نے کبھی یہ سنا ہو گا کہ کوئی شخص کسی وقت اپنے نفس سے غافل ہو گیا ہو اور اسے اپنی نسبت ذہول رونما ہوا ہو غفلت و ذہول تو علم حصولی میں ممکن ہے"

آپ مدت تک آگرہ میں طالبین معرفت کے افادہ میں مشغول رہے آپ کے ان دونوں مریدوں کے چہرہ سے اکابر سلسلہ کی خصوصیات ہویدا اور جذبہ و بیخودی کی شان آشکارا تھی، ایک رئیس اعظم جو کہ آپ سے اخلاص مندی کا تعلق رکھتے تھے آپ کو بنگالہ لے گئے آپ نے اس علاقہ میں

لہ آپ کی سن وفات اور مزید حالات نہ معلوم ہو سکے میں نے اپنے محترم جناب مولوی سید محبوب الحسن صاحب رضوی دیوبندی کو اس طرف توجہ دلائی ہے وہ مشاہیر دیوبند کے سلسلہ میں جو تحقیق فرما رہے ہیں ان کے تذکرے کو بھی شاید مفصل لکھیں۔

قبولیت عظیمہ حاصل کی اور طالبین معرفت کو خمخانۂ توحید کے کیف آور و روح پرور جام پلائے اور سر مستان مے الست نے جھوم جھوم کر عرض کیا ؎

ساقیاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک ساغر چلے ساغر چلے (میر درد)

شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی رح

آپ بابا حسن ابدالی (جو کہ کابل کے علاقہ میں ایک مقام ہے) کے رہنے والے اور حضرت رح کے قدیم مرید تھے، شروع شروع طلب حق میں سیاحی کی اور اسی سلسلہ میں سرہند آئے حضرت رح کے پاس پہنچتے ہی آپ کا حال دگر گوں ہو گیا عنایت خاصہ سے مشرف اور تعلیم ذکر و مراقبہ سے سرفراز کئے گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کمال کو پہنچ کر اجازت تعلیم طریقت سے نوازے گئے اور اپنے وطن چلے گئے اس علاقہ کے لوگ کثرت سے آپ کے دست حق پرست پر تائب ہو کر داخل سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ ہوئے ــــ حضرت رح کے یہاں آپ کو بہت رسوخ حاصل تھا جس زمانے میں حضرت رح تنہائی اختیار فرماتے تھے کسی کی مجال نہیں تھی کہ خلوت گاہ میں پہنچے لیکن یہ آپ ہی کی خصوصیت تھی کہ حضرت رح نے فرما دیا تھا، کہ شیخ اپنے مریدوں سمیت خلوت گاہ میں آئیں اور انہیں کوئی نہ روکے، جس زمانے میں حضرت لاہور تھے آپ اپنے مریدین کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور الطاف مرشد سے سرفراز ہو کر وطن واپس گئے، شیخ اسحٰق نامی ایک فاضل نے جو کہ سندھ کے مقتداؤں میں سے تھے آپ سے بیعت کی اور اکیس روز متواتر حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت منامی سے مشرف ہو کر رحمتہ اللعالمین کے الطاف گوناگوں سے شادکام ہوئے۔

مولانا عبد الواحد لاہوری رح

آپ کو بھی حضرت رح خواجہ قدس سرہٗ ہی نے تربیت باطنی کی غرض سے حضرت رح کے سپرد فرمایا تھا، آپ کثیر المراقبہ اور کثیر العبادہ تھے، صاحب زبدۃ المقامات (مولانا محمد ہاشم کشمی رح) فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ مجھ سے دریافت فرمانے لگے "کیا جنت میں نماز ہو گی؟" میں نے کہا نہیں، جنت میں نماز کہاں ہو گی جنت تو جزائے اعمال کا محل ہے نہ کہ دار العمل آپ نے یہ جواب سن کر ایک آہ سرد بھری اور رونے

لگے اور حسرت آمیز لہجے میں فرمایا آہ ! ایسے نماز کے جنت میں کیوں کر بسر ہوگی ؟

صاحب زبدۃ المقامات نے آپ کے تذکرہ میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ایک دن آپ حضرتؒ کو ایک عریضہ تحریر کر رہے تھے، اتفاق سے اس پر میری نظر پڑی تو اس میں یہ لکھا ہوا پایا "کبھی کبھی نماز کے اندر حالت میں ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ سجدے سے سر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا"۔

مولانا امان اللہ لاہوریؒ

آپ بھی حضرتؒ کے مریدان اجازت یافتہ میں سے ہیں ۱۰۱۳ھ میں حج بیت اللہ کا شوق غالب ہوا، پیادہ پا بغیر توشہ و زاد راہ سفر حجاز کو چل کھڑے ہوئے، راستے میں حضرتؒ کے اور خود آپ کے متوسلین و احباء نے چاہا کہ ان سے زاد و راحلہ قبول کر لیں لیکن انھوں نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور اسی بے سر و سامانی کے ساتھ حجاز کو گئے۔

ان مذکورہ خلفاء کے علاوہ دیگر حضرات جو خلافت و اجازت یافتہ اور ارباب ذوق و اصحاب فضل تھے، ان کے اسماء مبارکہ حسب ذیل ہیں :۔

مولانا امان اللہ فقیہہ، شیخ محمد حری، شیخ داؤد ساکی، شیخ سلیم بنوری، شیخ نور محمد بہاری، شیخ حامد بہاری، صوفی قربان (قدیم) مولانا صادق کابلی، مولانا محمدؐ ہاشم خادم، شیخ زین العابدین تبریزی ثم المکی الشافعی، مولانا غازی گجراتی، صوفی قربان (جدید) سید باقر سارنگپوری، شیخ عبد العزیز نجومی مغربی مالکی، شیخ احمد استنبولی حنفی، مولانا فرخ حسین، مولانا صفیر احمد، مولانا بدرالدین سرہندی، مولانا حمید احمدی، حاجی حسین، و شیخ عبد الرحیم برکی، مولانا عبد المومن لاہوری، مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی (المتوفی ۱۰۶۷ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرتؒ کے مخلصین میں بعض وہ بھی تھے جو بظاہر اہل سپاہ لیکن بباطن اصحاب

۱؎ آپ نے بھی اپنے پیر و مرشدؒ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام حضرات القدس ہے ۱۲

خانقاہ تھے اور ع

درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

کے مصداق صحیح ـــــ جیسے خواجہ محمد اشرف کابلی، مولانا حاجی نوکتی، مولینا عبدالغفور سمرقندی، حافظ محمود گجراتی، سلیم خاں لشکری، مکتوبات شریفہ کے مطالعہ سے ان حضرات کے بھی کمال ذوق و شوق کا حال معلوم ہوتا ہے۔ بعض تجار بھی حضرت سے مستفیض ہوئے اور وہ آیۃ "رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیعٌ عن ذکر اللہ[1]" کے آئینہ دار تھے ـــــ یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ان چند خلفاء کا اجمالی تذکرہ ہے جن کے ناموں سے اہل سیر واقف ہیں، ان کے علاوہ بھی خدا معلوم کس قدر خلفاء ہوں گے جن کے حالات تو کیا اسماء بھی معلوم نہیں۔ جس مجسمہ روحانیت و پیکر ہدایت اور "رگ فاروقیت" رکھنے والے بزرگ نے، ہندوستان، افغانستان بلخ و بخارا غرضیکہ عالم اسلامی کے بلا مبالغہ لاکھوں نفوس کو اپنی بے پناہ جدوجہد سے کلمۂ حق اور ذکر خدا کا سبق پڑھایا تھا اس کے خلفاء کی فہرست اتنی مختصر نہیں ہوسکتی کہ ان کے اسماء و حالات چند اوراق میں سما سکیں لامحالہ ان مذکورہ حضرات کے علاوہ دیگر ارباب جذب و کیف بھی خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے ہونگے۔ میرے اس قول کی تائید زبدۃ المقامات کے اس جملہ سے بھی ہوتی ہے۔

وجمعے دیگر از اصحاب مقبل صاحبدل آنحضرت بفقر و انزوا و خمولی چناں بودہ اند کہ اکثر خادمان آستان ہم از کار و بار ایشاں آگاہ نبند۔

ان خلفاء کے علاوہ بھی حضرت کے بہت سے صاحبدل خلفاء ایسے ہیں جو زاویۂ فقر اور گوشہ گمنامی میں بسر کرتے ہیں اور ان سے اکثر خادمان آستان عالی بھی واقف و آگاہ نہیں ہیں۔

میں نے سعادت اندوزی کا شرف حاصل کرنے کے لیے بزرگان دین کی اس محبت

---

[1] یہ ایسے لوگ ہیں جن کو تجارۃ اور خرید و فروخت ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ ۱۲

کے ساتھ جو بحمد اللہ میرے دل میں موجزن ہے اس مختصر لیکن ایک حد تک کافی تذکرہ کو مرتب کیا ہے مجھ سے اس میں بہت سی علمی و تحقیقی فروگذاشتیں ہوئی ہوں گی مگر ان سب کو ناظرین کے دامن عفو کے حوالے کرکے اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان بزرگوں نیز دیگر سلاسل کے اکابر کی محبت و متابعت نصیحت کرے اور انہیں کے زمرے میں محشور فرمائے (آمین)

احب الصلحین ولست منهم　　　لعل اللہ یرزقنی صلاحًا

وَاٰخر دعوانا ان الحمد للہ رَبِّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ رسولہ الکریم

علامہ اقبال

بر مزار حضرت

مجدد الف ثانی

رحمۃ اللہ علیہ

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اُس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

(بالِ جبریل)

۱۲ ۱۳